Marfat.com

Marfat.com

فَاَمَّااِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ○ فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ وَجَنَّتُ نَعِيْمٍ

الرَّوح و الرَّیحان

مختصر سیرتِ رسول ﷺ

محمد وقاص

البدر پبلی کیشنز

23 راحت مارکیٹ' اُردو بازار لاہور

فون042-37225030-0300-8485030

Marfat.com

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

297.9921

☆ نام کتاب الروح والریحان

☆ مصنف محمد وقاص

☆ ناشر عبدالحفیظ احمد

☆ اشاعت اکتوبر 2009ء

☆ مطبع میٹرو پرنٹرز، لاہور

☆ ہدیہ -/200 روپے

Marfat.com

فہرست

☆...... سیرت رسول ﷺ کا پیغام 13

☆...... رُودادِ تصنیف 17

☆...... غایتِ تصنیف 21

بابِ اوّل: آلِ ابراہیمؑ 27

فصل اوّل

...... مہاجرت 29

...... قربانی 32

...... بناءِ کعبہ 33

فصل دوم

...... شرک۔ بت پرستی 37

...... خاندانِ قریش 38

فصل سوم

...... عرب۔ سیاسی حالات 40

...... تمدنی حالات 41

...... عرب کے مذاہب 44

باب دوم : انسانِ کامل 47

فصل اول

Marfat.com

...... حضرت آمنہؓ سے شادی 52

...... واقعۂ فیل 52

فصل دوم

...... ولادت 54

...... بنی سعد میں پرورش 56

...... شقِ صدر 57

...... عبدالمطلب کی کفالت 59

...... وجہہ کریم۔ باراں طلبی 60

فصل سوم

...... شبابِ صالح 62

...... سفرِ شام 64

...... جنگ فجار 65

...... حلف الفضول 65

...... تجارت 66

...... حضرت خدیجہؓ 68

...... ازدواجی زندگی 69

...... زید بن حارثہؓ 70

...... حضرت علیؓ 71

...... معاملہ فہمی۔ ذکاوت 71

فصل چہارم

Marfat.com

...... معمولاتِ طعام 79

...... نظافت 79

...... حُسنِ گفتار 80

...... حضور ﷺ کا مزاح 81

باب سوم: نبوت 83

فصل اول

...... نبوت کی حقیقت 85

...... سابقہ انبیاء کی دعوت 87

فصل دوم

...... شبستانِ حراء 93

...... آپ ﷺ کا دورِ نبوت 97

فصل سوم

...... چند سعید رُوحیں 101

...... قریش کو اطلاع 103

...... انذارِ عام 104

...... کوہِ صفا 106

...... ردِ عمل 108

...... قریش ابوطالب کے پاس 109

...... ایک اور تدبیر 110

...... مصائب و آلام 112

...... دارِ ارقم 117

فصل چہارم

پہلی ہجرتِ حبشہ 118

Marfat.com

...... قرآن کی تاثیر 119

...... عیسائیوں کی آمد 122

...... فتح کی خوش خبری 123

...... مکہ کے جگر گوشے 125

...... عمر کا اسلام 126

...... نبی ﷺ کے قتل کی سازش 130

...... قریش کی عجیب پیش کش 130

فصل پنجم

...... شعب ابی طالب 133

...... قریش کا آخری وفد 139

...... آخری لمحات 140

...... حزن وملال 141

فصل ششم

...... سفرِ طائف 144

...... جنّات 148

...... اسراء ومعراج 151

...... معراج۔ آزمائش 155

...... مکی دور۔ ایک کشمکش 156

باب چہارم: رسالت 159

فصل اول

...... حقیقتِ رسالت 161

فصل دوم

...... ہجرت الی المدینہ 165

Marfat.com

...... ہجرت کا اشارہ 167
...... بیعتِ عقبہ ثانیہ 170
...... بارہ نقیب 172
...... شیطان کی چال 172
...... ہجرت کی ابتداء 173
...... شیطان کی پارلیمنٹ 174
...... جانبِ منزل 177

فصل سوم

...... مسجدِ نبوی 181
...... مواخات 182
...... میثاقِ مدینہ 183

فصل چہارم

...... اذنِ قتال 186
...... غزوۂ بدر 193
...... اسلامی لشکر 195
...... اہلِ مکہ کی تیاری 196
...... قیدیوں کا قضیہ 202
...... غزوۂ بنو قینقاع 204
...... کعب بن اشرف کا قتل 205
...... غزوۂ اُحد 207
...... غزوۂ اُحد پر تبصرہ 213
...... غزوۂ بنی نضیر 215
...... غزوۂ خندق 217

Marfat.com

...... غزوۂ بنو قریظہ 223
...... غزوۂ بنو المصطلق 224

فصل پنجم

...... خواب اور تعبیر 228

باب پنجم: مرحلۂ اتمامِ حجت 233

فصل اول

...... فتحِ مبین 235
...... غزوۂ خیبر 240
...... زہریلی بکری 245
...... عمرۂ قضاء 246
...... معرکۂ موتہ 251

فصل دوم

...... فتحِ مکہ 255
...... غزوۂ حنین 263
...... غزوۂ طائف 265
...... غزوۂ تبوک 268

فصل سوم

...... اتمامِ حجت 273
...... حجۃ الوداع 276

فصل چہارم

رحلت کے آثار 279

حوالہ جات 283

Marfat.com

حضورِ آیۂ رحمت کی بارگاہ میں

گراں جو مجھ پہ یہ ہنگامۂ زمانہ ہوا　جہاں سے باندھ کے رختِ سفر روانہ ہوا
قیودِ شام و سحر میں بسر تو کی لیکن　نظامِ کہنۂ عالم سے آشنا نہ ہوا
فرشتے بزمِ رسالتؐ میں لے گئے مجھ کو
حضورِ آیۂ رحمت میں لے گئے مجھ کو
کہا حضورؐ نے اے عندلیبِ باغِ حجاز!　کلی کلی ہے تری گرمیٔ نوا سے گداز
ہمیشہ سرخوشِ جامِ ولا ہے دل تیرا　فتادگی ہے تری غیرتِ سجودِ نیاز
اڑا جو پستیٔ دنیا سے تُو سوئے گردوں　سکھائی تجھ کو ملائک نے رفعتِ پرواز
نکل کے باغِ جہاں سے برنگ بُو آیا
ہمارے واسطے کیا تحفہ لے کے تُو آیا؟
''حضور! دہر میں آسودگی نہیں ملتی　تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی
ہزاروں لالہ و گل ہیں ریاضِ ہستی میں　وفا کی جس میں ہو بُو وہ کلی نہیں ملتی
مگر میں نذر کو اِک آبگینہ لایا ہوں　جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی
جھلکتی ہے تیری اُمت کی آبرو اِس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اِس میں''

(اقبالؒ)

Marfat.com

سیرتِ رسول ﷺ کا پیغام

کچھ دن ہوئے واہ کینٹ میں سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر ایک جلسہ تھا۔

دیگر مقررین کے علاوہ عزیزم محمد وقاص نے بھی تقریر کی اور مجھے ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ علمی پیرایہ، زبان و بیان کا جادو اور موضوع کا حق ادا کرنے کی کوشش! محمد وقاص کے بارے میں وقاص کی تقریر نے میری معلومات میں اضافہ کیا، ان کی قدر و منزلت بڑھی اور سیرتِ نبوی ﷺ کا یہ پہلو بھی اجاگر ہوا کہ جو اس موضوع پر محبت و اخلاص کے ساتھ زبان کھولتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا بول بالا کر دیتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دیتا ہے۔

اُدھر ایک دن عزیزم وقاص نے بتایا کہ وہ سیرت النبی ﷺ پر کچھ لکھ رہے ہیں اور پھر اچانک ڈھائی سو صفحات پر مشتمل ''الرّوح والریحان'' کے نام سے مجھے مسوّدہ تھما دیا کہ میں اس پر کچھ لکھوں۔

میں نے جستہ جستہ ورق گردانی کی ہے۔ نہایت شستہ زبان، محاورہ کا استعمال، الفاظ کی نشست و برخاست، سلاست و روانی، غرض حیرت و استعجاب میں ڈالنے کے اَن گنت عنوانات کی کہکشاں دُور تک پھیلی ہوئی ہے۔ سیرتِ نبوی ﷺ کے

Marfat.com

بیان میں ''ادب گاھیست زیر آسماں از عرش نازک تر ''کے تقاضے پیشِ نظر رکھ کر پوری بات کی گئی ہے اور دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے کا عنوان بن گئی ہے۔ اَللّٰھُمَّ زِدْفَزِد!

اللہ تعالیٰ نے و رفعنالک ذکرک فرما کر گویا یہ طے کر دیا کہ جب تک یہ دنیا قائم ہے اور ایک انسان بھی رُوئے زمین پر موجود ہے، سیرت النبی ﷺ پر لکھا جاتا رہے گا، ہر اُمتی دامنِ مصطفےٰ ﷺ سے وابستگی اور اظہارِ عقیدت کی دلیل کے طور پر بھی قلم اٹھائے گا اور ایمان کا تقاضہ اُسے اکسائے گا...... آمادہ و تیار کرے گا کہ وہ گلہائے عقیدت پیش کرے اور حضوریٔ قلب کے ساتھ درودوسلام بھیجے!

ہر دور کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں۔ اپنے مسائل اور حالات ہوتے ہیں، گتھیوں کو سلجھانا ہوتا ہے۔ گرہیں کھولنا ہوتی ہیں، انشراحِ صدر اور طمانیت قلب کے پیکر وجود میں لانے ہوتے ہیں...... ہر دور کے رہنما نبی اکرم ﷺ ہیں، ہر دَور کا انسان ان کی لائی ہوئی ہدایت اور دینِ حق سے استفادہ کر کے ہی نجات اور کامیابی کے راستہ پر آسکتا ہے۔

ناگزیر ہے کہ نبی اکرم ﷺ جس منصب پر فائز کیے گئے اور جس مشن کی تکمیل کے لیے بھیجے گئے، اس سے انسانیت کو آگاہ کیا جائے؛ اسوہ حسنہ کی روشنی میں دورِ حاضر کے مسائل کا حل پیش کیا جائے؛ دنیا کو مصائب سے نجات کی راہ دکھائی جائے اور قلب وذہن کو اس مشن سے آراستہ پیراستہ کیا جائے۔

واقعات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ ایک سفر سے واپس لوٹے، حضرت فاطمہؓ نے دروازہ کھولا، آپؐ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور آپ ﷺ کا سر دھونے لگیں۔ اچانک نبی کریم ﷺ کو احساس ہوا کہ جیسے فاطمہ رو رہی ہیں۔ آپؐ اُٹھ کر بیٹھ

Marfat.com

گئے اور پوچھا کہ فاطمہؓ کیا بات ہے؟حضرت فاطمہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ کے بالوں کو دھول میں اٹا دیکھتی ہوں، آپ ﷺ کے چہرہ پر سفر اور تکان کے آثار دیکھتی ہوں، آپ ﷺ کے جسمِ اطہر پر پیوند لگے کپڑے اور وہ بھی گرد و غبار میں اٹے دیکھتی ہوں...... بیٹی ہوں رونا آ گیا ہے!

جذباتی ماحول، جذباتی باتیں، بیٹی اپنے باپ سے معصوم اور پیار بھرے تعلق کا اظہار کر رہی ہے، لیکن نہیں ! نبی اکرم ﷺ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ فاطمہؓ گریہ وزاری نہ کر، تیرے باپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک ایسے منصب پر معمور کیا ہے اور ایک ایسا مشن سپرد کیا ہے کہ جس کے نتیجے میں اللہ کا یہ دین وہاں وہاں پہنچے گا جہاں جہاں سورج کی کرنوں کی پہنچ ہے اور یہ دین غالب ہو کر رہے گا خواہ کوئی عزت کے ساتھ قبول کرے یا ذلت کے ساتھ قبول کرے!۔

نبی اکرم ﷺ نے گویا اللہ کا فیصلہ سنا دیا اور لیظھرہ علی الدین کلہ کا مطلب واشگاف فرما دیا۔ کسی کو ناگوار گزرے، کسی کی تیوریوں پر بل پڑیں، کسی کو پسند ہو یا ناپسند، تمام ادیانِ باطلہ کے مقابلہ میں اس دینِ حق کو سر بلند کرنا، اس کی جدوجہد، کوشش و کاوِش کرنا مطلوب ہے۔ ایمان کا تقاضہ ہے اور نبی ﷺ کی زندگی اسی کا نمونہ ہے، لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنه

پس دورِ حاضر میں جب کہا جاتا ہے کہ انسانیت زیادہ منظّم اور بامقصد ہوگئی ہے، منزل اور ہدف کا تعیّن کر کے اس جانب بڑھنے کی خوگر ہوگئی ہے...... لازم ہے کہ انسانیت کو معقولیت، استدلال، اور دو اور دو چار کی طرح اس مشن کی طرف بلایا جائے؛ یہ مشن سمجھایا جائے اور ایک بڑی جدوجہد کے لیے پوری انسانیت کو آمادہ کیا

جائے......اسی میں انسانی مسائل کا حل ہے اور انسانیت کی کامیابی اور نجات بھی۔ اللہ نے ہر شخص کو مسلمان ہی پیدا کیا ہے۔ جب انسانِ کامل ﷺ کی سیرت مبارکہ پیش کی جائے گی اور پیش کرنے والا بھی اپنے کردار کو اس کی کرنوں سے منوّر کر کے یہ کام کرے گا تو ہر سعادت مند شخص لازماً دامنِ مصطفیٰ ﷺ سے وابستہ ہو کر رہے گا کہ اس کے سوا کوئی دوسری راہ ہے ہی نہیں۔

بدرجۂ اولیٰ عام مسلمان کو سیرتِ نبوی ﷺ کے اس انقلابی پہلو کی طرف متوجہ کرنے کی ضرورت ہے، حضور ﷺ کے مشن سے وابستگی......تحرک، سرگرمی ہر صاحبِ ایمان کو ایک بڑی کشمکش کے میدان میں لے آتی ہے۔

اس مشن کو لے کر اٹھنے والوں کے لیے بھی آپ ؐ کی طرف سے یہ خوش خبری اور بشارت ہے کہ اس دین کو بہ ہر حال غالب ہونا ہے۔ اپنے حصہ کا کام کیے جاؤ۔ اندھیروں کا مقابلہ اجالوں سے کرتے جاؤ، ہر منکر کو معروف سے مٹاؤ اور ہر برائی کا استیصال بھلائی سے کرو، تم ہی غالب رہو گے۔ مومن ہونا شرط ہے۔ اس راہ میں قدم رکھ دینا ہی کامیابی ہے۔ منزل پر پہنچنا اور فتوحات کرنا اس پر مستزاد ہے۔

عزیزم محمد وقاص کی کوشش امید ہے بارگاہِ ربُ العزت میں شرفِ باریابی حاصل کرے گی اور آقائے دوجہاں کے اُمتی بھی اس سے خوب خوب مستفید ہوں گے، انشاءاللہ۔

(سیّد منوّر حسن)

قیم جماعتِ اسلامی پاکستان

Marfat.com

رُودادِ تصنیف

غالباً مئی ۲۰۰۰ء کی بات ہے کہ میں بی ایڈ کی کلاس میں سیرت النبی ﷺ پر گفتگو کر رہا تھا۔ چوں کہ مخاطب استاد تھے اس لیے میں نے بحث چھیڑ دی کہ کلاس میں موجود ہر فرد کی سیرت کی معلومات کا ذریعہ کیا ہے......؟ اور کس نے اب تک کون کون سی کتبِ سیرت کا مطالعہ کیا ہے......؟ مطالعہ تو دوسرا مرحلہ ہے یہ بھی پوچھا کہ سیرت کے موضوع پر کون کون سی کتب بازار اور کتب خانوں میں دستیاب ہیں۔

یہ مختصر سی نشست میرے لیے چشم کشا ثابت ہوئی۔ معلوم ہوا کہ اساتذہ کا ذریعۂ معلومات بھی نہایت محدود ہے؛ سیرت کی واضح شکل الا ماشاء اللہ کسی کے ذہن میں مرتسم نہیں؛ کوئی ایک بھی استاد ایسا نہیں جس نے ایک مکمل کتاب سیرت کے عنوان پر مطالعہ کی ہو۔ جب اساتذہ کا یہ حال ہو تو طلبا کے حال کو بہتر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ مزید کریدنے پر معلوم ہوا کہ سیرت کی کتب سے یہ اجنبیت صرف اس وجہ سے ہے کہ لوگ ضخیم کتب کو دیکھ کر ہی گھبرا جاتے ہیں۔ پھر ان میں جو زبان استعمال کی گئی ہے وہ اس قدر ثقیل ہے کہ معمولی درجے کے طلبہ یا لٹریچر کا ذوق نہ رکھنے والے اساتذہ اس سے استفادہ نہیں کر پاتے۔ وہیں یہ بھی تجویز ہوا کہ مجھے اس سلسلے میں کچھ خدمت سرانجام دینی چاہیے۔

Marfat.com

یہ کام بہت کٹھن اور یہ مرحلہ بہت دشوار تھا۔ سب سے پہلے تو اس کام کے لیے جو علمی و ادبی استعداد درکار تھی میں اپنے آپ کو اس سے تہی دامن پاتا تھا...... لیکن میرے شاگردانِ رشید کا یہ اصرار تھا کہ یہ کام کیا جائے تو فائدہ کی توقع ہے۔

اس کے بعد رمضان آیا...... قریبی ساتھیوں کو اس پراجیکٹ کا علم ہو چکا تھا اس لیے انہوں نے مسجد اویس شہید میں اجتماعی اعتکاف کے دوران آٹھ یا نو لیکچرز رکھوادیے۔ موضوع سیرت النبی ﷺ مقرر ہوا۔ کتاب کا نقشہ سامنے رکھ کر پوری سیرت پر یہ لیکچرز تیار کیے گئے اور الحمدللہ انھیں غیر معمولی پذیرائی ملی۔ ساتھ ہی ساتھ اصل کتاب کی تصنیف کا کام بھی شروع ہوا...... لیکن...... انتہائی سست روی کے ساتھ۔ آئندہ آنے والے ہر رمضان میں پھر سیرت کے یہ لیکچرز مختلف مقامات پر منعقد ہوتے رہے۔ اس طرح یہ کتاب گویا کلاس روم میں طلبہ، اساتذہ اور معاشرے کے دیگر افراد کے سامنے بحث مباحثہ اور محاضرہ کی صورت میں وجود پذیر ہوئی ہے۔

اس دوران ایک اور تبدیلی بھی واقع ہوئی جو پردۂ غیب میں تو مستور تھی ہی لیکن میرے حاشیۂ خیال تک میں نہ تھی۔ ہوا یوں کہ جنوری ۲۰۱۲ء میں تحریکی ساتھیوں نے فیصلہ کیا کہ مجھے انتخابات میں حصہ لینا چاہیے۔ یوں میں قیل و قال اور تصنیف و تالیف کے میدان سے نکل کر میدانِ سیاست میں کود پڑا۔ اگلے جنوری ۲۰۱۳ء میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس محاذ پر کامیابی سے بھی نوازا اور کام کی ترتیب بدل گئی...... لیکن...... الحمدللہ سیرت کے اس کام کا سلسلہ جاری رہا اور اس میں بہت بڑا حصہ گزشتہ پانچ سال میں رمضان اور ربیع الاوّل کے مواقع پر مختلف پروگرامات کا انعقاد ہے جن کی وجہ سے میرا رشتہ میرے موضوع سے قائم رہا۔ اگر کتاب کی ضخامت کو دیکھا

Marfat.com

جائے تو پانچ سال کی مدت بہت طویل محسوس ہوتی ہے لیکن عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ کام نہایت سست روی سے جاری رہا۔ ایک ایک صفحہ مجھے کئی کئی بار لکھنا پڑا۔ میری عادت رہی کہ جب بھی میں کسی ایک مرحلہ کی تکمیل کرتا تو آگے بڑھنے سے قبل ایک بار اس کا مطالعہ کرتا؛ قریبی دوستوں سے مشورہ کرتا اور ضرورت محسوس ہوتی تو دوبارہ لکھتا۔ ایک اور وجہ کام میں رکاوٹ اور عدم تسلسل بھی رہا۔ کئی دن ہفتے اور مہینے ایسے گزر جاتے کہ میں کام نہ کر پاتا۔ مصروفیات اور مشغولیت کی وجہ سے وہ توجہ اور اِنہماک بھی میسر نہ رہتا لیکن الحمدللہ جب بھی قلم اٹھایا دنیا سے رشتہ توڑ کر اٹھایا۔ لوگوں سے چھپ کر ایسی جگہ بیٹھ کر خامہ فرسائی کی جہاں خالق اور بندے کے درمیان کوئی حائل نہ ہو۔

اس کتاب کی تصنیف گویا ایک سفر ہے۔ میں نے سیرت کی کتب کا مطالعہ کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی پیدائش سے لے کر آپ ﷺ کی رحلت تک کے مراحل کو روحانی طور پر محسوس کرنے کی کوشش کی ہے۔ اپنے آپ کو وہاں موجود رکھ کر اپنی حیثیت متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ جاننے کی برابر کوشش کی ہے کہ میں فلاں موقع پر موجود ہوتا تو میرا کیا ردِعمل ہوتا۔ اس طرح گویا میں ایسا مسافر تھا جو تمام وادیوں میں گھومتا رہا۔ محسوس کرتا رہا۔ خوشی کے مقامات پر خوش ہوتا رہا۔ خوف کے مقامات پر خوف کا شکار ہوتا رہا اور غم کے مقامات پر دل کی کیفیت بوجھل رہی۔

دورانِ تصنیف میری کوشش رہی کہ دل رسول اللہ ﷺ کی محبت سے سرشار رہے۔ قلم ایسے الفاظ کاغذ پر مرتسم کرے جو دربارِ نبوت ﷺ کے شایانِ شان ہوں تا کہ عشق ومحبت کا یہ سفر بہ خیر وخوبی انجام پذیر ہو اور یہ کتاب میرے لیے باعثِ شفاعت بن جائے۔ کسی نہ کسی درجے میں مجھے بھی انہی راہوں کا راہی اور انہی منزلوں کا مسافر لکھ لیا جائے۔

Marfat.com

جن کی رُوداد یہاں موجود ہے اور جب قیامت کے دن کہا جائے ''اقراء کتابک'' (اپنی کتاب پڑھ) تو اُس بڑی کتاب کا ایک صفحہ یہ کتاب بھی ہو...... کاش ایسا ہو جائے......

اِس کتاب کے منصۂ شہود پر آنے کے لیے میں اپنے تمام احباب کا ذاتی طور پر مشکور ہوں۔ خصوصاً برادرِ محترم ڈاکٹر عبدالقدوس ہاشمی کا جنہوں نے بڑی عرق ریزی سے مسوّدے کی تسوید کی اور پروف ریڈنگ کر کے اس کے حُسن میں اضافہ کیا۔ کتاب کی تزئین برادر ارشد علی ارشد نے کی اور اس کا حق ادا کر دیا۔ اس موقع پر مرکز تحریکِ محنت سے وابستہ ذمہ داران خصوصاً برادر خالد حسین بخاری اور ان کے رفقاء کا ذکر نہ کرنا یقیناً ناانصافی ہے جن کے تعاون، پُرخلوص دعاؤں اور مفید مشوروں کے بغیر کتاب کی تکمیل ممکن نہ تھی۔ اور میں سب سے بڑھ شکر گزار ہوں محترم جناب سیّد منوّر حسن صاحب (قیم جماعتِ اسلامی پاکستان) کا جنہوں نے اس کتاب پر ابتدائیہ لکھ کر گویا مشک کی مُہر لگادی اور اسے خِتٰمُہٗ مِسک کا مصداق بنا دیا۔

اللہ تعالیٰ سب احباب کو اِس کارِ خیر میں تعاون پر بہترین اجر عطا فرمائے۔ آمین

محمد وقاص

ممبر پنجاب اسمبلی

۱۴ مئی ۲۰۰۵ بروز ہفتہ

بمطابق ۵ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ

Marfat.com

غایتِ تصنیف

اِنَّ اللّٰہَ جَمِیۡلٌ وَ یُحِبُّ الۡجَمَال ! بے شک اللہ جل جلالہٗ کی ذات حسن و خوبی کا مرقع ہے۔ جمال وکمال کی ابتدا بھی وہی ہے اور منتہا بھی وہی اور وہ حسن وخوبی کو پسند بھی فرماتا ہے۔ یہی فطرت انسان کو بھی ودیعت کی گئی ہے۔ لہٰذا انسان بھی حسن وخوبی کو پسند کرتا ہے۔ یہ حُسن ظاہری بھی ہے اور باطنی بھی۔ اسی سے متاثر ہو کر انسان کے اندر یہ فطری داعیہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ خود بھی کسی نہ کسی درجے میں حسین بن جائے۔ آدمی جس حُسن پر فریفتہ ہو جائے ویسا بننے کی کوشش کرتا ہے۔ اُن اداؤں کو دل کی لگن سے اپناتا ہے جو اُس کے محبوب نے اختیار کی ہوں۔ وہ عادات واطوار خود بہ خود اُس کی فطرتِ ثانیہ بن جاتی ہیں جو اُس کے آئیڈیل کو محبوب ہوں۔

حسنِ صورت، حسنِ کردار، حسنِ گفتار اور حسنِ اخلاق کے لحاظ سے اگر تمام انسانیت کو ترازو میں تولا جائے تو عام انسان تو رہے دُور...... انبیاء اور مرسلین میں بھی اس لحاظ سے سب سے افضل واکمل ذات وہی ہے جس کے بارے میں کسی شاعر نے کیا خوب اشارہ کیا ہے:

حسنِ یوسفؑ، دمِ عیسٰیؑ، یدِ بیضا داری
آں چہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

Marfat.com

آپ ﷺ (جو کہ پیکرِ حسن و جمال ہیں) سے محبت ایک فطری امر ہے۔

آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ رہتی انسانیت کے لیے خوب صورت نمونہ اور ظلمتِ شب میں چمکتا چراغ ہے۔ اس سراجِ منیر سے جو جتنا قریب ہوگا اپنے اپنے ماحول میں وہ اتنا ہی روشنی کا پیام بر ثابت ہوگا اور ظلمت کے پردوں کو چاک کرنے کا باعث ہوگا۔

ظلمتِ شب میں وہی مشعلِ تنویر بنے
سیرتِ سرورِ عالم کی جو تفسیر بنے

لہٰذا جہاں ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ کتاب اللہ تک رسائی حاصل کرے وہیں یہ بھی ناگزیر ہے کہ سرورِ عالم ﷺ کی سیرتِ مطہرہ سے واقفیت حاصل کرے کیوں کہ اللہ کی کتاب کی بہترین اور معتبر ترین تشریح آپ ﷺ کی پاکیزہ سنت ہے۔

سیرتِ محسنِ انسانیت ﷺ ایسا مبارک موضوع ہے جس پر دنیا کی ہر جیتی جاگتی زبان میں بہت کچھ لکھا گیا لیکن یہ موضوع اتنا دل چسپ، یہ حکایت اتنی لذیذ اور یہ تذکرہ اتنا پاکیزہ ہے اور سب سے بڑھ کر و رفعنا لک ذکرک کے وعدۂ الٰہی کا یہ لازمی اور بدیہی تقاضا ہے کہ اس موضوع پر رہتی انسانیت تک لکھا جاتا رہے۔ اُردو زبان بھی اس لحاظ سے خوش نصیب ہے کہ اس کے تحت ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں صفحات میں کروڑوں سطور اسی عنوان کے تحت لکھی گئیں۔ یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ شاید اب مزید کسی کتاب کی ضرورت نہیں۔

......لیکن یہ وقت بہتا دریا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ زمانے میں بہت سی تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ کچھ چہرے اور نام مانوس ہوتے ہیں اور کچھ چہرے اور نام نامانوس ہوتے چلے جاتے ہیں۔ نئی مبارزت کے میدان کھلتے ہیں۔ دشمن نت نئے اعتراضات لے کر وارد ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ ضرورت باقی رہتی ہے کہ تصنیف و تالیف کا یہ

Marfat.com

سلسلہ بھی رُکنے نہ پائے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حکایت تو ایک ہی رہتی ہے مگر کہنے والے کا انداز اس کو نیا جامہ پہنا دیتا ہے۔

گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں
اِک پھول کا مضمون ہو سو رنگ سے باندھوں

کائنات کے گلِ سرِ سبد کا ذکر بھی قیامت تک نئے ڈھنگ اور نئے آہنگ سے ہوتے رہنا چاہیے۔ صرف یہی خیال تھا جس نے مجھے حوصلہ دیا کہ میں بھی اپنی اس ٹوٹی پھوٹی کاوش کے ساتھ اس قافلۂ راہ روانِ وفا میں شامل ہو جاؤں۔

اس کتاب میں رؤف و رحیم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے تین پہلوؤں پر الگ الگ غور کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے آپؐ انسان تھے۔ انسانِ کامل کہا جائے تو زیادہ درست ہوگا۔ اس حیثیت سے آپؐ کی عادات و اطوار، اخلاق و اعمال، طرزِ معاشرت اور معاملات رہتی انسانیت کے لیے بہترین اسوۂ حسنہ اور اعلیٰ ترین نمونۂ حیات ہیں۔ (یہ مباحث کتاب کے پہلے حصہ میں موجود ہیں) دوم یہ کہ آپؐ اللہ کے نبی تھے اس حیثیت سے آپ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنی قوم کو اللہ کی بندگی کی طرف بلایا۔ انھیں آخرت کے ہَول ناک انجام سے خبردار کیا۔ جنت اور جہنم کو گویا ان کی آنکھوں کے سامنے لاکر رکھ دیا۔ اس دعوت و انذار کی راہ میں آپ ﷺ کے ساتھ جو کچھ بیتا، مصائب و شدائد کے جو پہاڑ توڑے گئے، معاشی مقاطعہ ہوا، یہاں تک کہ مکہ کی سرزمین آپؐ کے لیے تنگ کر دی گئی لیکن اس طوفانِ بدتمیزی کے مقابلے میں آپؐ نے صبر و استقامت کا مظاہرہ فرمایا۔ اپنے ساتھیوں کے لیے عزیمت کا کوہِ گراں ثابت ہوئے۔ آپؐ نے یہ سارا کٹھن مرحلہ بہ حیثیت نبی طے فرمایا۔ (یہ کتاب کا دوسرا حصہ ہے)

تیسرا پہلو یہ کہ آپؐ اللہ کے رسول تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب اور مکمل شریعت آپ ﷺ کے حوالے کی۔ اس شریعت کی تنفیذ اور اقامت کے لیے آپؐ نے ہجرت فرمائی۔ بدر، اُحد، احزاب اور حنین کے معرکے سر کیے یہاں تک کہ اللہ رب العزت نے آپؐ کو فتح ونصرت سے نوازا اور آپؐ کے ہاتھوں یہ دین غالب ہوگیا۔ اس کے بعد آپؐ نے انسانیت پر حجت تمام فرمائی اور ان سے یہ گواہی لی کہ دین کا پیغام ان تک پہنچ گیا ہے۔ (یہ کتاب کا تیسرا حصہ ہے)

گویا اس کتاب میں مرحلہ وار آپؐ کی شخصیت کا جو پہلو نمایاں رہا اس کو عنوان بنایا گیا۔ نبوت سے پہلے والے دَور کا آغاز حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مختصر تذکرے سے کیا گیا کہ وہی بہترین نقطۂ آغاز ہے۔ عرب کی تاریخ، حالات، ماحول اور رہن سہن پر بھی روشنی ڈالی گئی تاکہ قاری اُن حالات سے مانوس ہو سکے جس میں رہ کر آپ نے اتنا بڑا کارنامہ سرانجام دیا۔ خاندانِ نبوت کا اجمالی تعارف اور جزیرۃ العرب میں موجود ادیان کا تذکرہ بھی اسی غرض سے کیا گیا۔

اس کتاب کے نام کے سلسلے میں بھی مصنف کو خاصا غور وخوص کرنا پڑا۔ خصوصاً الرحیق المختوم جیسے خوب صورت نام نے مبارزت کو مشکل بنا دیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل ہوا اور قرآنِ پاک کی ایک دل نشین آیت پر نگاہیں جم گئیں اور دل میں اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔ فرمایا:

﴿فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ   فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ﴾

”اور مقربین! تو اُن کے لیے راحت اور عمدہ رزق اور نعمتوں بھری جنت ہے“

سیّدِ انسانیت ﷺ کا ذکر قلبِ مومن کے لیے باعثِ راحت ہے جب کہ یہ پاکیزہ تذکرہ ایمان کی نشو ونما کے لیے عمدہ ترین رزق ہے۔ اللہ کرے کہ یہ کتاب اس خوب صورت نام کا مصداق بن جائے؛ دربارِ رب العزت میں اسے شرفِ قبولیت حاصل ہو؛ دربارِ نبوت سے اسے سندِ توصیف ملے اور اپنے مصنّف کے لیے یہ توشۂ آخرت بن جائے۔

اس کتاب کے اندر موجود سارا کا سارا حسن رَبُّ العالَمین کی خصوصی عنایت ہے جب کہ اس میں موجود ہر عیب، نقص، کمی اور کوتاہی کا سزاوار مصنّف ہے۔

آخر میں غالب کی زبان میں یہ اعتراف بھی ضروری ہے کہ اس کتاب میں سینکڑوں صفحات کے اندر ہزاروں الفاظ رقم کرنے کے باوجود یہ احساس باقی ہے کہ

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحرِ بے کراں کے لیے

Marfat.com

Marfat.com

باب اوّل

مِلَّةَ أَبِیْکُمْ اِبْرَاھِیْمَ ؕ ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ وَ فِیْ ھٰذَا لِیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ شَھِیْدًا عَلَیْکُمْ وَتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ

(سورة الحج: ۲۲ :۷۸)

آلِ ابراہیمؑ

Marfat.com

فصل اوّل

مہاجرت

یہ حکایتِ لذیذ کہاں سے شروع کی جائے؟...... یقیناً وہی بہترین نقطۂ آغاز ہے جب ہاتھ کعبۃ اللہ کی تعمیر میں مصروف تھے اور لب اپنے رب سے مناجات میں! ہونٹوں سے بے اختیار یہ دعا نکلی!

﴿رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِکَ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَةَ وَيُزَکِّيۡهِمۡ. اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَکِيۡمُ﴾

(البقرة:۲:۱۲۹)

''اے پروردگار تو ان میں انہی کی قوم سے ایک ایسا رسول بھیج جو انھیں آیات سنائے اور انھیں کتاب اور دانائی کی تعلیم دے اور ان کے اخلاق درست کرے یقیناً تو بڑی قوت والا اور بڑا حکیم ہے''

یہ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام تھے جو اپنے فرزند اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ طویل مہاجرت کر کے رب کا گھر تعمیر کرنے آئے تھے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام عراق کے شہر اُر میں (موجودہ بصرہ کے قریب) پیدا ہوئے۔ یہ مقام بت پرست تمدن کا مرکز تھا۔ آپؑ کی ولادت جس گھر میں ہوئی وہ گھر ہی گویا بت سازی کا کارخانہ تھا۔ آپؑ کے والد صبح وشام رنگ رنگ کی مورتیاں بناتے اور پھر خود ہی جبینِ نیاز اُن کے سامنے ٹیک دیتے۔

Marfat.com

بت کدے کے اس ماحول میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پرورش ہوئی لیکن شروع دن سے آپ کی طبیعت ان بُتانِ آزری سے بے زار تھی۔ آپؑ اپنے والد سے طرح طرح کے سوالات کرتے۔ پوچھتے ! ان بے جان مورتیوں کی عبادت کیوں کی جاتی ہے؟ یہ بولتے کیوں نہیں؟ یہ سنتے کیوں نہیں؟ جب ذرا ہوش سنبھالا، بڑے ہوئے مزید غور و فکر کیا تو اس نتیجے پر پہنچے کہ نہ صرف لکڑی اور پتھر کے بت ناکارہ و بے بس ہیں بلکہ سورج، چاند اور ستاروں میں سے کوئی بھی خدائی کے قابل نہیں ......یہی وہ باغیانہ نظریات تھے جن کی وجہ سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کی نظروں میں کھٹکنے لگے اور جب ایک دن داؤ لگا تو آپ نے ان جھوٹے خداؤں کو کلہاڑی کی ضرب سے پاش پاش کر دیا ......لوگ سمجھ گئے کہ یہ کارروائی کس کی ہے۔ کہنے لگے ہم نے ایک نوجوان ابراہیم کو ان کے خلاف بات کرتے ہوئے سنا ہے۔

دربار جما......نمرود متمکن ہوا......سماعت شروع ہوئی اور آپ پر یہ ثابت کر دیا گیا کہ آپ نے تمام بتوں کو توڑا ہے۔ لہٰذا آپ کو آگ میں زندہ جلانے کا حکمِ شاہی صادر ہوا۔ اُدھر جب آپ کو آگ میں پھینکا گیا تو رب العالمین کی طرف سے اسے حکم ہوا:

﴿ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴾ (الانبیاء:٦٩)

''اے آگ سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہو جا ابراہیم کے لیے''

قرآن مجید کا بیان ہے کہ اس کے بعد آپ اپنا وطن چھوڑ کر سرزمین شام و فلسطین کی طرف ہجرت کر گئے۔ اس ہجرت میں آپ کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام اور آپ کی رفیقۂ حیات حضرت سارہ آپ کے ساتھ تھیں۔ شام کے علاقے کو آپ نے اپنا مرکز بنایا۔ شرقِ اردن میں اپنے بھتیجے لوطؑ کو مامور کیا اور صحرائے عرب میں اپنے اہل کے ایک حصے یعنی اپنی دوسری بیوی

Marfat.com

ہاجرہ اور ان کے ننھے مُنے بیٹے اسماعیل کو آباد کیا۔ اس طرح کرۂ ارض پر تبلیغِ دین کے تین مراکز قائم ہو گئے۔

حضرت ہاجرہ اور نونہال اسماعیل علیہ السلام جب مکہ پہنچے تو وہاں انسان تو کیا چرند پرند کا وجود بھی ناپید تھا۔ بے آب و گیاہ صحرا تھا۔ چمڑے کے ایک مشکیزے میں تھوڑا سا پانی اور چند کھجوریں وہ کل متاعِ حیات تھا جس سے تمدنِ عرب کی ابتدا ہوئی۔ اُدھر حضرت ابراہیمؑ ان کو چھوڑ کر چل دیے اور پلٹ کر بھی نہ دیکھا۔ جب پہاڑ کی اوٹ میں پہنچے جہاں سے ماں بیٹا نظر نہ آتے تھے تو بیت اللہ کے مقام کی طرف رخ کیا اور یہ دعا مانگی۔

﴿رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْٓ اِلَیْھِمْ وَارْزُقْھُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ ﴾

(ابراھیم: ۱۴ : ۳۷)

”پروردگار میں نے ایک بے آب و گیاہ وادی میں اپنی اولاد کے ایک حصے کو تیرے محترم گھر کے پاس لا بسایا ہے کہ اے پروردگار یہ یہاں نماز قائم کریں لہٰذا تو لوگوں کے دلوں کو ان کا مشتاق بنا اور انھیں کھانے کو پھل دے۔ شاید کہ یہ تیرے شکر گزار بنیں“

شیر خوار اسماعیلؑ ماں کا دودھ پیتے رہے جب کہ ہاجرہ کھجوروں اور پانی سے گزارہ کرتی رہیں لیکن جب یہ سب کچھ ختم ہو گیا اور بھوک پیاس کی شدت ہوئی، بچے کے لیے دودھ بھی خشک ہو گیا تو انہوں نے اسماعیلؑ کو ایک جگہ لٹایا اور خود پانی کی تلاش شروع کر دی اور صفا کی پہاڑی پر چڑھ کر دیکھا کہ کوئی انسان، چرند، یا پرندہ نظر آ جائے۔ جس کی موجودگی پانی کا پتہ دے لیکن کوئی نہ تھا۔ صفا سے اتر کر وادی کے بیچ میں آئیں اور پھر پریشانی کے عالم میں مَروہ تک گئیں۔ یوں انہوں نے سات چکر لگائے۔

Marfat.com

ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا یہی وجہ ہے کہ لوگ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے ہیں۔ بہ ہر حال اللہ کو ان کا امتحان ہی مقصود تھا۔ آزمائش کی یہ گھڑیاں ختم ہوئیں ......ایک فرشتہ نمودار ہوا، اس نے اپنے پروں سے حضرت اسماعیلؑ کی ایڑیوں کی جگہ ضرب لگائی اور وہ چشمہ پھوٹ نکلا جسے آج زم زم کہتے ہیں۔

اسی دوران جرہم کا قبیلہ کدا کی طرف آیا اور مکہ کے نشیبی حصے کی طرف اُترا وہاں انہوں نے دیکھا کہ ایک مقام پر پرندہ اڑ رہا ہے۔ بولے یہ تو پانی کے اوپر چکر لگا رہا ہے۔ لہٰذا تحقیقات کے لیے اپنے آدمی وہاں بھیجے جنہوں نے آ کر پانی کی موجودگی کی اطلاع دی۔ اس اطلاع پر وہ آئے اور حضرت ہاجرہ سے اجازت کے طالب ہوئے۔ انہوں نے اس شرط پر انھیں وہاں قیام کی اجازت دی کہ پانی پر اُن کا اور اسماعیل ہی کا حق قائم رہے گا۔ یوں قبیلہ جرہم وہاں آباد ہو گیا۔

اس دوران حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اولاد سے بے خبر نہ رہے بلکہ وقتاً فوقتاً خبر گیری کے لیے تشریف لاتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت اسماعیلؑ ان کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے۔ اب اللہ کو اپنے بندے خلیلؑ کی ایک اور آزمائش مقصود تھی۔ آپؑ نے خواب دیکھا:

﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ○ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ○ۚ وَ نَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ○ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ○ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ○ وَ فَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ﴾ (الصّٰفّٰت ۳۷: ۱۰۲ تا ۱۰۷)

''پھر جب وہ لڑکا اس کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے کی عمر کو پہنچ گیا تو ابراہیم نے کہا بیٹا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں اب تُو بتا تیرا کیا خیال ہے۔ اس نے کہا ابا جان جو کچھ آپ کو حکم دیا جا رہا ہے آپ اسے کر ڈالیے۔ آپ ان شاء اللہ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔ آخر کو جب ان دونوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور ابراہیم نے بیٹے کو ماتھے کے بل گرا دیا تو ہم نے اس کو آواز دی۔ اے ابراہیم! تو نے خواب سچ کر دکھایا۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔ یقیناً یہ ایک کھلی آزمائش تھی اور ہم نے ایک بڑی قربانی فدیے میں دے کر اس بچے کو چھڑا لیا''

اس کے بعد حضرت اسماعیل بنو جرہم ہی میں پلے بڑھے اور اسی قبیلہ میں ان کی شادی کی گئی۔

بناءِ کعبہ

صحیح بخاری میں حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت اسماعیلؑ زم زم کے پاس بیٹھے تیر بنا رہے تھے کہ حضرت ابراہیمؑ وہاں پہنچ گئے۔ حضرت اسماعیلؑ انھیں دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے اور دونوں باپ بیٹے اس طرح ملے جس طرح بیٹے اپنے باپوں سے اور باپ اپنے بیٹوں سے ملا کرتے ہیں۔ پھر حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ اے اسماعیل! اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے۔ انہوں نے عرض کی کہ آپ کے رب نے جس کام کا حکم دیا ہے آپ اسے ضرور کریں۔ حضرت ابراہیمؑ نے پوچھا! تم اس میں میری مدد کرو گے؟ انہوں نے کہا جی ہاں میں آپ کی مدد کروں گا۔ اس پر حضرت ابراہیمؑ نے وادی کے اس حصے کی طرف اشارہ کیا جو اپنے گرد و پیش کی زمین سے کچھ اٹھا ہوا تھا۔ اور فرمایا کہ اللہ نے مجھے یہاں ایک گھر بنانے کا حکم دیا ہے۔ اس طرح دونوں باپ بیٹے نے بیت اللہ کی بنیادیں اُٹھانی شروع کیں۔

Marfat.com

حضرت اسماعیلؑ پتھر لاتے جاتے اور حضرت ابراہیمؑ ان کو نصب کرتے جاتے یہاں تک کہ جب دیواریں کافی بلند ہو گئیں تو حضرت اسماعیلؑ وہ پتھر اٹھا لائے جو مقامِ ابراہیم کے نام سے مشہور ہے اور حضرت ابراہیم نے اس پر کھڑے ہو کر پتھر نصب کرنا شروع کر دیے۔ [1]

پہلا وہ گھر خدا کا

سورہ آلِ عمران میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ ۚ۬ وَ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ﴾

(آل عمران ۳: ۹۶ تا ۹۷)

''یقیناً پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا وہی تھا جو مکہ میں تعمیر ہوا۔ برکت والا گھر اور سارے جہان والوں کے لیے مرکزِ ہدایت۔ اس میں (اللہ) کی کھلی ہوئی نشانیاں ہیں۔ مقامِ ابراہیم ہے اور جو کوئی اس میں داخل ہوتا ہے اس کو امن مل جاتا ہے۔''

یہاں یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ بیت المقدس خانہ کعبہ کی تعمیر کے ایک ہزار سال بعد حضرت سلیمانؑ کے زمانے میں تعمیر ہوا۔ لہٰذا کعبہ ہی وہ مرکزِ توحید ہے جو دنیا میں سب سے پہلے قائم ہوا۔ اس کی جامعیت اور مرکزیت پر خود قرآن شاہد ہے۔ ارشاد ہوا:

﴿وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا ؕ﴾ (البقرہ ۲: ۱۲۵)

''اور یاد کرو کہ جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لیے مرکز و مرجع اور امن کی جگہ بنایا۔''

حضرت ابراہیمؑ کی شرک سے بے زاری

قرآنِ پاک کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کعبۃ اللہ کے بارے میں کتنے حساس تھے۔ قرآن نے آپ کی یہ دعا نقل کی۔

﴿وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّ اجْنُبْنِیْ وَ بَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ط رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ ج فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ . وَ مَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾

(ابراھیم : ۱۴ : ۳۵ تا ۳۶)

”اور جب ابراہیم نے دعا کی اے میرے رب اس شہر کو پرامن شہر بنا دے اور مجھ کو اور میرے بچوں کو بت پرستی سے بچا۔ پروردگار ان بتوں نے بہتیرے لوگوں کو گمراہ کیا ہے سو جو کوئی میرے طریقے کی پیروی کرے وہ میرا ہے اور جو میرے طریقے سے پھر جائے تو یقیناً تو غفور الرحیم ہے“

ایک اور جگہ براہِ راست اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہی تاکید کی۔ فرمایا:

﴿وَ اِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ شَیْــٴًـا وَّ طَهِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآىٕفِیْنَ وَ الْقَآىٕمِیْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ﴾ (الحج:۲۲: ۲۶)

”اور جب ہم نے ابراہیم کے لیے اس گھر کی جگہ مقرر کی اس ہدایت کے ساتھ کہ کسی کو میرے ساتھ شریک نہ کرنا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک وصاف رکھنا“

الغرض جب تک کعبۃ اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے سیدنا اسماعیلؑ کی تولیت میں رہا، ظاہری و باطنی نجاستوں سے محفوظ رہا۔

Marfat.com

حضرت اسماعیلؑ کے بعدان کے بیٹے نابت کعبہ کے متولّی رہے۔ انہوں نے بھی بیت اللہ کو شرک کی نجاست سے پاک رکھا۔ نابت کی وفات کے بعد ان کا ماموں مضاض بن عمرو جرہمی اپنی اکثریت کی بنا پر زبردستی کعبۃ اللہ کا متولّی بن بیٹھا۔ رفتہ رفتہ اُسی کے ہاتھوں بگاڑ پیدا ہونا شروع ہوگیا۔ روایتی مجاوری کا سلسلہ چل نکلا۔ نذر و نیاز نے باقاعدہ ٹیکس کی صورت اختیار کرلی۔ یہاں تک کہ ان لوگوں نے کعبہ کی حرمت کو پامال کرنا شروع کردیا۔ زنا جیسا قبیح فعل بھی خانۂ خدا میں کیا جانے لگا۔ اسی زمانے کا واقعہ ہے کہ ایک شخص اساف نے ایک عورت نائلہ کے ساتھ کعبہ میں زنا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو مسخ کردیا۔ کچھ مدت تک تو لوگ سہمے رہے لیکن بعد میں ان دونوں کے بُت بنا کر ایک کو صفا پر اور دوسرے کو مروہ پر سجا دیا گیا۔ ۲

آخرکار جب ظلم وستم اور فحاشی و بے حیائی حد سے بڑھ گئی تو بنی کنانہ اور بنی بکر کے عمائدین نے مل کر جرہمیوں کو مکہ سے نکالنے کا فیصلہ کیا اور اس غرض سے باقاعدہ اُن پر فوج کشی کی۔ چلتے وقت جرہمیوں نے کعبہ کا خزانہ زم زم میں ڈال دیا اور اس کا نشان تک مٹا کر چلے گئے۔ اس کے بعد کعبہ کی تولیت بنی خزاعہ کی اس شاخ کے پاس آگئی جسے غبشان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

فصل دوم

شرک و بت پرستی کی ابتدا

بنی خزاعہ کی تولیت کے بعد عرصہ گزرتا رہا کہ ان کا ایک سردار عمرو بن لحیٰ شام کے سفر پر گیا۔ وہاں اس نے عمالیق کو بتوں کی پوجا کرتے دیکھا۔ اسے یہ طریقہ پسند آیا اور واپسی پر آتے ہوئے ساتھ ایک بت بھی لیتا آیا جس کا نام ہُبل تھا۔ رفتہ رفتہ اس پر مزید بتوں کا اضافہ ہوتا گیا۔ انہی میں حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ اور حضرت مریمؑ کے بت بھی تھے۔ بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ فرمایا:

دخل النبی صلی اللہ علیہ وسلم البیت فوجد فیہ صورۃ ابراھیم وصورۃ مریم فقال مالھم فقد سمعوا ان الملائکۃ لا تدخل بیتاً فیہ صورۃ ھذا ابراھیم مصور فمالہ یستقیم۔ ۳؎

”نبی ﷺ بیت اللہ میں داخل ہوئے تو وہاں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت مریمؑ کی تصاویر دیکھیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ قریش کو کیا ہو گیا۔ حالاں کہ وہ سن چکے تھے کہ ایسے گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے جہاں کوئی تصویر ہو۔ یہ ابراہیمؑ کی تصویر بنائی گئی ہے پھر وہ بھی پانسہ پھینکتے ہوئے......“

ابنِ اسحاق کا بیان ہے کہ بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کی بدعتیں بھی عمرو بن لحیٰ کی ایجاد کردہ تھیں جن کی تردید سورۃ المائدہ میں اس طرح وارد ہوئی۔ فرمایا:

﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰكِنَّ

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿

(المائدہ ۵:۱۰۳)

''اللہ نے بحیرہ کو جائز قرار دیا ہے اور نہ سائبہ کو اور نہ وصیلہ کو اور نہ حام کو لیکن جو لوگ کافر ہیں وہ اللہ پر افتراء باندھتے ہیں اور ان میں سے اکثر عقل و ہوش سے محروم ہیں''

حضرت سعیدؓ بن مسیّب سے صحیح بخاری کتاب التفسیر میں یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بحیرہ وہ جانور تھا کہ جس کا دودھ دوہنا چھوڑ دیا جاتا اور کہا جاتا کہ یہ بتوں کے لیے ہے۔ لہٰذا کوئی شخص اس کے تھنوں کو ہاتھ نہ لگاتا۔ سائبہ وہ جانور تھا جسے بتوں کے حق میں آزاد چھوڑ دیا جاتا نہ سواری کے لیے استعمال کیا جاتا نہ بار برداری کے لیے۔ وصیلہ ایسی اونٹنی کو کہتے تھے جو مسلسل دو مرتبہ مادہ کو جنم دیتی۔ اس کو بھی بتوں کے لیے محفوظ کر لیتے اور حام وہ اونٹ تھا جس سے کئی بچے ہو چکے ہوتے اور اسے بھی کسی کام میں نہ لایا جاتا۔ اسی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں نے عمرو بن لحیٔ کو جہنم میں اپنی آنتیں کھینچتے دیکھا۔ اسی نے پہلے بتوں کے نام پر سانڈھ چھوڑے تھے۔

کعبۃ اللہ پر خزاعی قبیلہ کی تولیت اس وقت ختم ہوئی جب خاندان قریش میں سے قصی بن کلاب نے اپنے خزاعی خسر سے یہ منصب بزور لے لیا۔

خاندانِ قریش اور تولیتِ کعبہ

جب کعبہ کی تولیت جرہم کے ہاتھ میں آئی تو ان کی چیرہ دستیوں سے تنگ آ کر بنو اسماعیل اکناف و اطراف مکہ میں منتشر ہو گئے لیکن جب قصی بن کلاب نے اپنے سسر خلیل کی وفات کے بعد کعبہ کی تولیت سنبھالی تو قریش کے تمام آدمیوں کو مکہ میں جمع

Marfat.com

کیا اور ان میں مختلف ذمہ داریاں تقسیم کیں۔

قصی کا ایک یادگار کام یہ بھی تھا کہ اس نے دارالندوہ کی بنیاد ڈالی جسے آج کی زبان میں ہم پارلیمنٹ کہہ سکتے ہیں۔ اس میں تمام اہم مسائل پر گفتگو ہوتی۔ دارالندوہ میں شرکت کے لیے آدمی کی عمر چالیس برس ہونا ضروری تھی۔

قصی کو بلاشرکت غیرے قریش کی سیادت حاصل تھی۔ دارالندوہ کی صدارت خانہ کعبہ کی پاسبانی (یعنی حجابت) حاجیوں کے لیے خورد ونوش کا انتظام (یعنی سقایہ اور رفادہ) یہ سب مناصب اسی کی شخصیت میں مجتمع تھے۔ قصی نے اپنے بعد اپنے بڑے بیٹے عبدالدار کے حق میں ان مناصب کے لیے وصیت کی۔ معاملہ یوں ہی چلتا رہا لیکن قصی کے دوسرے بیٹے عبد مناف کی وفات کے بعد اس کی اولاد عبدالدار کی اولاد سے ان مناصب کے حصول کی خاطر بھڑ پڑی۔ بیچ بچاؤ اور صلح صفائی کے بعد یہ طے پایا کہ دارلندوہ کی صدارت اور حجابت بنی عبدالدار کے پاس ہی رہے گی جب کہ سقایہ (پانی پلانا) اور رفادہ (میزبانی) پر بنی عبد مناف کا حق تسلیم کیا جائے گا۔ بنی عبد مناف میں ہاشم کے نام یہ قرعۂ فال نکلا کہ وہ رفادہ اور سقایہ کی ذمہ داریاں سنبھالے۔ اس کے بعد ان کے بھائی مُطلب نے یہ فریضہ انجام دیا اور ان کے بعد عبدالمطلب بن ہاشم نے یہ بیڑا اٹھایا تا آں کہ نبی ﷺ کی بعثت ہوئی۔ اس وقت حضرت عباس ان امور کی نگرانی کر رہے تھے۔[4]

Marfat.com

فصل سوم

عرب کے حالات

لفظ عرب کے لغوی معنی صحرا اور بے آب و گیاہ زمین کے ہیں۔ عہدِ قدیم سے یہ لفظ جزیرہ نمائے عرب اور اس میں آباد اقوام کے لیے بولا جاتا ہے۔ عرب کے مغرب میں بحر احمر اور جزیرہ نمائے سینا ہے۔ مشرق میں خلیج عرب اور جنوبی عراق کا بڑا حصہ ہے۔ جنوب میں بحیرۂ عرب، شمال میں مُلکِ شام اور شمالی عراق ہے۔ اندرونی طور پر یہ علاقہ چہار جانب سے لق و دق صحرا سے گھرا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بیرونِ عرب سے ملوک و سلاطین کو یہاں پر فوج کشی کی ہمت نہ ہوتی نتیجتاً یہ علاقہ بیرونی دست برد سے آزاد رہنے کے ساتھ ساتھ ہم عصر دنیا سے تہذیب و تمدن میں بھی پیچھے رہ گیا۔ لٰہذا شہریت کی وہ خوبیاں جو روم و ایران کا خاصہ تھیں اہلیانِ عرب کے لیے خواب و خیال کا درجہ رکھتی تھیں۔ مؤرخین نے نسلی اعتبار سے عرب کی تین اقسام شمار کی ہیں:

۱۔ عربِ بائدہ یعنی وہ قدیم قبائل جو عذابِ الٰہی کا شکار ہو چکے ہیں جن کی نسل تک آج ناپید ہے یعنی عاد و ثمود وغیرہ۔

۲۔ عربِ عاربہ یعنی وہ عرب قبائل جو یعرب بن یشجب بن قحطان کی نسل سے ہیں

Marfat.com

انھیں قحطانی عرب کہا جاتا ہے۔

۳۔عرب مستعربہ یعنی وہ عرب قبائل جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہیں انہیں عدنانی عرب کہا جاتا ہے۔

تمدنی حالات

جزیرۃ العرب کے رہن سہن کا اندازہ ان حالات سے بہ خوبی لگایا جاسکتا ہے جو یہاں کے ابتدائی آباد کار حضرت اسماعیلؑ اور ان کی جلیل القدر وَالدہ کے ضمن میں گزر چکے ہیں۔بے آب وگیاہ صحرا میں ایک ماں نے جس تمدن کی بنیاد رکھی، اُس پر اِس سخت کوشی کا عکس صدیوں مرتسم رہا۔عرب باشندوں کے لیے سب سے بڑا مسئلہ پانی، خوراک اور سازگار ماحول کی فراہمی رہا۔اسی غرض سے انھیں صحرانوردی کرنا پڑی...... جزیرۃ العرب میں جب نقل وحرکت شروع ہوئی تو باشندگانِ صحرا کو بے انتہا مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔اس پُرصعوبت مہاجرت کے دوران ان گنت لوگ لقمۂ اجل بنے اور جو بچ رہے وہ اس بھٹی سے گزرنے کے بعد گویا کندن بن گئے۔انہوں نے بھوک پیاس سے لڑنا سیکھ لیا۔ان کی شخصیت میں نکھار، ارادوں میں مضبوطی اور طبیعت میں ٹھہراؤ......انہی حالات سے مسلسل دوچار رہنے کے سبب پیدا ہوا۔دورِ جاہلیت کا ایک شاعر بڑے فخر سے اپنے بارے میں بتاتا ہے کہ وہ بھوک کو دھوکا دے سکتا ہے اور پیاس کا گلا گھونٹ سکتا ہے۔

ان پُرصعوبت حالات ہی کا شاخسانہ تھا کہ عرب،قبائل میں تقسیم ہوئے۔ماحول کی ان سختیوں سے انہوں نے مل جل کر لڑنا سیکھ لیا۔یہیں سے ان میں اپنے قبائل پر فخر وناز کے جذبات نے جنم لینا شروع کیا جو آہستہ آہستہ عصبیت میں ڈھلنا شروع ہو گئے

اور قبیلہ سے باہر زندہ رہنے کا تصور تک دشوار ہو گیا۔

سخت کوشی، مصائب اور شدائد کا مسلسل مقابلہ کرنے کے باوجود عرب قوم کبھی آسودہ خاطر نہ رہی۔ معاشی مسئلہ ان کے لیے انتہائی اہم رہا۔ روزمرہ کی خوراک اور کم سے کم ضروری لباس کی فراہمی ان کے لیے ایک بہت بڑا چیلنج تھا۔ عرب کا متموّل شخص بھی دن میں دو بار کھانے کو فضول خرچی خیال کرتا تھا اور چند چادروں کے علاوہ لباس کی ضرورت کو محسوس نہ کرتا تھا۔ مکہ کے قریش بھی اپنے گھروں میں بدویانہ زندگی بسر کرنے کے عادی تھے۔ وزنی سامان رکھنا ان کے معمولات سے خارج تھا۔ ان کی سب سے بڑی عیاشی یہ تھی کہ ان کے پاس سواری کے لیے اونٹ اور غذا کی فراہمی اور نسلِ نو کی بقا کے لیے اونٹنیاں موجود ہوں۔ حفاظت کے لیے تلوار اُن کی ضرورت تھی۔ اس کے علاوہ کچھ بھی جمع کرنا ان کی فطرت کے خلاف تھا۔

ذکر کیا جا چکا ہے کہ عرب بنیادی طور پر قبائل کی صورت میں منظّم تھے۔ اس لحاظ سے ان کی تنظیم قابلِ رشک تھی۔ قبیلہ کا سردار سیاہ وسفید کا مالک تھا۔ اس کے حکم سے سرتابی کی مجال کسی میں نہ تھی لیکن یہ قبائل آپس کے تعلقات میں انتہائی غیر منظّم بلکہ منتشر تھے۔ جس قبیلے کے پاس افراد زیادہ تھے اس کا راج تھا۔ مظلوم قبائل کا کوئی پُرسانِ حال نہ تھا۔ آپس کی لڑائی اور کشت وخون نے اچھے اچھوں کے چھکے چھڑا دیے تھے۔ طاقت ور بھی اس تگ وتاز سے ناتواں ہو چلے تھے۔ یہ تو عرب کے جغرافیائی حالات ایسے تھے کہ کسی بیرونی حملہ آور کو اندرونِ عرب قدم رکھنے اور قدم جمانے کی جرأت نہ ہوئی ورنہ عرب قبائل میں اتنی سکت نہ تھی کہ کسی بیرونی جارح کا راستہ روک سکیں یا اپنی جان ہی بچا سکیں۔

Marfat.com

تعلیمی حالت اس سے بھی زیادہ دِگرگوں تھی۔ پورے عرب میں چند لوگ ایسے تھے جو چند حروف لکھنا جانتے تھے۔ کتاب کی صورت سے نا آشنا یہ قوم اپنا سرمایۂ تاریخ اپنے اشعار اور اپنے انساب اپنے سینے میں سجائے بیٹھی تھی۔ صفحۂ قرطاس پر انھیں منتقل کرنا ان کے خواب وخیال میں بھی نہ تھا بلکہ شاید اسے کم زوری خیال کرتے تھے۔ اپنے حافظے پر انھیں بہت ناز تھا۔ تحریر پر اتنا اعتماد نہ کرتے تھے جتنا کہ اپنی تحفیظ پر انھیں اعتماد تھا۔

اخلاقی حالت بھی بڑی عجیب تھی ...... ایک طرف تو ایسی جلیل القدر صفات سے یہ لوگ متصف تھے کہ انسانیت کی گویا معراج پر فائز تھے لیکن جود وسخا، کرم وعطا، صدق وصفا میں بے مثال یہ قوم رذائل میں بھی کسی سے پیچھے نہ تھی۔ شراب خوری، زنا کاری اور جوا بازی ان کے معمولات تھے۔ فحش کلمات ان کی گفتگو کا حصہ اور فحش حرکات ان کی معاشرت کا لازمی عنصر تھے۔ انگور کی شراب کو بنت الکرم کہتے تھے ایک عرب شاعر عنزہ بن شداد کہتا ہے۔

ولقد شربت من المدامة بعد ما	رکدا الهو اجر بالمشرف المعلم
بز جاجة صفراء ذات اسره	قرنت بازهر بالشمال مفدم
فاذاشر بت فاننی مستهلک	مالی و عرضی و افر لم یکلم
واذا صحوت فما اقصر عن ندی	وکما علمت شمائلی و تکرمی

''میں نے دوپہر کی تیزی رکنے کے بعد ایک زرد رنگ کی دھاری دار جام بلوریں سے جو بائیں جانب رکھی تاب ناک مہر بند نشان زد شراب پی اور جب پی لیتا ہوں تو اپنا مال لٹا ڈالتا ہوں لیکن میری آبرو بھرپور رہتی ہے۔ اس پر کوئی چوٹ نہیں آتی اور جب میں ہوش میں آتا ہوں تب بھی سخاوت میں کوتاہی نہیں کرتا اور میرا اخلاق اور کرم تم سے پوشیدہ نہیں''

Marfat.com

سماجی طور سے بھی عورت اور مرد کے تعلقات کی مختلف نوعیتیں تھیں۔ اشراف کے ہاں عورتوں کا مقام بلند تھا۔ ان کی عزت اور تکریم کی جاتی؛ ان سے مشورہ لیا جاتا؛ ان کو آزادانہ تجارت اور اپنے مال میں تصرف کا حق حاصل تھا لیکن یہی عورت اگر خدانخواستہ طبقۂ اشراف میں سے نہ ہوتو ذلیل ترین مخلوق تھی۔ آزادانہ زندگی کا تصور تو درکنار آزادانہ سانس لینا اس کے لیے دشوار تھا۔ بس ایک جنس تھی جو دیگر اجناس کی طرح قابلِ فروخت سمجھی جاتی تھی۔

مرد اور عورت کے ملاپ کا باعزت طریقہ نکاح تھا۔ نکاح میں عورت کے اولیا کو لامحدود اختیارات حاصل تھے لیکن تلوار کی نوک پر بھی عورتوں کو لونڈیاں بنایا جاتا۔ زمانۂ جاہلیت میں بغیر کسی تحدید کے بیویاں رکھنے کا رواج تھا۔ سگی بہنوں کو نکاح میں رکھنا باعثِ عار نہ تھا۔ باپ کی منکوحہ اس کی وفات کے بعد یا بہ صورتِ طلاق بیٹے کے لیے جائز تھی۔ یہی معاملہ بیٹے کی منکوحہ کے ساتھ باپ کا تھا۔ طلاق کا اختیار مرد کے پاس تھا اور اس کی کوئی حد متعین نہ تھی۔ ۵

عرب کے مذاہب

اہلیان عرب کا زیادہ تر حصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے متاثر تھا اور اپنے آپ کو دینِ ابرہیمؑ پر خیال کرتا تھا۔ دینِ ابراہیمؑ کا جو حشر انہوں نے کیا اس کا حال گزشتہ صفحات میں ملاحظہ کیا جا چکا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اطراف واکنافِ عرب میں یہودیت، عیسائیت، مجوسیت اور صابئیت کے پیروکار بھی موجود تھے۔

Marfat.com

دینِ ابراہیمؑ کے بعد عرب میں سب سے زیادہ بااثر مذہب یہودیت تھا۔ یہود مختلف علاقوں سے سمٹ کر یثرب، خیبر اور تیماء میں آباد ہوئے۔ وہاں اپنے لیے مضبوط قلعے اور مورچے تعمیر کیے۔ ساتھ ساتھ زراعت اور کھیتی باڑی بھی شروع کی۔ یہاں تک جہاں جہاں وہ آباد تھے وہاں کی معیشت پر وہ قابض ہو گئے جب کہ مقامی عرب باشندے ان کے مقروض اور دست نگر بن کر رہ گئے۔ عیسائی مذہب حبشیوں اور رومی قبضہ گیروں کے توسط سے جزیرۃ العرب میں متعارف ہوا۔ رومی سرحد کے قریبی علاقوں میں بھی عیسائیت پھیلنا شروع ہوئی۔ یہاں تک کہ یہاں کے بعض حکمرانوں نے بھی یہی مذہب قبول کر لیا۔

بقیہ مذاہب کے خال خال پیروکار اِکّا دُکّا جگہوں پر پائے جاتے تھے لیکن ان کا کوئی مجموعی تاثر معاشرے میں قائم نہ تھا۔[7]

باب دوم

وَاِنَّکَ لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِیمٍ (القلم ۶۸: ۴)

ضو سے اُس خورشید کی اختر مرا تابندہ ہے
چاندنی جس کے غبارِ راہ سے شرمندہ ہے

انسانِ کامل ﷺ

Marfat.com

Marfat.com

فصل اوّل

خاندانِ نبوت

نبی اکرم ﷺ کا تعلق قریش کے معزز اور معروف خاندان بنو ہاشم سے تھا۔ آپؐ کے جدِ اعلیٰ ہاشم کا اصل نام عمرو بن عبد مناف تھا۔ ہاشم ہی وہ شخصیت تھی جن کو سقایہ اور رفادہ کے فرائض سونپے گئے۔ بلکہ یہی وہ فریضہ تھا جس کی وجہ سے اُن کا لقب ہاشم پڑا۔ ان کے بارے میں عرب شاعر کہتا ہے:

عمرو الذی هشم الثرید لقومه
قوم بمكة مسنتين عجاف
سنت اليه الرحلتان كلاهما
سفر الشتاء و رحلة الاصياف

''یہ عمرو ہی ہیں جنھوں نے قحط کی ماری ہوئی اپنی قوم کو مکہ میں روٹیاں توڑ توڑ کر شوربے میں بھگو بھگو کر کھلائیں اور گرمی اور سردی کے دنوں تجارتی سفروں کی بنیاد رکھی۔''

اسلامی تاریخ کے حوالے سے ان کی زندگی کا اہم واقعہ وہ ہے جب وہ شام کی طرف تجارتی سفر پر روانہ ہوئے۔ راستے میں یثرب (مدینہ) میں قیام کیا اور بنی نجار کی ایک خاتون سلمٰی بنت عمرو سے شادی کر لی۔ کچھ عرصہ وہیں قیام کیا۔ اسی دوران ان کی بیوی حاملہ ہوئیں اور وہ انھیں وہیں چھوڑ کر عازمِ سفر ہوئے۔ فلسطین کے مقام غزہ پر ان

Marfat.com

کا انتقال ہوگیا اوراس طرح ان کا بقیہ خاندان ان کی اس بیوی سے بے خبر رہا۔ اِدھران کے ہاں بیٹا پیدا ہوا جس کا نام شیبہ رکھا گیا۔ یہ بچہ یثرب میں اپنے ننھیال ہی میں پل بڑھ رہا تھا کہ ہاشم کے بھائی مطلب کوان کے بارے میں اطلاع ملی۔ انھوں نے اپنے بھتیجے کو مکہ لانے کا فیصلہ کیا۔ وہاں پہنچ کر شیبہ کی والدہ سے گفتگو کی اور انھیں اس اقدام پر راضی کیا اور بھتیجے کو اپنے ساتھ اونٹ پر بٹھا کر واپس لے آئے۔ مکہ والوں نے دیکھا تو کہنے لگے یہ تو عبدالمطلب (یعنی مطلب کا غلام) ہے مطلب نے کہا نہیں یہ میرا بھتیجا اور ہاشم کا بیٹا ہے۔ مطلب کی وفات کے بعد سقایہ اور رفادہ کے مناصب عبدالمطلب کو حاصل ہوئے۔ جو بعد میں بعثت تک اسی خاندان میں رہے۔

زم زم کی دریافت

یہ گزر چکا ہے کہ جرہمیوں نے جاتے وقت زم زم کو پاٹ دیا تھا اور اس کا نام ونشان بھی مٹا گئے تھے۔ ایک روز عبدالمطلب کعبہ کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھے تھے کہ اونگھنے لگے۔ اسی اثنا میں انھوںؒ نے خواب دیکھا جس میں ان کو زم زم کی نشاندہی کرائی گئی۔ جاگنے کے بعد انھوں نے اسے ازسرِ نو دریافت کرنے کا عزم کیا۔ دیگر قبائلِ قریش نے اس کام میں شریک ہونے کی کوششیں کی لیکن انھوں نے منع کر دیا۔ اسی دوران ان کی خواہش ہوئی کہ اگر ان کے بیٹے ہوتے تو وہ اس کام میں ان کا ہاتھ بٹاتے۔ انھوں نے نذر مانی کہ اگر ان کے دس بیٹے پیدا ہوئے تو وہ ان میں سے ایک کی قربانی دیں گے۔ بہ ہر حال انھوں نے مشخص جگہ کھودنا شروع کی تو سونے چاندی کے برتن، زیورات اور تلواریں برآمد ہوئیں اور زم زم کا چشمہ بھی کھل گیا۔

بیٹے کی قربانی

ابنِ اسحاق کہتے ہیں کہ لوگوں کا بیان ہے کہ جب عبدالمطلب کے دس بیٹے جوان ہو گئے تو انھیں اپنی نذر کی فکر ہوئی۔ اس کا ذکر انھوں نے اپنے بیٹوں سے کیا۔ ان سب نے اطاعت کی اور باپ کی رضا میں اپنی رضا ظاہر کی۔ چناں چہ عبدالمطلب نے ان سب کا نام ایک ایک تیر پر لکھ کر ہُبل کے پاس قرعہ ڈالا۔ قرعہ عبداللہ کے نام نکلا جو عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے اور سب سے محبوب فرزند تھے۔ عبداللہ کی والدہ کا نام فاطمہؓ بنت عمرو تھا۔ عبدالمطلب چھری ہاتھ میں لیے عبداللہ کو قربان کرنے چل پڑے۔ جب قریش کو ان کے ارادے کی خبر ہوئی تو انھوں نے عبدالمطلب کو اس سے باز رکھنے کے لیے بحث وتمحیص شروع کر دی۔ عبدالمطلب نے انھیں اپنی نذر سے آگاہ کیا جس کا حل مشورے سے یہ نکالا گیا کہ مدینہ کی ایک کاہنہ سے اس بابت دریافت کیا جائے۔ عبدالمطلب کچھ افراد کے ہمراہ مدینہ تشریف لے گئے۔ اس کاہنہ نے مشورہ دیا کہ عبداللہ کا نام ایک تیر پر لکھیں اور دس اونٹ کی تعداد دوسرے تیر پر پھر قرعہ ڈالیں اگر اونٹوں کے نام نکل آئے تو ٹھیک ورنہ جب تک قرعہ اونٹوں کے نام نہ نکلے دس دس اونٹ بڑھاتے چلے جائیں۔ چناں چہ ایسا ہی کیا گیا۔ پہلا قرعہ ڈالا گیا تو وہ عبداللہ کے نام نکلا۔ حسبِ ہدایت دس مزید اونٹ بڑھا دیے گے۔ اور یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ جب اونٹوں کی تعداد سو ہو گئی تو قرعہ اونٹوں کے نام نکل آیا۔ اس واقعہ سے دیت کے لیے سو (۱۰۰) اونٹوں کی روایت پڑ گئی۔ جو اس سے قبل دس (۱۰) اونٹ مقرر تھی۔

حضرت آمنہ سے شادی

اپنی نذر پوی کرنے کے بعد عبدالمطلب کو اپنے چہیتے بیٹے کی شادی کی فکر ہوئی۔ جس کے لیے ان کی نگاہِ انتخاب قبیلہ زہرہ کے وہب بن عبد مناف کی صاحبزادی آمنہ پر پڑی جو قریش کے تمام خاندانوں میں ممتاز خاندان تھا۔ آمنہ اس وقت اپنے چچا وہیب کے پاس تھیں۔ عبدالمطلب نے وہیب کو عبداللہ کے نکاح کا پیغام بھیجا جو اس نے منظور کرلیا۔ اسی موقع پر عبدالمطلب نے وہیب کی صاحب زادی ہالہ سے خود بھی نکاح کرلیا۔ انہی کے بطن سے حضرت حمزہ پیدا ہوئے۔ ہالہ چوں کہ رشتے سے آنحضرتؐ کی خالہ ہوئیں اس لحاظ سے حضرت حمزہؓ آپ کے چچا ہونے کے ساتھ ساتھ خالہ زاد بھائی بھی ٹھہرے۔ نکاح کے وقت عبداللہ کی عمر سترہ برس تھی۔ 7

شادی کے چند ماہ بعد عبداللہ تجارت کے لیے شام گئے۔ واپس آتے ہوئے مدینہ میں ٹھہرے اور بیمار پڑ گئے۔ اِسی بیماری میں یہاں آپ کا انتقال ہوگیا اور مدینہ ہی میں آپ کو دفن کردیا گیا۔

واقعۂ فیل

نبی اکرم ﷺ کی ولادت سے پچاس یا پچپن روز پہلے وہ مشہور واقعہ پیش آیا جس کا ذکر قرآنِ پاک کی سورۃ الفیل میں موجود ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ابرھہ صباح حبشی جو حبشہ کے نجاشی کی طرف سے یمن کا گورنر تھا اس نے دیکھا کہ جزیرۃ العرب کا قلب (یعنی مکہ) تمام تر تجارت کا مرکز ہے۔ ہر سال لوگ سارے عرب سے سمٹ کر حج کرنے وہاں جاتے ہیں۔ چناں چہ اس نے یہ عزم کیا کہ ایک شان دار کلیسا صنعاء

Marfat.com

میں تعمیر کرایا جائے اور لوگوں کا رُخ اس کی طرف پھیر دیا جائے۔ جب اس کے ارادوں کا چرچا عرب میں ہوا تو ایک شخص نے رات کے وقت اُس شان دار کلیسا میں گھس کر پائخانہ پوت دیا۔ ابرھہ اس حرکت سے سخت مشتعل ہوا اور ساٹھ ہزار کا لشکر لے کر کعبہ کو منہدم کرنے چل پڑا۔ ہاتھیوں کا ایک دستہ بھی اس کے ہمراہ تھا۔ جب وہ مکہ کے قریب منیٰ اور مزدلفہ کے درمیان وادی محسر میں پہنچا تو ہاتھی بیٹھ گئے۔ ان کا رُخ شمال یا مشرق کی طرف کیا جاتا تو اُٹھ کر دوڑنے لگتے لیکن کعبہ کی طرف ایک قدم بھی آگے نہ بڑھتے۔ اِسی دوران ابابیلوں کا ایک جھنڈ نمودار ہوا جن کی چونچوں اور پنجوں میں کنکریاں تھیں. یہ کنکریاں جب ہاتھیوں اور انسانوں کو لگنا شروع ہوئیں تو اُن کے اعضا کٹنا شروع ہوئے اور وہ مرنا شروع ہو گئے۔ بھگدڑ مچ گئی۔ پوری وادی لاشوں سے اٹ گئی۔ خود ابرھہ بھی کنکریوں کا شکار ہوا اور صنعاء تک پہنچتے پہنچتے خستہ بدن موت کا شکار ہو۔

ابرھہ کے اس حملے کے موقع پر اہلِ مکہ آس پاس کی پہاڑی گھاٹیوں اور دروں میں پناہ لیے ہوئے تھے۔ انھوں نے یہ سارا واقعہ چشم سر سے دیکھا اور ایک عرصہ تک اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے معترف رہے۔ 8

Marfat.com

فصل دوم

ولادت

جب سے یہ کائنات وجود میں آئی ہے اس نے ایسا روح پرور، خوش کن اور بھرپور لمحہ کبھی نہ دیکھا جیسا کہ وہ لمحہ تھا جب وہ ذات تشریف لائی جس نے انسانیت کو اپنی معراج پر پہنچا دیا۔ ہدایت اور نبوت تمام کردی۔ شاہراہِ مستقیم واضح کردی اور انسانوں کے لیے یہ کہنے کا مقام نہ رہا کہ ان تک رب کی دعوت نہیں پہنچ سکی۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَسَلِّمْ

آپ ﷺ کی تاریخِ ولادت سے متعلق یہ بات تو متفق علیہ ہے کہ ربیع الاوّل کا مہینہ تھا اور سوموار کا مبارک دن تھا۔ البتہ تاریخِ ولادت کے بارے میں اہلِ سِیَر کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ جن دو تاریخوں پر زیادہ اتفاق ہے وہ ربیع الاول کی ۹ اور ۱۲ تاریخیں ہیں۔ اس سلسلے میں مصر کے محمود پاشا فلکی نے علمِ ہیئت کی مدد سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچا دی ہے کہ آپ ؐ کی تاریخ ولادت ۹ ربیع الاول بروز سوموار بمطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء ہے۔

ان کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ابراہیم (نبی ﷺ کے صاحبزادے) کے انتقال کے

Marfat.com

وقت سورج گرہن لگا تھا۔ اسلامی تاریخوں میں یہ واقعہ ۱۰ ہجری کا ہے۔ جو آپ ﷺ کی عمر کا تریسٹھواں سال ہے۔

۲۔ ریاضی کے قاعدے کے مطابق حساب لگائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰ ہجری کا یہ سورج گرہن ۷ جنوری ۶۳۲ء صبح ساڑھے آٹھ بجے لگا تھا۔

۳۔ اس حساب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر قمری ۶۳ سال پیچھے جائیں تو آپ ﷺ کی پیدائش کا سال ۵۷۱ء اور مہینہ اپریل کا بنتا ہے۔ جب کہ ۱۲ اپریل کو ربیع الاول کی پہلی تاریخ بنتی ہے۔

٤۔ ۱۲ سے ۲۳ اپریل تک سوموار کا دن دو دفعہ پڑتا ہے یعنی ۱۳ اپریل اور ۲۰ اپریل۔ سوموار کو آپ کی ولادت متفق علیہ ہے اس لیے ۲۰ اپریل بمطابق ۹ ربیع الاول بروز سوموار (از روئے علم ہیئت) آپ کا یومِ ولادت ہے۔

واللہ اعلم بالصواب ۹

ولادت کے بعد آپ ﷺ کی والدہ نے آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کے پاس خوش خبری بھجوائی۔ یہ سن کر وہ خوش وخرم چلے آئے۔ آپ کو ہاتھوں میں لیا اور بیت اللہ میں جا کر آپؐ کے حق میں دعائے خیر کی۔ اللہ کا شکر ادا کیا اور آپؐ کا نام محمد تجویز کیا۔ یہ نام اس سے قبل عرب میں معروف نہ تھا۔ ابنِ سعد کی روایت کے مطابق دورانِ حمل حضرت آمنہ نے خواب دیکھا جس میں آپ کو ہدایت کی گئی کہ نومولود کا نام احمد رکھو۔ آپ نے ابتدائی چند روز اپنی والدہ اور ان کے بعد ابولہب کی لونڈی ثُویبہ کا دودھ پیا۔ اس ناطے ابوسلمہؓ، حضرت حمزہؓ اور عبداللہ بن جحشؓ آپؐ کے رضاعی بھائی ٹھہرے کہ انھوں نے بھی ثُوَیبہ کا دودھ پیا تھا۔ مصر کے سیرت نگار شیخ محمد رضا نے

Marfat.com

دودھ پلانے والی خواتین کی تعداد آٹھ یا اس سے زیادہ بتائی ہے لیکن یہ روایات زیادہ مشہور نہیں۔

بنی سعد میں پرورش

شرفائے مکہ کا یہ دستور تھا کہ بچوں کو اچھی پرورش کی خاطر نیز جسمانی صلاحیتوں کے بھرپور ارتقاء اور زبان و بیان کی اعلیٰ استعداد کے حصول کی غرض سے دیہی علاقوں میں بھیجا کرتے۔ اس غرض سے باہر کے قبائل بھی خاص خاص مواقع پر مکہ کا دورہ کرتے اور شیر خوار بچوں کو رضاعت کے لیے حاصل کرتے۔ اس خدمت کے عوض انھیں مناسب معاوضہ ملتا جو گویا ان کی معاشی آسودگی کا ذریعہ تھا۔ حضور اقدس ﷺ کی ولادت کے بعد بنی سعد بن بکر (قبیلہ ہوازن کی ایک شاخ) کی کچھ عورتیں اسی غرض سے مکہ آئیں۔ انہی میں ایک خاتون حلیمہ بنت ابی ذویب بھی تھیں۔

ابنِ ہشام نے حلیمہ کا بیان نقل کیا ہے کہ ہم بہت خستہ حال تھے۔ ہمارا علاقہ قحط زدہ تھا۔ اس آفت سے باقیوں کی نسبت ہم زیادہ متاثر تھے۔ اونٹنی کا دودھ خشک ہو رہا تھا۔ سواری کمزور تھی۔ خود میری چھاتیوں میں اتنا دودھ نہ تھا کہ میرے بچے کا پیٹ بھر سکے۔ یہی وجہ تھی کہ ہم اپنی خستہ حالی کی وجہ سے بقیہ قافلے سے پیچھے رہ گئے۔ ہم سے پہلے پہنچ کر عورتوں نے سب بچے گود لے لیے اور جب ہم پہنچے تو سوائے ایک یتیم بچے کے اور کوئی نہ رہا۔ چناں چہ خالی جانے کی بجائے ہم نے اسے گود لینا مناسب سمجھا۔ وہ کہتی ہیں جیسے ہی میں نے اس تابندہ چہرہ بچے کو گود میں لیا میری تو دنیا ہی بدل گئی۔ چھاتیوں سے دودھ کے گویا سوتے پھوٹ پڑے۔ اس مبارک شیر خوار بچے نے سیر ہو کر

Marfat.com

دودھ پیا اور اس کا دودھ شریک بھائی بھی پیٹ بھر کر سویا۔ پھر میرے شوہر نے اونٹنی کا دودھ دوھیا تو اتنا تھا کہ ہم سب نے پیٹ بھر کر پیا اور بچ بھی رہا۔ واپسی پر ہماری گدھی کا حال بھی عجیب تھا۔ اس مریل اور کمزور گدھی نے اب سارے قافلے کو پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ یوں ہی دو سال کا عرصہ بیت گیا۔ ہر روز اس بچے کی برکات زیادہ ہی ہوتی جارہی تھیں۔ جب دودھ چھڑانے کا وقت آیا تو وہ بچہ سارے قبیلے کے بچوں سے زیادہ تندرست تھا۔ حسبِ وعدہ ہم اسے لے کر اس کی ماں کے پاس مکہ چلے گئے لیکن ہمارا دل اسے ابھی چھوڑنے پر آمادہ نہ تھا۔ ہم نے ان سے گزارش کی کہ اسے ابھی ہمارے پاس رہنے دیں تا کہ خوب تندرست ہو جائے۔ آپ کی والدہ آپ کو ہمارے ساتھ دوبارہ بھیجنے پر راضی ہو گئیں۔

شقِ صدر

اس طرح آپ مدتِ رضاعت پوری کرنے کے بعد بھی بنو سعد میں رہے۔ آپ کی عمر دو سال اور چند ماہ ہی تھی یا بہ روایت دیگر چار سال کے تھے کہ ایک واقعہ نے آپ کے رضاعی والدین کو حیرت و استعجاب میں مبتلا کر دیا۔ اس کی تفصیل حضرت انسؓ سے صحیح مسلم میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جبریلؑ تشریف لائے۔ آپؐ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ حضرت جبریلؑ نے آپ کو پکڑ کر اٹھایا۔ آپ کا سینہ مبارک چاک کیا۔ دل نکال کر اس سے ایک لوتھڑا نکالا اور فرمایا یہ شیطان کا حصہ ہے۔ پھر دل کو زم زم سے یا بہ روایت دیگر برف سے دھویا اور پھر اپنی جگہ لگا دیا۔

اس واقعہ پر حضرت حلیمہ اور ان کے شوہر خاصے پریشان ہوئے اور باہمی

Marfat.com

مشورے سے یہ طے کیا کہ بچے کو ان کی والدہ کے سپرد کر دیا جائے تو بہتر ہے۔ اس کے بعد حلیمہ سعدیہ نے آپ کو آپ کی والدہ کے حوالے کیا۔ چناں چہ چھ سال کی عمر تک آپؑ والدہ ہی کے پاس رہے۔

آپؐ کی عمر کے چھٹے سال آپ کی والدہ آپ کو لے کر سوئے یثرب روانہ ہوئیں تا کہ آپ کو آپؐ کے والد کی قبر دکھا سکیں جو کہ وہاں مدفون تھے۔ وہاں آپ کا قیام ایک ماہ تک رہا جس کی یادیں آپؐ کے ذہن میں تازہ رہیں۔ قیامِ مدینہ کے زمانے میں ایک دفعہ آپؐ بنو عدی کے مکانات کے پاس سے گزرے تو فرمایا کہ اسی مکان میں میری والدہ نے قیام کیا تھا۔ یہی وہ تالاب ہے جس میں میں نے تیرنا سیکھا۔ اسی میدان میں انیسہ نامی ایک لڑکی کے ساتھ میں کھیلا کرتا۔

بہ ہر حال ایک ماہ کے قیام کے بعد واپسی کا ارادہ ہوا۔ آتے ہوئے مقام ابواء میں پہنچیں تو آپ کی والدہ کا انتقال ہو گیا اور یہیں دفن ہوئیں۔ ام ایمن آپ کو لے کر مکہ واپس آئیں اور آپؐ کے دادا جناب عبد المطلب کے سپرد کر دیا۔ والدہ کی وفات نے آپؐ پر خاصا اثر ڈالا چناں چہ آپ کی طبیعت کھیل کود اور دیگر تفریحات کی طرف مائل نہ رہی۔ یہی وجہ تھی کہ آپؐ کے دادا جناب عبد المطلب آپ کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھنے لگے۔ یہاں تک کہ دار الندوہ کے اجلاسوں میں لے جانے لگے۔ (جہاں پر چالیس سال سے کم عمر کے شخص کا داخلہ ممنوع تھا) تا کہ آپ کا دل بہلا رہے اور آپؐ شفیق ماں کی کمی محسوس نہ کریں لیکن ممتا تو ممتا تھی۔ بعد از نبوت ایک بار آپ کا گزر اس مقام سے ہوا جہاں آپ کی والدہ مدفون تھیں۔ قبر کو درست کیا اور بے اختیار رو دیے۔ آپ کو دیکھ کر صحابہ کرامؓ بھی آب دیدہ ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ غم زدہ کیوں

Marfat.com

ہیں ۔آپؐ نے فرمایا:

ادر کتنی رحمتھا فبکیت "اُن کی مامتا مجھے یاد آ گئی اور میں رو دیا"

یہ واقعہ متعدد احادیث میں حضرت عبداللہ ابنِ مسعودؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے۔

عبدالمطلب کی کفالت

عرض کیا جا چکا ہے کہ والدہ کی وفات کے بعد آپؐ کے دادا نے آپ کو بہ راہِ راست اپنی کفالت میں رکھا اور بھرپور پیار دیا۔ اپنے قریب بٹھاتے، ہر وقت ساتھ رکھنے کی کوششیں کرتے۔ کھانے کے اوقات میں کبھی ساتھ بٹھاتے، کبھی گود میں بٹھا لیتے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالمطلب آپؐ کے روشن مستقبل کے بارے میں پرامید تھے۔ فرماتے "میرے اس بیٹے کی شان اونچی ہے......اس کا مزاج شاہانہ ہے"

نوعمری میں آپؐ اتنے ذہین تھے کہ اگر بڑوں کی کوئی چیز گم جاتی تو آپ فوراً ڈھونڈ نکالتے۔ ایک دفعہ عبدالمطلب کے کچھ اونٹ گم گئے۔ غلاموں نے بہت ڈھونڈا، نہ ملے چناں چہ عبدالمطلب نے آپ کو تلاش کرنے کے لیے بھیجا۔ بعد میں جب ذرا دیر ہو گئی تو بڑے پچھتائے۔ پریشانی کے عالم میں بیت اللہ کا طواف کیا۔ اسی اثنا میں آپؐ واپس آئے اور فلاں جگہ پر اونٹوں کی موجودگی کی خبر دی۔ عبدالمطلب کی خوشی کی انتہا نہ رہی اور عہد کیا کہ بعد میں کبھی آپؐ کو ایسی مشکل میں نہ ڈالیں گے۔

دادا کی شفقت بھی جلد ہی چھوٹ گئی۔ حضرت عبدالمطلب ایک سو دس سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔ ابنِ سعد نے ام ایمن کا بیان نقل کیا ہے کہ دادا کی وفات کے وقت آپؐ ان کے سرہانے کھڑے رو رہے تھے۔

Marfat.com

عبدالمطلب کی وفات کے بعد اُن کی وصیت کے بموجب حضرت ابوطالب نے آپ کی کفالت کا بیڑا اٹھایا جو آپ کے حقیقی چچا تھے۔ (یعنی حضرت عبداللہ اور حضرت ابوطالب کی والدہ ایک ہی تھیں)۔ ان کا اصل نام عبدمناف تھا مگر بڑے بیٹے طالب کی وجہ سے ان کی کنیت ابوطالب مشہور ہوگئی۔

ابوطالب نے حضور کو حقیقی اولاد سے زیادہ چاہا۔ پاس سلاتے۔ جہاں جاتے ساتھ لے جاتے۔ کھانے کے وقت کوشش کرتے کہ ساتھ شامل ہو جائیں۔ آپؐ کی موجودگی میں کھانے میں برکت ہوتی اور کھانا بچ جاتا۔ جب دیگر بچے کھانے پر چھینا جھپٹی کرتے تو آپؐ اپنا ہاتھ روک لیتے۔ ایسے میں ابوطالب آپؐ کے لیے علیحدہ کھانا نکال لیتے۔ ابوطالب کے لیے علیحدہ مسند لگائی جاتی۔ جس پر وہ اکیلے رونق افروز ہوتے لیکن آپ بھی اُن کے ساتھ بیٹھتے۔ اس پر ابوطالب کہتے ربیعہ کے خدا کی قسم میرے اس بھتیجے پر سرداری سجتی ہے۔ [۲۰]

وجہہ کریم کے توسط سے باراں طلبی

ابنِ عساکر سے روایت ہے کہ مکہ کے لوگ قحط سے دوچار تھے۔ قریش نے کہا ابوطالب! وادی قحط کا شکار ہے...... بال بچے قحط کی زد میں ہیں...... چلیے بارش کی دعا کیجیے۔ ابوطالب ایک بچہ ساتھ لیے آئے۔ بچہ ابر آلود سورج کی مانند تھا۔ جس سے گھنا بادل ابھی ابھی چھٹا ہو۔ اس کے اردگرد اور بھی بچے تھے۔ ابوطالب نے اس بچے کا ہاتھ پکڑ کر اُس کی پیٹھ کعبے کی دیوار سے ٹیک دی۔ بچے نے ان کی انگلی پکڑ رکھی تھی۔ اس وقت آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا بھی نہ تھا لیکن دیکھتے ہی دیکھتے ادھر اُدھر سے بادل

Marfat.com

منڈلانا شروع ہوئے۔ ایسی دھواں دار بارش ہوئی کہ وادی میں سیلاب آ گیا۔ بعد میں ابو طالب نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا:

وَاَبْیَضَ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْھِہٖ

ثِمَالُ الْیَتَامٰی عِصْمَۃٌ لِّلْاَرَامِلِ

''وہ خوب صورت ہیں۔ اُن کے تابندہ چہرے کے فیضان سے بارش کو طلب کیا جاتا ہے۔ وہ یتیموں کے ماویٰ اور بیواؤں کے سرپرست ہیں''

بچپن میں آپ کو اپنے چچا ابو طالب سے کس قدر محبت تھی اور ابولہب نے اس کو کس قدر محسوس کیا اس کا اندازہ ایک واقعہ سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ جس کا ذکر بلاذری نے انساب الاشراف میں کیا ہے کہ ایک دن ابو طالب اور ابولہب آپس میں لڑ پڑے۔ ابولہب زیادہ قوی تھا اس لیے اس نے ابو طالب کو گرا دیا اور ان کے سینے پر چڑھ کر منہ پر تھپڑ مارنے لگا۔ یہ دیکھ کر آپؐ نے ابولہب کو دھکا دیا۔ ابو طالب نے اسے گرا دیا اور اس کے سینے پر چڑھ کر اس سے اپنا بدلہ لیا۔ ابولہب نے کہا اے محمد وہ بھی تیرا چچا تھا اور میں بھی۔ تو نے یہ جانب داری کیوں کی۔ اب میں تجھ سے عمر بھر محبت نہ کروں گا۔

ابو طالب کثیر العیال ہونے کے سبب اکثر بے بضاعت ہی رہتے۔ آپ کو صغر سنی میں ہی اپنے چچا کی معاشی حالت کا ادراک تھا۔ چناں چہ مکہ میں چند قیراط کے عوض بکریاں چرانا شروع کر دیں۔ تپتے صحرا میں برہنہ پا بکریاں چراتے۔ آپ نے اپنے صالح شباب کا آغاز کیا۔

Marfat.com

فصل سوم

شبابِ صالح

حضور ﷺ کی پیدائش سے لے کر شباب کی سرحدوں میں داخلے تک آپؐ کے اردگرد کے لوگ خصوصاً اعزہ و اقارب یہ جان چکے تھے کہ ان کے درمیان ایک غیر معمولی شخصیت پل بڑھ رہی ہے۔ آپؐ کی برکات، آپؐ کے مشاغل، آپؐ کے چہرے بشرے اور آپؐ کی گفتگو غرض ہر چیز سے یہ ٹپک رہا تھا کہ آپؐ کی قسمت اوجِ ثریا پر ہے۔ وقتاً فوقتاً اِس کا اظہار بھی ہوتا رہا۔

آپؐ کی والدہ حضرت آمنہ نے حلیمہ سعدیہ کو جو (شق صدر کے واقعہ سے پریشان تھیں) یہ کہہ کر دلاسا دیا کہ:

"میرے اس بچے پر شیطان راہ نہیں پا سکے گا۔"

عبدالمطلب کہا کرتے:

"میرے اس بچے کا مزاج شاہانہ ہے۔"

بہ ہر حال آپؐ ہم عمر نوجوانوں سے بالکل الگ تھلگ اپنی ایک انفرادی وضع قطع کے حامل تھے۔

بیہقی اور ابنِ جریر نے حضرت علیؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

''میرے اندر دو مرتبہ سے زیادہ کبھی اُن کاموں سے دل چسپی پیدا نہیں ہوئی جو اہلِ جاہلیت کرتے تھے اور دونوں مرتبہ اللہ عزوجل نے اِن سے محفوظ رکھا۔ اور پھر میرے دل میں ان کا خیال تک نہ آیا۔ ایک روز میں نے اس لڑکے سے جو میرے ساتھ بکریاں چرایا کرتا تھا کہا کہ تو ذرا میری بکریوں کی دیکھ بھال کر۔ تا کہ میں مکہ میں جا کر رات کی ان دل چسپیوں میں حصہ لوں جن میں دوسرے لڑکے حصہ لیتے ہیں۔ وہ راضی ہو گیا۔ چناں چہ میں شہر کی طرف چلا اور میں نے پہلے ہی گھر میں گانے بجانے کی آوازیں سنیں۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہو رہا ہے۔ لوگوں نے کہا فلاں اور فلاں کی شادی ہے۔ میں بیٹھ گیا اور یکا یک مجھے نیند آ گئی۔ یہاں تک کہ دن نکل آیا اور سورج کی گرمی سے میری آنکھ کھل گئی۔ اگلی رات پھر گیا لیکن پھر سو گیا اور صبح ہی آنکھ کھلی۔ اس کے بعد پھر کبھی ایسا داعیہ دل میں پیدا نہ ہوا''۔

ابنِ سعد نے اُمِ ایمنؓ کی روایت نقل کی ہے کہ:

''بوانہ ایک بت تھا جس کی زیارت کے لیے قریش کے لوگ جایا کرتے تھے۔ وہاں نذر نیاز چڑھاتے۔ دن بھر اعتکاف کرتے۔ قربانی کرتے اور سر منڈواتے تھے۔ ہر سال اس استھان پر جاتے وقت قضیہ اٹھ کھڑا ہوتا کیوں کہ ابو طالب پورے کنبے کو وہاں لے جاتے مگر آپؐ جانے سے انکار کر دیتے۔ ایک سال گھر والوں کی ملامت اور ڈانٹ ڈپٹ سے چھٹکارے کے لیے آپ بھی ساتھ ہو لیے لیکن وہاں جا کر غائب ہو گئے۔ سبھی پریشان ہوئے۔ بالآخر جب آپؐ ملے تو سخت پریشان تھے۔ چہرے کا رنگ اُڑا ہوا تھا۔ پوچھنے پر بتایا کہ جب بھی میں کسی بت کے قریب جاتا تو ایسا معلوم ہوتا کہ کوئی گورے رنگ کا لمبا تڑنگا آدمی کھڑا ہے اور کہتا ہے کہ اے محمد دُور رہو۔ اسے مت چھونا۔''

ام ایمنؓ کہتی ہیں کہ اس کے بعد آپ کبھی اس تہوار میں نہیں گئے۔

Marfat.com

سفرِ شام

ابھی آپؐ بارہ ہی سال کے تھے کہ آپؐ کے چچا ابو طالب نے شام کی طرف تجارت کی غرض سے جانے کا قصد کیا۔ یہ آپؐ کے لیے انتہائی اذیت ناک لمحہ تھا کہ محبوب اور شفیق چچا آپؐ سے جدا ہو رہے ہیں۔ چناں چہ آپؐ نے بھی جانے پر اصرار کیا۔ آپ کی صغرسنی کے باوجود ابو طالب آپ کے عزم اور ارادے سے ہار مان گئے اور آپ کو ساتھ لے جانے پر رضا مند ہو گئے۔

اس سفر سے متعلق وہ مشہور واقعہ بھی منسوب ہے کہ بصریٰ میں ایک راہب (جس کا لقب بحیرہ تھا) نے آپ کو دیکھا اور چہرے بشرے سے آپ کو پہچان لیا۔ اس قصے کی تفصیلات میں خاصا اختلاف ہے اور ان کی استنادی حیثیت بھی مشکوک ہے۔ نیز ان تفصیلات میں سے بعض قرآنِ پاک کی صریح آیات کے خلاف پڑتی ہیں۔ چناں چہ اُن سے صرفِ نظر کرتے ہوئے صرف یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ اس خدا پرست راہب نے اپنے زہد و تقویٰ اور علم الکتاب کی وجہ سے شاید آپ میں کچھ اوصاف دیکھ کر آپؐ کو پہچان لیا ہو اور آپؐ کے چچا کو آپؐ سے متعلق خطرات سے باخبر کر کے ہوشیار کر دیا ہو۔ **واللہ اعلم بالصواب .**

اس واقعہ کے بعد ابو طالب آپ کو لے کر بہ سرعت واپس مکہ آ گئے۔ یا بروایت دیگر اپنے چند غلاموں کی معیت میں آپ کو واپس کر دیا۔ [11]

Marfat.com

جنگِ فجار

آپؐ کی عمر پندرہ برس تھی کہ حربِ فجار چھڑ گئی۔ اس جنگ میں ایک طرف قریش اور بنو کنانہ تھے اور دوسری طرف قیس عیلان تھے۔ قریش اور بنو کنانہ کی متحدہ کمانڈ حرب بن امیہ کے پاس تھی۔ اس جنگ میں آپؐ نے اسی قدر حصہ لیا کہ اپنے چچاؤں کو تیر پکڑاتے جاتے جب کہ وہ انھیں نشانے پر چلاتے۔ ۱۲

اس جنگ کو فجار اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں حرم اور حرام مہینوں کی حرمت پامال کی گئی۔

حلف الفضول

مکہ میں نہ پولیس تھی نہ عدالت۔ البتہ قبائل کا اندرونی نظم بڑا پختہ تھا۔ درمیانی نزاعات آسانی سے حل ہو جاتے۔ البتہ اگر ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کے ساتھ کسی معاملے میں الجھ جاتا تو وہاں جس کی لاٹھی اس کی بھینس والا معاملہ ہوتا۔ وہاں فیصلہ طاقت کی بنیاد پر کیا جاتا۔ لہٰذا اِس نظام میں مظلوم و مجبور کی دادرسی کرنے والا کوئی نہ تھا۔ ایسے ہی حالات تھے جب قریش کے کچھ لوگ جن کا تعلق مختلف قبائل سے تھا عبداللہ بن جدعان کے گھر جمع ہوئے۔ ان میں رسول اللہ ﷺ بھی موجود تھے۔ اس وقت آپ کی عمر بیس سے پچیس سال کے درمیان قیاس کی جا سکتی ہے۔ اس معاہدے کا سبب کیا بنا؟ اس میں مختلف روایات ہیں۔ سُہیلی کی ایک روایت جو اگرچہ اتنی مشہور تو نہیں لیکن موزوں لگتی ہے، کے مطابق ایک دفعہ حج کے دنوں میں ایک عرب باشندہ اپنی نوجوان اور خوبرو لڑکی کے ہمراہ جنوبی صحرا سے مکہ آیا تو وہاں کے ایک مالدار تاجر نے لڑکی کو اغوا

کرلیا۔ جب اس کا علم شرفاءِ قریش کو ہوا تو انھوں نے اس کی مزاحمت کا فیصلہ کرلیا۔ حضور ﷺ اور دیگر افراد نے اس عرب تاجر کے گھر کا محاصرہ کرلیا اور مطالبہ کیا کہ اغواشدہ لڑکی فوراً اس کے باپ کے حوالے کردی جائے۔ اس مال دار شخص نے کہا کہ مجھے صرف ایک رات کی مہلت دو میں اگلی صبح لڑکی کو اس کے باپ کے حوالے کردوں گا لیکن اس کی بات نہ مانی گئی۔ مجبوراً اسے اسی وقت لڑکی اس کے باپ کے حوالے کرنا پڑی۔

آپ ﷺ نبوت کے بعد فرمایا کرتے تھے:

''عبداللہ بن جُدعان کے مکان پر ایک ایسے معاہدے میں شریک تھا کہ مجھے اس کے عوض سرخ اونٹ بھی پسند نہیں اور اگر (دور) اسلام میں مجھے اس عہدو پیمان کے لیے بلایا جاتا تو میں لبیک کہتا۔ ۱۳

تجارت

یہ بات تو اپنی جگہ گزر چکی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بے بضاعتی سے عنفوانِ شباب کا آغاز کیا۔ لڑکپن میں برہنہ پا بکریاں چرا کر اپنی ضروریات کا بندوبست کیا جب کہ جوانی میں تجارت کی طرف متوجہ ہوئے۔ چوں کہ درہم و دینار نہ رکھتے تھے اس لیے دیگر تجار کا سامانِ تجارت لے کر جاتے اور اسے فروخت کر کے اپنا معاوضہ وصول فرماتے۔ روایات میں آتا ہے کہ مکہ کے ایک تاجر قیس بن زید کا مالِ تجارت آپ کئی مرتبہ لے کر گئے۔ وہ شخص آپ کی امانت ودیانت سے اس قدر متاثر تھا کہ جب آپ ؐ نے اس کا مالِ تجارت لے جانا چھوڑا تو اُسے خاصا دکھ ہوا۔

تجارت اور لین دین کے معاملات میں ایفائے عہد بہت اہم ہے۔ اس سے کسی شخص کے اخلاق اور کردار کو متعین کیا جا سکتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابنِ ابی الحمساءؓ

Marfat.com

بیان کرتے ہیں کہ نبوت سے قبل میں نے آنحضرت سے خرید وفروخت کا کوئی معاملہ کیا۔ کچھ بات ہو چکی تھی جب کہ کچھ باقی تھی۔ میں نے وعدہ کیا پھر آؤں گا۔ اتفاق سے تین دن تک مجھے اپنا وعدہ یاد نہ رہا۔ تیسرے دن جب میں مقررہ جگہ پر پہنچا تو آپ ﷺ کو منتظر پایا۔ میری اس وعدہ خلافی پر آپؐ کی پیشانی پر بل تک نہ آیا۔ آپؐ نے صرف اس قدر فرمایا کہ تم نے مجھے بہت زحمت دی۔ میں تین دن سے اسی مقام پر موجود ہوں۔ ۱۴

اہلِ مکہ عموماً تجارتی سفر کرتے تھے۔ آپؐ کے جدِ امجد ہاشم نے گرمی اور سردی کے ان اسفار کی روایت قائم کی۔ چناں چہ آپؐ نے بھی متعدد تجارتی سفر کیے۔ شام اور بصریٰ کا حال تو مشہور ہے۔ اس کے علاوہ مختلف مقامات پر جو بازار قائم تھے وہاں بھی آپ گئے۔ نبوت کے بعد مدنی دور میں جب آپؐ کی خدمت میں اطراف و اکنافِ عرب سے وفود آئے تو ان میں سے ایک وفد بحرین کے علاقے سے بھی آیا تھا۔ اس وفد کے سربراہ عبدالقیس سے آپؐ نے بحرین کے مختلف مقامات کا نام لے کر وہاں کا حال دریافت کیا۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ آپؐ ہمارے ملک کا حال ہم سے بہتر جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا میں نے تمہارے ملک کی خوب سیر کی ہے۔ ۱۵

چوں کہ بنو ہاشم کپڑے، غلے، چمڑے، خشک میوے، اسلحہ اور عطر کی تجارت کرتے تھے لہٰذا یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ آپؐ نے بھی انہی اشیاء کی تجارت کی ہوگی۔ بہ ہر حال جب آپؐ معاشی طور پر خود کفیل ہونا شروع ہوئے تو آپؐ نے اپنا مال ضرورت مندوں، عزیز و اقارب اور احباب پر دل کھول کر خرچ کیا۔ اس سلسلے کے واقعات کی تفصیل سے گریز کرتے ہوئے مسند احمد کی اس روایت پر اکتفا کرتے ہیں کہ جب بھی آپ (تجارتی) سفر سے واپس آتے تو اپنے تمام دوستوں کی خیریت دریافت کرتے

Marfat.com

اور اگر آپ کو پتا چلتا کہ ان میں کسی کی مالی حالت درست نہیں تو آپؐ اپنی کمائی کا کچھ حصہ ایسے ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیا کرتے۔

حضرت خدیجہؓ

ابنِ اسحاق کا بیان ہے کہ مکہ میں خدیجہ بنت خویلد ایک مال دار خاتون تھیں۔ عزت و شرف میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ اگر چہ وہ دو مرتبہ بیوہ ہو چکی تھیں اور ان کی عمر بھی چالیس سال تھی لیکن قریش کے معزز افراد اُن سے نکاح کے خواہش مند تھے۔ وہ اپنا مالِ تجارت دوسرے لوگوں کو دے کر بھیجا کرتیں۔ جب انھیں نبی ﷺ کے متعلق معلوم ہوا تو انھوں نے آپ کو یہ پیش کش کی کہ ان کا مالِ تجارت لے کر شام جائیں۔ جس پر انھوں نے آپؐ کو دوسروں سے زیادہ معاوضہ دینے کا وعدہ کیا۔ حضور اکرم ﷺ نے اس بات کو قبول کر لیا اور حضرت خدیجہؓ کے غلام میسرہ کے ساتھ تجارت کی غرض سے سُوئے شام روانہ ہوئے۔ واپسی پر آپؐ نے حضرت خدیجہؓ کو جب ان کی تجارت کا حساب دیا تو وہ حیران رہ گئیں (کیوں کہ اس سے قبل انھیں تجارت میں اس قدر منافع کبھی نہیں ہوا تھا)۔ اس پر مستزاد جب ان کے غلام میسرہ نے آپ کے حسنِ اخلاق، شگفتہ کلام اور موزوں اندازِ فکر سے لبریز اپنے مشاہدات سنائے تو گویا خدیجہؓ کو اپنا گوہرِ مطلوب ہاتھ آگیا۔ چناں چہ انھوں نے اپنی سہیلی نفیسہ کے ذریعے آپ کو پیغامِ نکاح بھجوایا جسے آپؐ نے مشورہ کے بعد قبول فرمالیا۔

اس کے بعد شادی ہوگئی۔ آپؐ نے مہر میں ۲۰ اونٹ دیے۔ اس وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس سال کی تھی۔

Marfat.com

حضرت خدیجہؓ کا نسب یہ ہے:

''خدیجہ بنتِ خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قُصَی بن مُرہ بن کلاب بن لوئی بن غالب''

حضرت ابراہیم کے علاوہ آپ ﷺ کی تمام اولاد حضرت خدیجہؓ سے ہی تھی۔ آپؐ نے ان کی زندگی میں کوئی اور نکاح نہیں کیا۔ حضرت خدیجہؓ کے مقام کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ جبریل امین نے آپؐ کے توسط سے انھیں اللہ تبارک وتعالیٰ کا سلام پہنچایا اور جنت میں ایک گھر کی خوش خبری دی۔

ازدواجی زندگی

اگرچہ حضور ﷺ اور حضرت خدیجہؓ کی عمر میں قریباً پندرہ برس کا فرق تھا لیکن پھر بھی آپ کی ازدواجی زندگی محبت ومودت سے بھرپور تھی۔ گو تاریخ اس زندگی کا کچھ زیادہ نقش ریکارڈ نہیں کر سکی تاہم بعد میں آپؐ جس طرح حضرت خدیجہؓ کا ذکر فرماتے اس سے باہمی محبت اور الفت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

بخاری میں حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ آپؐ فرماتے تھے کہ خیر نسائها مریم وخیر نسائها خدیجه یعنی اپنی امت کی بہترین خاتون مریمؑ ہیں اور اس امت کی بہترین خاتون خدیجہؓ ہیں۔ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بیویوں میں سے کسی پر مجھے اتنا رشک نہیں آیا جتنا حضرت خدیجہؓ پر آتا تھا۔ حالاں کہ وہ میری شادی ہونے سے پہلے انتقال کر چکی تھیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں اکثر آپ ﷺ کی زبان سے ان کا ذکر سنتی اور جب کبھی آپ کوئی بکری کا بچہ ذبح فرماتے تو اس میں سے ضرور خدیجہؓ کی ملنے والیوں کو ہدیہ بھیجتے تھے۔

Marfat.com

حضرت زیدؓ بن حارثہ

آپ ﷺ کے کریمانہ اخلاق اور مشفقانہ طرزِ عمل کی سب سے بڑی شہادت حضرت زید بن حارثہ کی صورت میں تاریخ کے سامنے موجود ہے۔ حضرت زید بنو کلب کے ایک معزز گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ اپنی والدہ کے ساتھ سفر میں تھے کہ راستے میں ڈاکوؤں نے قافلے پر چھاپہ مارا؛ مال واسباب کو لوٹا اور حضرت زید کو ماں سے چھین لیا۔ بعد میں انھیں عکاظ کے میلے میں فروخت کر دیا۔ جہاں سے حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام نے انھیں خرید لیا اور اپنی پھوپھی کی خدمت میں دے دیا۔ حضرت خدیجہؓ نے زید کو نبی ﷺ کی خدمت میں دے دیا۔ اس وقت ان کی عمر پندرہ برس کی تھی۔ اسی دوران میں کسی ذریعے سے ان کے خاندان کو ان کی مکّہ میں موجودگی کا علم ہوا چناں چہ وہ ان کو لینے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور منہ مانگی رقم کی پیش کش کی تا کہ بدلے میں اپنے فرزند کو آزاد کرا سکیں۔ اس کے جواب میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ فیصلہ زید کی صوابدید پر ہے۔ اگر وہ جانا چاہے تو میں ایک حبہ لیے بغیر اسے آزاد کرتا ہوں اور اگر نہ جانا چاہے تو آپ لوگ مجبور نہ کریں۔ بات پسند کی گئی چناں چہ حضرت زیدؓ کو بلایا گیا۔ انہوں نے آتے ہی اپنے والد اور چچا کو پہچان لیا لیکن ان کے ساتھ جانے سے صریح انکار کر دیا۔ آپ اس واقعہ کے بعد اتنے خوش ہوئے کہ زید کا ہاتھ پکڑ کر بیت اللہ میں لے گئے اور اعلان کر دیا کہ آج کے بعد زیدؓ میرا بیٹا ہے۔ میں اِس کا وارث ہوں اور یہ میرا وارث ہے۔ اس روز کے بعد لوگ زید کو زید بن محمد کہہ کر پکارنے لگے۔

حضرت علیؓ کی سرپرستی

حضرت خدیجہؓ سے شادی کے بعد آپ کو معاشی طور پر یک گونہ اطمینان نصیب ہوا تو آپ کو اپنے بے بضاعت چچا ابو طالب کا بوجھ ہلکا کرنے کا خیال آیا۔ ابنِ اسحاق کے بیان کے مطابق آپؐ نے اس سلسلے میں اپنے چچا عباس ابنِ عبدالمطلب سے بات کی جو خاصے مال دار تھے اور ان کے ساتھ ابو طالب کی خدمت میں حاضر ہو کر مدعا عرض کیا۔ ابو طالب نے کہا کہ طالب کے علاوہ جس بیٹے کو چاہو اپنی کفالت میں لے لو۔ چناں چہ حضرت عباس نے جعفر کا ذمہ لیا جب کہ نبی ﷺ نے حضرت علیؓ کی پرورش کا بیڑا اٹھایا۔ اس وقت غالباً حضرت علیؓ کی عمر چار یا پانچ سال تھی۔ لہٰذا اُنھیں آپ ﷺ اور حضرت خدیجہؓ نے اولاد کی طرح رکھا۔

کعبہ کی ازسرِ نو تعمیر: آنحضرت ﷺ کی معاملہ فہمی اور ذکاوت

عرض کیا جا چکا ہے کہ بچپن ہی سے آپؐ کے اہلِ خاندان آپؐ کے بارے میں یہ اندازہ رکھتے تھے کہ آپؐ غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ شہرت دیگر قبائل تک بھی پہنچنا شروع ہوگئی۔ لوگ آپؐ کی ذکاوت، معاملہ فہمی، شاداب عقل اور روشن فطرت کے قائل ہوتے چلے گئے۔ ابنِ سعد کا بیان ہے کہ لوگ اپنے تنازعات میں آپؐ کو حاکم بنانے لگے۔ جب آپؐ کی عمر پینتیس (۳۵) سال ہوئی تو ایسا واقعہ رونما ہوا جس نے آپ کی عزت اور شہرت کو چار چاند لگا دیے۔ ہُوا یوں کہ قریش نے

Marfat.com

خانہ کعبہ کی از سرِ نو تعمیر کا منصوبہ بنایا۔ خستہ حالی نیز پے در پے سیلابوں کی وجہ سے یہ کیفیت بن گئی تھی کہ کسی بھی وقت بیت اللہ کی عمارت زمین بوس ہو سکتی تھی۔

ایک فوری واقعے نے قریش کے ارادے کو مہمیز کیا۔ چوں کہ بیت اللہ کی محض چار دیواری تھی اوپر چھت نہ تھی۔ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کسی چور نے اندر موجود خزانہ چرالیا۔ حسنِ اتفاق سے انہی دنوں جدّہ کے ساحل پر ایک جہاز تباہ ہوا۔ قریش نے اس کے تختے خرید کر بیت اللہ کی از سرِ نو تعمیر کا کام شروع کر دیا۔ تعمیرِ نو کے لیے انہدام ضروری تھا لیکن پہلے پہل اس کی جرأت کسی کو نہ ہوئی۔ بالآخر ولید بن مغیرہ نے کدال ہاتھ میں لی اور سابقہ عمارت منہدم کرنا شروع کر دی۔ لوگ ایک رات انتظار کرتے رہے کہ دیکھیں ولید پر کوئی عذاب تو نہیں آتا لیکن جب صبح تک وہ سلامت رہا تو اسے تائیدِ ایزدی سمجھ کر انہوں نے تمام عمارت ڈھا دی۔ یہاں تک کہ قواعد ابراہیم تک پہنچ گئے۔ یہیں سے از سرِ نو تعمیر شروع ہوئی۔

ہر قبیلہ کے لیے جگہ مخصوص تھی جب اس مقام پر پہنچے جہاں حجرِ اسود نصب ہونا تھا تو جھگڑا کھڑا ہو گیا۔ ہر قبیلہ اس پتھر کی تنصیب سے مشرّف ہونا چاہتا تھا۔ غرض پانچ روز تک یہ قضیہ چلتا رہا یہاں تک کہ تلواریں نکلنے اور کشت و خون ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا کہ یکا یک بنی مخزوم میں سے ایک شخص ابو اُمیہ بن مغیرہ نے کھڑے ہو کر یہ تجویز پیش کی کہ کل صبح سویرے جو شخص سب سے پہلے بیت اللہ کے احاطے میں داخل ہو گا اس کو ہم اپنا حَکَم مان لیں گے۔ تجویز معقول تھی۔ چناں چہ انتظار ہونے لگا۔ اگلی صبح سویرے سویرے نبی ﷺ بیت اللہ میں داخل ہوئے تو سب پکار اٹھے کہ ہم راضی ہیں محمد (ﷺ) پر

Marfat.com

کیوں کہ آپؐ امین ہیں۔

آپؐ نے صورتِ حال جان کر ایک چادر لانے کی ہدایت کی۔ جب چادر لائی گئی تو آپؐ نے اپنے دست مبارک سے اس پر حجرِ اسود کو رکھا۔ پھر متنازعہ قبائل کے سرداروں کو کہا کہ وہ مل کر چادر کو اوپر اٹھائیں۔ یہاں تک کہ وہ اس مقام تک آجائے جہاں اس پتھر کو نصب ہونا تھا وہاں آپؐ نے اپنے دست مبارک سے اسے نصب کر دیا اس طرح ایسا معمہ جس نے انسانی عقلوں کو ماؤف کر دیا تھا اور جس کی وجہ سے خون کے دریا بہہ نکلنے کا خدشہ پیدا ہو گیا تھا، آپؐ کی فراست اور حکمت سے چند لمحوں میں حل ہو گیا۔

Marfat.com

فصل چہارم

شمائل

بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تُو چیزے دیگری

حضور اکرم ﷺ کے سراپا پر سب سے زیادہ معتبر اور جامع انداز میں آپؐ کے قریبی صحابہؓ نے گفتگو کی۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے نبی ﷺ بہت زیادہ لانبے نہ تھے اور نہ ہی بہت زیادہ کوتاہ قد (بلکہ آپؐ کا قد درمیانہ تھا) ہتھیلیاں اور پاؤں پُر گوشت تھے۔ حضور ﷺ کا سر مبارک بڑا تھا اور اعضاء کے جوڑوں کی ہڈیاں بھی بڑی تھیں۔ سینہ مبارک پر ناف تک بالوں کی باریک لکیر تھی۔ جب آپؐ چلتے تھے تو گویا کسی اونچی جگہ سے ڈھلوان کی طرف جا رہے ہوں۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ:

''میں نے حضور ﷺ جیسا نہ آپؐ سے پہلے کسی کو دیکھا نہ بعد میں۔'' ۱۶

اُنہی سے ایک اور مفصل روایت ہے کہ جس میں آپ نے بقیہ تفصیلات کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ:

''حضورؐ کے بال نہ بالکل گھنگریالے تھے نہ سیدھے (بلکہ ذرا سا گھنگریالہ پن لیے

Marfat.com

ہوئے تھے) نہ آپؐ موٹے بدن والے تھے نہ بالکل گول چہرے والے البتہ چہرے میں قدرے گولائی تھی۔ آپؐ کا رنگ سفید سرخی مائل تھا۔ آپؐ کی آنکھیں سیاہ اور پلکیں دراز تھیں...... آپؐ جب چلتے تو قدموں کو قوت سے اٹھاتے گویا پستی کی طرف چل رہے ہوں جب آپؐ کسی کی طرف توجہ فرماتے تو پورے بدن کے ساتھ توجہ فرماتے (یعنی صرف گردن پھیر کر متوجہ نہ ہوتے)...... آپؐ سب سے زیادہ سخی دل والے تھے۔ سب سے زیادہ سچی زبان والے اور سب سے زیادہ شریف گھرانے والے۔ آپ کو جو شخص یکا یک دیکھتا مرعوب ہو جاتا''۔ ۱۷

ایک بار آپ ﷺ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس تشریف فرما تھے پسینہ آیا تو چہرے کی دھاریاں چمک اٹھیں۔ یہ کیفیت دیکھ کر انہوں نے ابو کبیر ھذلی کا یہ شعر پڑھا۔

واذا نظرت الی اسرة وجهه

برقت كبرق العارض المتهلل

''جب ان کے چہرے کی دھاریاں دیکھو تو وہ یوں چمکتی ہیں جیسے روشن بادل چمک رہا ہو'' ۱۸

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ میں نے ریشم یا کوئی اور چیز ایسی نہیں چھوئی جو حضور ﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو اور میں نے کبھی کسی قسم کا مشک یا کوئی عطر حضورِ اکرم ﷺ کے پسینے کی خوش بو سے زیادہ خوش بُو دار نہیں سونگھا۔

اُنہی کا بیان ہے کہ یہ پسینہ گویا موتی ہوتا تھا اور حضرت ام سلیمؓ کہتی ہیں کہ یہ پسینہ ہی سب سے عمدہ خوش بو تھی۔ ۱۹

بسا ہے کون تیرے دل میں گل بدن اے درد

کہ بو گلاب کی آئی تیرے پسینے سے

Marfat.com

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ایک رات جب آسمان ابر آلود نہ تھا اور چاند پوری آب وتاب سے چمک رہا تھا، میں نے حضور ﷺ کو دیکھا۔ آپؐ اس وقت سرخ جوڑا زیبِ تن کیے ہوئے تھے۔ میں کبھی چاند کو دیکھتا اور کبھی آپ کو۔ میں اس فیصلے پر پہنچا کہ آپ کے چہرے کی رونق اور تابندگی چاند سے کہیں زیادہ ہے۔۲۰

حضرت حسنؓ نے ہند بن ابی ہالہ سے نبی کریم ﷺ کے حلیہ کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے نہایت فصاحت سے جملہ اوصاف نقل کیے۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ کی پیشانی مبارک کشادہ تھی۔ آپ کے ابرو گھنے اور خم دار تھے...... آپ کی ناک بلند اور پُر نور تھی...... آپ کا چہرۂ انور بہت زیادہ پُر گوشت نہ تھا (کہ گوشت لٹکا رہے) آپ ﷺ کا منہ مبارک ذرا بڑا تھا۔ (یہ عرب میں وجاہت اور فصاحت کی علامت ہے) آپ کی گردن خوب صورت اور تراشیدہ تھی۔ آپؐ کے تمام اعضاء معتدل اور پُر گوشت تھے۔۲۱

جسمانی طاقت کا یہ حال تھا کہ قریش کے سب سے طاقت ور پہلوان نے آپ کو کُشتی کا چیلنج دیا اور آپؐ نے اُسے دو مرتبہ پچھاڑ دیا۔ حضورؐ کے لڑکپن کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ عبداللہ ابنِ جدعان کے ہاں ایک دعوت کے موقع پر ابو جہل آپؐ سے الجھ پڑا۔ وہ تقریباً آپؐ ہی کی عمر کا تھا۔ آپؐ نے اُٹھا کر اسے اس طرح پٹخا کہ اس کا گھٹنا زخمی ہو گیا۔ اس زخم کا اثر عمر بھر اس کے گھٹنے پر رہا۔ ابنِ ہشام کے مطابق جنگِ بدر میں جب ابو جہل مارا گیا تو حضور ﷺ نے فرمایا اس کی لاش تلاش کی جائے اور اس کے گھٹنے کو دیکھا جائے اس پر ایک زخم کا نشان ہوگا۔ جب اس کی لاش برآمد ہوئی تو زخم کا نشان وہاں موجود تھا۔ پھر آپؐ نے خود یہ قصہ بیان فرمایا۔ چناں چہ یہ ثابت ہوا کہ آپؐ مردانہ وجاہت اور جواں مردی کا بہترین نمونہ تھے۔

Marfat.com

لباس

نبی اکرم ﷺ کا لباس ہر قسم کے تصنع اور تفاخرانہ آرائش سے پاک تھا۔ البتہ صفائی اور نظافت چوں کہ آپ کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی اس لیے لباس میں بھی اس کا اظہار واضح محسوس کیا جا سکتا تھا۔ آپ نے چادر قمیض اور تہمد استعمال فرمایا۔ پاجامہ پسند کیا لیکن استعمال کرنے سے متعلق شواہد نہیں ہیں۔ عموماً موزے نہیں پہنتے تھے لیکن نجاشی نے جو موزے خدمتِ اقدس میں بھیجے انھیں استعمال فرمایا۔ عمامہ شریف کا شملہ کبھی کندھے پر اور کبھی پیچھے کی طرف لٹکا رہتا۔ عمامہ اکثر سیاہ رنگ کا استعمال فرماتے اس کے نیچے ٹوپی رکھنے کی بھی عادت تھی ۲۲

لباس میں سب سے زیادہ یمن کی دھاری دار چادریں پسند تھیں ۲۳ آپ ﷺ نے کئی رنگ کے لباس زیبِ تن کیے لیکن سفید رنگ سب سے زیادہ مرغوب تھا۔ ۲۴ آپ ﷺ کے جوتوں کو چپل پر قیاس کیا جا سکتا ہے جس کا صرف تلا ہوتا تھا اور اس پر تسمے لگے ہوتے تھے۔

غذائیں مرغوبات

اگر چہ ایثار، قناعت اور امتدادِ زمانہ کے باعث آپ کو پر تکلف ماکولات نصیب نہ ہوئے۔ بلکہ بخاری کتاب اطعمہ کی روایت کے مطابق آپؐ نے ساری عمر چپاتی کی صورت تک نہیں دیکھی۔ تاہم کھانے میں آپؐ کا ذوق انتہائی نفیس تھا۔ چناں چہ جن چیزوں کا ظاہر اچھا ہوتا یا خوش بو اچھی ہوتی وہ آپ کو پسند تھیں اور

Marfat.com

جن چیزوں کے استعمال کے بعد کسی قسم کی بدبو لاحق ہو جاتی ان سے احتراز فرماتے مثلاً لہسن پیاز وغیرہ۔

سرکہ، شہد، روغنِ زیتون اور کدّو خصوصیت کے ساتھ پسند تھے۔ گوشت میں آپ نے دنبہ، مرغ، بٹیر، اونٹ، بکری، بھیڑ خرگوش اور مچھلی کو تناول فرمایا ہے۔ دست کا گوشت آپ کو مرغوب تھا۔ حضرت عائشہؓ کے بیان کے مطابق اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ جلد پک کر تیار ہو جاتا تھا۔

کھانے میں ثرید شوق سے تناول فرماتے۔ اس کی شکل یہ تھی کہ روٹی کے ٹکڑے سالن میں بھگو کر کھائے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت امام حسنؓ اور عبداللہ ابنِ عباسؓ، حضرت اُمِّ سلمہؓ کے پاس گئے اور کہا کہ آج ہمیں وہ کھانا پکا کر کھلائیں جو آنحضرت ﷺ کو بہت پسند تھا۔ بولیں تم کو وہ کیا پسند آئے گا؟ انہوں نے اصرار کیا تو انہوں نے جَو پیس کر ہانڈی میں چڑھایا اوپر سے روغن زیتون زیرہ اور کالی مرچیں ڈال دیں۔ پک گیا تو کہا کہ یہ آپؐ کی محبوب غذا تھی۔ (شمائل ترمذی)

پھلوں میں حضور ﷺ کو کھجور، ککڑی، تربوز اور خربوزہ پسند تھے۔ کبھی کبھار کھجور کی گرمی مارنے کے لیے اسے تربوز کے ساتھ بھی تناول کیا۔ مشروبات میں ٹھنڈا پانی خاص طور پر پسند تھا۔ شہد کا شربت بھی شوق سے نوش فرماتے تھے۔ دودھ بھی بہت پسند تھا۔ کبھی دودھ میں پانی ملا کر بھی نوش فرمایا۔ دودھ پینے کے بعد یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَ زِدْنَا مِنْهُ ٢٥

''اے اللہ اس میں ہمارے لیے برکت ڈال اور مزید اضافہ فرما۔''

معمولاتِ طعام

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ کو کبھی ایک دن میں دو مرتبہ گوشت یا روٹی سے پیٹ بھرنے کی نوبت نہیں آئی۔ انہی سے روایت ہے کہ نبیؐ نے تمام عمر کبھی مسلسل دو دن تک جَو کی روٹی نہیں کھائی۔ ۲۶

آپ ﷺ کے سامنے جو کھانا آجاتا اگر ناپسند ہوتا تو تناول نہ فرماتے لیکن زبان سے اس کے خلاف کچھ نہ کہتے۔ سامنے کے برتن میں ہاتھ ڈالتے۔ ہمیشہ دائیں ہاتھ سے کھاتے۔ ہمیشہ زمین پر بیٹھ کر کھانا کھاتے۔ میز اور خوان کو آپ ﷺ نے ناپسند فرمایا۔ گوشت کو کبھی چھری سے کاٹ کر بھی کھایا۔ (بخاری) کھانے پینے کے دوران داہنے ہاتھ بیٹھے شخص کا خاص خیال فرماتے۔ بخاری کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ کو پینے کی کوئی چیز پیش کی گئی۔ آپؐ نے پینے کے بعد اپنے دائیں ہاتھ بیٹھے ہوئے ایک نوعمر لڑکے سے اجازت چاہی کہ بائیں ہاتھ بیٹھے ہوئے برگزیدہ اصحاب کو دے دوں لیکن اس نے ضد کی کہ آپ کا بچا ہوا مشروب اُس نے ہی پینا ہے۔ چناں چہ آپؐ نے کمالِ محبت سے مشروب کا برتن اسے تھما دیا۔

نظافت پسندی

عرب قبل از اسلام تہذیب و تمدن سے نابلد تھے۔ خاص طور سے بدویانہ زندگی گزارنے والے تو بنیادی انسانی اخلاق سے بھی عاری تھے۔ راستوں میں کھڑے کھڑے پیشاب کر دینا؛ دیواروں پر تھوک دینا؛ میلے کچیلے رہنا ان کے لیے عام

تھا۔ آپؐ نے ان کی تربیت فرمائی۔ ایک دفعہ مسجدِ نبوی کی دیوار پر تھوک کا دھبہ دیکھا تو آپؐ کا چہرۂ انور غصے سے سرخ ہوگیا۔ ایک انصاری عورت نے یہ کیفیت دیکھی تو وہ دھبہ مٹادیا اور اس کی جگہ خوش بو لگادی۔ آپ ﷺ خوش ہوئے اور اس عورت کو شاباش دی۔ ۲۷

ایک شخص کو میلے کپڑے پہنے دیکھا تو فرمایا اتنا نہیں ہوتا کہ کپڑے دھولیا کرے۔ (ابوداؤد، کتاب اللباس) ایک دفعہ نماز جمعہ کے لیے لوگ مسجد نبوی میں آئے۔ چوں کہ مسجد تنگ تھی لوگوں کے پسینے کی بو مسجد میں پھیل گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر لوگ نہا کر آتے تو اچھا تھا۔ اس دن سے جمعہ کا غسل ایک روایت بن گیا۔ ۲۸

حُسنِ گفتار

آپؐ کی گفتگو ازحد شیریں اور دِل نشیں ہوا کرتی تھی۔ ایک ایک فقرہ الگ الگ ہوتا۔ جس بات پر زور دینا مقصود ہوتا، اس کا تین بار اعادہ فرماتے۔ آواز بلند تھی۔ ہند بن ابی ہالہ کا بیان ہے کہ آپؐ ہمیشہ متفکر رہتے۔ اکثر چپ رہتے اور بے ضرورت کبھی گفتگو نہ فرماتے۔ جب بولتے تو ایک ایک فقرہ الگ الگ اور صاف سنائی دیتا۔ ہاتھوں سے اشارہ کرتے تو پورا ہاتھ اٹھاتے۔ ۲۹

حضرت جریر بن عبداللہؓ کا بیان ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے دیکھا ہو اور مسکرا نہ دیے ہوں۔

Marfat.com

حضور ﷺ کا مزاح اور ساتھیوں سے تعلقِ خاطر

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ مجھے یا ذالاذنین (اے دو کانوں والے) کہہ کر پکارا۔ انہی سے روایت ہے کہ کسی شخص نے حضور ﷺ سے درخواست کی کہ سواری کا جانور مجھے عطا فرما دیا جائے۔ آپؐ نے فرمایا۔ ہم تمھیں اونٹ کا بچہ دیں گے۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں اونٹ کے بچے کو کیا کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اونٹ بھی کسی اونٹ کا بچہ ہی تو ہے۔ انہی سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کی خدمت میں ایک بدّو اکثر حاضری دیا کرتا۔ اس کا نام زاہر بن حرام تھا۔ وہ آتے ہوئے ساتھ سبزیاں اور ترکاریاں لاتا رہتا۔ جواباً آپؐ اس کی شہری ضروریات پوری فرمادیتے۔ آپ ﷺ فرماتے زاہر ہمارا جنگل ہے اور ہم اس کے شہر ہیں۔ زاہر کی ظاہری کیفیت کوئی اچھی نہ تھی۔ معمولی شکل وصورت تھی (اس وجہ سے لوگ عموماً اسے اچھی نگاہ سے نہ دیکھتے) ایک مرتبہ آپ ﷺ نے دیکھا کہ زاہر کھڑا اپنا سامان فروخت کر رہا ہے۔ آپ ﷺ نے پیچھے سے جا کر اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیا اور فرمایا اس غلام کو کون لے گا۔ جب اسے محسوس ہوا کہ یہ آپؐ ہیں تو اس نے اپنا جسم آپؐ کے جسمِ اطہر سے مس کیا اور کہا یا رسول اللہ ﷺ اگر آپؐ اس غلام کو فروخت فرمائیں گے تو کوئی زیادہ قیمت نہ دے گا۔ آپؐ نے فرمایا نہیں...... اللہ کے ہاں تمھاری بڑی قیمت ہے۔ [۳۰]

آپؐ کا اپنے صحابہؓ سے جو تعلق تھا اس کے بیان کے لیے چند واقعات ناکافی ہیں۔ جب غزوہ حنین کے بعد مالِ غنیمت کی تقسیم پر انصار میں سرگوشیاں شروع ہوئیں تو آپؐ کو اس کی اطلاع دی گئی۔ آپ ﷺ نے انصار کو بُلا بھیجا اور بلیغ خطبہ دیا۔

آپؐ نے فرمایا:۔

"کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے جائیں اور تم اپنے ساتھ رسول اللہ کو لے جاؤ"

یہ سننا تھا کہ انصار کی چیخیں نکل گئیں اور کہا کہ ہمیں اللہ کا رسول ہی چاہیے اس کے علاوہ اور کچھ درکار نہیں۔

آپ ﷺ کو گھڑ سواری بہت پسند تھی۔ اس کے علاوہ آپؐ نے اونٹ خچر اور دراز گوش پر بھی سواری فرمائی۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؑ کو گھڑ دوڑ وغیرہ کا اہتمام کرنے کا نگران بنایا۔ مدینہ سے باہر ایک میدان تھا جس میں یہ مقابلے منعقد کیے جاتے۔ حضرت علیؓ نے ان مقابلوں کے لیے درج ذیل قواعد بنائے:

۱۔ گھوڑوں کی صفیں قائم کی جائیں اور تین دفعہ پکار دیا جائے کہ جس کو لگام درست کرنی ہو یا بچہ ساتھ رکھنا ہو یا زِین الگ کرنی ہو تو ایسا کرے۔

۲۔ جب کوئی آواز نہ آئے تو تین دفعہ تکبیر کہی جائے۔ تیسری تکبیر پر گھوڑے میدان میں ڈال دِیے جائیں۔

۳۔ گھوڑے کے کان آگے نکل جائیں تو سمجھ لیا جائے گا کہ گھوڑا آگے نکل گیا ہے۔ ۳۱

Marfat.com

باب سوم

اَلَمْ تَرَ کَیْفَ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلاً کَلِمَۃً طَیِّبَۃً کَشَجَرَۃٍ طَیِّبَۃٍ
اَصْلُھَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُھَا فِی السَّمَآءِ (ابراھیم: ۱۴: ۲۴)

در شبستانِ حرا خلوت گزید
قوم و آئین و حکومت آفرید

نبوّت

Marfat.com

فصل اول

نبوت کی حقیقت

عالم کے پروردگار نے جب یہ کائنات تخلیق کی تو اس کے سامنے پوری حکمت اور منصوبہ تھا اور جب اس کائنات کے ایک گوشے میں اس کرۂ ارضی پر انسانوں کو لا بسایا تو اس وقت بھی اس کے سامنے ایک پورا لائحۂ عمل تھا۔ اُس ذاتِ باری نے انسانوں کی تمام ضروریات کو از خود پورا کیا۔ ایسے انتظامات کیے کہ یہاں انسانوں کے لیے جینا، بسنا، پنپنا اور بڑھنا آسان ہو جائے۔ سورج، چاند، ستاروں نیز ہوا پانی اور مرغزاروں کو انسان کے لیے مسخر کیا۔ کیوں کہ یہی اس کی ربوبیّت کا تقاضا تھا لیکن اس رب کریم کو صرف یہی مقصود نہ تھا کہ انسانوں کی یہ نسل پلے اور بڑھے؛ پھولے اور پھلے؛ اس دنیا کی زندگی میں عیش و طرب سے آشنا ہو؛ سورج چاند اور ستاروں کو مسخر کرے؛ ہوا اور پانی کو لگام ڈال دے بلکہ اس کی غایت یہ تھی کہ یہ انسان اس کائنات میں رہتے ہوئے پوشیدہ حقائق تک رسائی حاصل کرے۔ پسِ پردہ موجود خالقِ اکبر تک جا پہنچے اور پھر اس کی رضا کے مطابق زندگی گزارے اور خراماں خراماں اس کی طرف بڑھتا چلا جائے۔ اس ربِ والا صفات نے انسانوں کی سب سے بڑی ضرورت یعنی ہدایت کا بھی مستقل اہتمام فرمایا اور جب انسان کو

Marfat.com

اس کرۂ ارض پر متمکن کیا تو اس کا وعدہ بھی فرمایا:

﴿قُلۡنَا اهۡبِطُوۡا مِنۡهَا جَمِيۡعًا ۚ فَاِمَّا يَاۡتِيَنَّكُمۡ مِّنِّىۡ هُدًى فَمَنۡ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ﴾ (البقرۃ ۲: ۳۸)

''ہم نے کہا کہ تم سب یہاں سے اتر جاؤ پھر جو میری طرف سے کوئی ہدایت تمھارے پاس پہنچے تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہ ہوگا''

عالم کے پروردگار نے اپنے وعدۂ ہدایت کو نبھایا اور اپنے فرستادہ بندوں کا ایک سلسلہ جاری کر دیا جنھوں نے ہر دَور اور ہر علاقے میں انسانوں کے ضمیر پر دستک دی۔ ان کی خوابیدہ بصیرت کو جگایا اور وحیِ الٰہی کی روشنی ان تک پہنچانے کی کوشش کی؛ انھیں یاد دلایا کہ وہ اللہ کے بندے ہیں انھیں اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ لہٰذا انھیں اس زندگی میں اللہ کی بندگی کا راستہ اختیار کرنا چاہیے لیکن عوام الناس میں سے کم ہی تھے جنھوں نے اللہ کے ان سفیروں کا استقبال کیا۔ ان کی قدر کی اور ان کی دعوت پر ایمان لائے۔ اکثریت نے ہر دَور میں پتھروں سے ان کی تواضع کی۔ کئی انبیاء قتل بھی کر دِیے گئے۔ کئی کو ان کی بستیوں سے نکال کر باہر کیا گیا۔ لوگ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر قائم رہے۔ یہاں تک کہ اللہ کے عذاب نے بستیوں کی بستیاں الٹ دِیں...... ظالموں کا نام ونشان تک مٹا دیا گیا۔

اللہ کے ان فرستادہ بندوں کو اصطلاح میں نبی کہا جاتا ہے یعنی بہت بڑی خبر لانے والے یا بہت اونچی شان والے۔ ان انبیاء علیہم السلام کی دعوت کیا تھی......؟ اس کو معلوم کرنے کا واحد ذریعہ قرآنِ پاک ہے۔ چلیے اُسی کے سائے میں چل کر تشفی

Marfat.com

حاصل کرتے ہیں۔

سابقہ انبیاءؑ کی دعوت

حضرت آدم علیہ السلام نے کرہ ارض کو اپنے وجود سے آشنا کیا۔ وہ انسانِ اوّل ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ کے نبی بھی تھے۔ اُن کی موجودگی میں اُن کی اولاد سیدھے راستہ پر قائم رہی؛ تنہا اللہ کو اپنا معبود مانتی رہی؛ اُسی کے آگے جبینِ نیاز جھکاتی رہی؛ مسائل و مشکلات میں اسی کے در پر حاضری دیتی رہی لیکن اُن کی وفات کے بعد ان کی اولاد میں بگاڑ ظاہر ہونا شروع ہوا۔ شیطان نے اولادِ آدم کو بڑے عیّارانہ انداز سے گمراہ کیا۔ ان کے دلوں میں ان کے آباؤ اجداد کی محبت موجزن تھی۔ شیطان نے اس محبت کو غلط رنگ دیا اور آہستہ آہستہ انھیں اکابر پرستی پر مائل کر لیا۔ بزرگوں کی یہی محبت مجسموں اور مورتیوں میں ڈھل گئی اور پھر جبینِ نیاز یہیں جھکنے لگی۔ ان حالات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث کیا جنہوں نے اپنی قوم کو خالص اللہ کی بندگی کی طرف بلایا۔ فرمایا:

﴿اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴾ (نوح: ۷۱: ۳)

''(اے قوم) اللہ کی بندگی کرو۔ اسی سے ڈرو اور میری اطاعت کرو''

ساتھ ہی ان بتوں کی نفی بھی فرما دی جو ودّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کی صورت میں وہاں موجود تھے۔ قوم کو ان کے طرزِ عمل پر جھنجھوڑا۔ انھیں شرک اور بت پرستی سے تائب ہونے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی اور اس کوشش میں عمرِ عزیز کے سینکڑوں سال لگا دیے۔ اِس دعوت کے نتیجے میں جو ایمان لائے اور اطاعت کی وہ سلامت رہے

اور جنھوں نے انکار کیا وہ عذابِ الٰہی کا شکار ہو گئے۔

حضرت نوحؑ کے بعد رفتہ رفتہ گمراہی کے سائے دوبارہ پھیلنے شروع ہوئے۔ شیطان نے اپنے ترکش سے کئی تیر آزمائے۔ تاریخ کی ایک بڑی قوم جسے دنیا عادِ ارم کے نام سے جانتی ہے...... شرک و بت پرستی میں مبتلا ہو گئی۔ اُن کی طرف اُن کے بھائی حضرت ہود علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا۔ انہوں نے بھی وہی دعوت دی۔ فرمایا:

﴿قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ﴾

''اس نے کہا اے برادرانِ قوم......! اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی اِلٰہ نہیں ہے تم نے محض جھوٹ گھڑ رکھے ہیں'' (ہود: ۱۱ : ۵۰)

عادِ ارم میں سے جو لوگ ایمان لائے وہ سلامت رہے اور نافرمانوں کا انجام ہلاکت کی صورت میں ظاہر ہوا۔ ہودؑ علیہ السلام پر ایمان لانے والے عادِ ارم ہجرت کر کے شمال کی طرف چل پڑے۔ تاریخ انھیں ثمود کے نام سے جانتی ہے۔ رفتہ رفتہ ان میں بھی گمراہی کے آثار نظر آنا شروع ہوئے جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت صالحؑ کو ان کی طرف بھیجا۔ انہوں نے بھی اپنی قوم کو اللہ کی بندگی کی دعوت دی۔ شرک و بت پرستی سے تائب ہونے کے لیے ابھارا۔ جو لوگ ایمان لائے، بچ گئے..... باقی ماندہ عذاب کا شکار ہو گئے۔

حضرت ابراہیمؑ کی بعثت کے وقت تو بت پرستی نے باقاعدہ ایک تمدن کی صورت اختیار کر لی۔ نمرود کی صورت میں اس تمدن کو قوتِ قاہرہ بھی حاصل تھی۔ حضرت ابراہیمؑ نے ان ناموافق حالات میں اپنی قوم کے سامنے توحید کی دعوت رکھی اور بتانِ آذری کو تنقید کا نشانہ بنایا:

Marfat.com

﴿قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ۝ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴾

''اس نے پوچھا کیا یہ (بت) تمہاری بات سنتے ہیں جب تم انھیں پکارتے ہو؟
یا یہ تمہیں کچھ نفع یا نقصان پہنچاتے ہیں؟'' (الشعرآء ۷۲ تا ۷۳)

نہ صرف تنقید کی بلکہ ایک مرتبہ جب داؤ لگا تو انھیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اس ''جرم'' کی پاداش میں انھیں آگ میں بھی ڈالا گیا لیکن اللہ رب العالمین نے اپنے خلیل کو بچالیا اور ارضِ مبارک، شام کی طرف ان کی رہنمائی فرمائی۔

تاریخ کے اس موڑ تک تو انسانوں کے عقیدے ہی میں فساد رہا لیکن اب انسانوں کے اندر عملی فساد کی متعدد شکلیں ظاہر ہونا شروع ہو گئیں جن کی بروقت تنبیہ اور اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے مختلف مقامات پر اپنے فرستادے مامور کیے۔ ایسی ہی ایک قوم کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی لوط علیہ السلام کو بھیجا۔ یہ قوم اخلاقی فساد میں مبتلا تھی۔ ان کی بے لگام شہوت نے انھیں غیر فطری راستے پر ڈال دیا۔ چناں چہ وہ ہم جنس پرستی میں مبتلا ہو گئے۔ اس کے علاوہ انہوں نے چوری اور ڈاکہ زنی کو بطور پیشہ اپنا لیا۔ ساتھ ہی ساتھ فحش گوئی میں بھی مبتلا تھے۔ قرآن کا ارشاد ہے:

﴿وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ز مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَ تَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۵ وَ تَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ﴾ (العنکبوت ۲۹: ۲۷، ۲۸)

''اور ہم نے لوط کو مامور کیا جب اس نے اپنی قوم سے کہا تم تو وہ فحش کام کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا والوں میں سے کسی نے نہیں کیا ہے۔ کیا تمہارا حال یہ ہے کہ تم مردوں کے پاس جاتے ہو اور رہزنی کرتے ہو اور اپنی مجلسوں میں بے حیائی کی گفتگو کرتے ہو''

Marfat.com

جب یہ قوم باز نہ آئی اور اس نے حضرت لوطؑ کو جھٹلا دیا تو وہ اللہ کے غضب کا شکار ہوئی۔ ان کی بستی کو آسمان تک اٹھا کر اوندھا پھینک دیا گیا اور اوپر سے پتھروں کی بارش کردی گئی۔ صرف وہ لوگ بچے جو نبی پر ایمان لائے اور عملِ صالح کرتے رہے۔ اسی زمانے کی ایک اور قوم مدین کے علاقے میں آباد تھی۔ اس نے معیشت میں اخلاقی اصولوں کی پاس داری چھوڑ دی۔ کم ناپنا اور کم تولنا ان کا معمول بن گیا تھا۔ زمین میں فساد برپا کرنا، قتل و غارت گری اور بدامنی کا چلن عام تھا۔ قرآن کا ارشاد ہے:

﴿ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ۝ وَمَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ۝ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۝ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴾ (الشعراء: ۲۶: ۱۷۷، ۱۸۳)

''یاد کرو جب کہ شعیبؑ نے ان سے کہا تھا کیا تم ڈرتے نہیں؟ میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔ لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ پیمانے ٹھیک بھرو اور کسی کو گھاٹا نہ دو۔ صحیح ترازو سے تولو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو۔ زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو''

شعیب علیہ السلام پر جو لوگ ایمان لائے وہ بچا لیے گئے اور جو نہیں مانے وہ عذاب کا شکار ہو کر رہے۔

اس کے بعد انبیاء کی دعوت میں ارتقاء کی ایک اور منزل طے ہوئی۔ حکومت اور سیاست کو بھی اس باب میں شامل کرلیا گیا۔ اس کا آغاز حضرت یوسفؑ کی سرگزشت سے ہوتا ہے۔ آنجنابؑ مختلف سرد و گرم منازل طے کرتے ہوئے مصر کے تخت تک پہنچے

اور اقتدار کی کنجیاں ان کے قدموں میں ڈھیر کر دی گئیں۔ ان کے بعد ان کی قوم رفتہ رفتہ زوال کا شکار ہو گئی۔ یہاں تک کہ نوبت غلامی تک پہنچ گئی۔ بنی اسرائیل کے اس دورِ غلامی میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو اپنی قوم کی رہنمائی کے لیے بھیجا۔ قدرتِ ایزدی سے ان کی پرورش فرعون کے گھر میں ہوئی۔ جب ان کو نبوت سے سرفراز کیا گیا تو انہوں نے فرعون کی خدائی اور اقتدار کو چیلنج کیا اور بنی اسرائیل کی آزادی کے لیے انھیں منظّم کیا۔ نتیجتاً فرعون اور اس کا لشکر غرق ہوا اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو نجات دی۔

یہاں بنی اسرائیل کو دعوت کی ایک اور منزل یعنی جہاد فی سبیل اللہ سے بھی روشناس کرایا گیا۔ ابتداً بنی اسرائیل نے ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا جس کا خمیازہ بھی انھیں بھگتنا پڑا لیکن بعد میں حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے جہاد ہی کی بدولت اپنی سلطنت کو وسعت اور استحکام بخشا......اس کے بعد انبیاء کا ایک طویل سلسلہ چل پڑا۔ یہاں تک کہ بنی اسرائیل میں حضرت عیسیٰ ابنِ مریمؑ کو مبعوث کیا گیا۔ انہوں نے اپنی قوم پر اتمامِ حجت کی؛ انھیں حق کے راستے پر چلتے رہنے کی ہدایت کی؛ اُن تمام خرافات و بدعات کی نشاندہی کی جو لوگوں نے دین میں داخل کر لیں تھیں نیز انھیں اس حقیقت سے بھی آگاہ فرمایا کہ اب بنی اسرائیل میں نبوت کا یہ سلسلہ ختم ہو رہا ہے۔ اور سلسلہ انبیاء کے سرخیل، سرورِ کائنات فخرِ موجودات بنی اسماعیل سے ہوں گے۔ انہوں نے بڑی وضاحت کے ساتھ آنحضور ﷺ کی صفات یہاں تک کہ نام لے کر آپ ﷺ کا تعارف اپنی قوم سے کروایا۔ فرمایا:

﴿وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَٰبَنِيٓ إِسْرَٰٓءِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُم مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَىٰةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنۢ بَعْدِي

Marfat.com

اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ ط ﴾ (الصف ۶۱: ۶)

''اور یاد کر عیسیٰ ابنِ مریم کی وہ بات جو اس نے کہی تھی کہ اے بنی اسرائیل میں تمھاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں تصدیق کرنے والا ہوں اس توراۃ کی جو مجھ سے پہلے آئی اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا''

یہی تسلسل تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کے تقریباً ۵۳۸ سال بعد اللہ تعالیٰ نے نبیٔ اکرم ﷺ کو نبوت سے سرفراز فرما کر اس سلسلے کی تکمیل کر دی؛ انسانیت پر اپنی نعمت تمام کر دی؛ ان تک ہدایت پہنچا دی اور قیامت تک کے لیے یہ بہانہ مٹا دیا کہ انسانوں تک رب کی ہدایت نہیں پہنچ پائی۔

آپؐ کی دعوت و انذار، اس پر آپ کی قوم کا ردِ عمل اور آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کا صبر و ثبات وہ موضوع ہے جس پر آئندہ سطور میں مفصل روشنی ڈالی جائے گی۔ اِن شاء اللہ۔

فصل دوم

در شبستانِ حرا خلوت گزید

سابقہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت پر طائرانہ نگاہ دوڑانے کے بعد ہم واپس اس لذیذ حکایت کی طرف آتے ہیں ۔آپ کی عمرِ عزیز کا اڑتیسواں سال تھا جب آپ کی طبیعت خلوت کی طرف مائل ہونا شروع ہوئی ۔رمضان کے مہینے میں خورونوش کا سامان لے کر آپ مکہ سے نکل کھڑے ہوئے ۔وہاں سے کوئی تین میل کے فاصلے پر جبل النور میں واقع غار کو اپنا مسکن بنایا۔تاریخ نے اس غار کو حرا کے نام سے یاد کیا۔حرا کے معنی تلاش وجستجو کے ہیں۔طبری کی روایت کے مطابق حق کی تلاش وجستجو میں عرب لوگوں کا اس طرح خلوت گزیں ہونا معلوم اور معروف تھا۔ یہ غار پتھر کی بڑی بڑی سِلوں کے گرنے سے وجود میں آیا۔اس کے تینوں ضلعے اور چھت انہی پتھروں سے بنے ہیں غار کی اونچائی اتنی ہے کہ چھت سے سر ٹکرائے بغیر انسان کھڑا ہوسکتا ہے۔لمبائی بھی قد آدم جتنی ہے لہٰذا اِس میں آرام سے لیٹا بھی جاسکتا ہے۔غار کا دہانہ بیت اللہ کی طرف ہے لہٰذا یہاں بیٹھا ہوا شخص آسانی سے بیت اللہ کا نظارہ کرسکتا ہے۔

یہاں قیام کے دوران آپ غور وفکر کیا کرتے ۔اپنی ذات پر......اس کائنات پر......اپنی قوم کی حالتِ زار پر......اور جوں جوں آپ غور فرماتے آپ کی پریشانی اور غم

Marfat.com

کا بوجھ بڑھتا جاتا۔ آپؐ کی قوم شرک و بت پرستی میں لت پت تھی جب کہ آپؐ کی سلیم فطرت اور روشن بصیرت آپ کی رہنمائی کر رہی تھی اور بتا رہی تھی کہ یہ سب کچھ ٹھیک نہیں ہے لیکن اگر یہ سب کچھ ٹھیک نہیں ہے!!! تو پھر ٹھیک کیا ہے؟؟ یہی وہ سوال تھا جو آپؐ کے ذہن میں مچل رہا تھا۔ تقریباً تین سال تک ہر رمضان میں آپؐ اسی غار میں تشریف لے جاتے۔ خلوت اور مراقبے کی کیفیت جاری رہتی کہ یکا یک طلوعِ سحر کے آثار نمودار ہونا شروع ہوئے۔

ربیع الاوّل میں آپ ﷺ نے اپنی عمر کا چالیسواں سال مکمل کیا۔ ابتدا سچے خوابوں سے ہوئی۔ آپؐ جو بھی خواب دیکھتے دن کی روشنی میں اسے پورا ہوتا دیکھتے۔ یہ گویا آپؐ کو تیار کیا جا رہا تھا کہ اب کچھ غیر معمولی واقعات پیش آنے والے ہیں۔ ابنِ اسحاق کے بیان کے مطابق اسی دوران جب آپؐ کا گزر کسی درخت یا بڑے پتھر کے قریب سے ہوتا تو آواز آتی ''السلام علیک یا رسول اللہ'' آپ اِدھر اُدھر دیکھتے لیکن بہ جز پتھروں اور درختوں کے اور کچھ دکھائی نہ دیتا...... اسی طرح چھ ماہ کا عرصہ گزر گیا۔ رمضان میں حسبِ عادت آپؐ حرا کی طرف گامزن ہوئے تا کہ غور و فکر اور تدبّر کے لیے فراغت حاصل ہو۔ قرآنِ پاک کی واضح آیات اور معتبر احادیث سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اِسی رمضان کے آخری عشرے میں کسی طاق رات (جو کہ سوموار کی رات تھی) جبریل امینؑ آپ کے پاس تشریف لائے۔ جو پہلا مکالمہ ہوا، حضرت عائشہؓ نے اسے یوں بیان کیا ہے کہ:

''جبریل علیہ السلام نے آپ سے کہا کہ پڑھو آپؐ نے فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ اس پر اس نے مجھے اس قدر زور سے دبایا کہ میری قوت

Marfat.com

نچوڑ دی پھر چھوڑ کر کہا کہ پڑھو آپؐ نے فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اس نے دوبارہ پکڑ کر شدت سے دبوچا اور کہا پڑھو آپؐ نے فرمایا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اس نے پھر پکڑ کر دبوچا اور چھوڑ کر کہا:

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ○ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ﴾ (سورۃ العلق ۹۶: ۱ تا ۵)

انہی آیات کے ساتھ آپ گھر تشریف لائے۔ دل کی دھڑکنیں تیز تھیں، جسم پسینے سے شرابور تھا۔ آپؐ نے فرمایا مجھے چادر اوڑھا دو!! مجھے چادر اوڑھا دو!! آپ ﷺ کی شریکِ حیات حضرت خدیجہؓ نے ایسا ہی کیا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کی حالت سنبھل گئی۔ آپؐ نے حضرت خدیجہؓ کو سارا واقعہ سنایا اور فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کی ڈھارس بندھائی۔ کہا اللہ آپ کو ہرگز رسوا نہ کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، درماندوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، تہی دستوں کا بندوبست کرتے ہیں، مہمانوں کی میزبانی کرتے ہیں اور حق کے مصائب پر اعانت کرتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت خدیجہؓ آپؐ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ ورقہ دورِ جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے۔ ان کے سامنے یہ واقعہ دہرایا گیا تو انھوں نے کہا یہ تو وہی ناموس ہے جسے اللہ نے موسیٰ پر نازل کیا تھا۔ آپؐ اس امت کے نبی ہیں۔ (ﷺ) چوں کہ اس اچانک ظہور پذیر ہونے والے واقعہ کی وجہ سے آپ ﷺ قبل از وقت گھر تشریف لائے تھے اس لیے واپس حرا جا کر اپنی مدتِ قیام کو پورا کیا...... لیکن اس کے بعد وحی کا سلسلہ رک گیا۔ یہ فترۃ یعنی رکاوٹ کا عرصہ کتنا طویل تھا؟ اس

Marfat.com

سلسلے میں حضرت ابنِ عباسؓ کا قول زیادہ راجح ہے کہ یہ وقفہ صرف چند روزہ تھا۔ بہ ظاہر اس کی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اچانک وحی کی وجہ سے آپؐ کے اعصاب پر جو دباؤ پڑا تھا اس کا اثر زائل ہو جائے اور آپ دوبارہ وحیِ الٰہی وصول کرنے کے قابل ہو جائیں۔

صحیح بخاری کتاب التعبیر کی روایت کے مطابق جب وحی بند ہو گئی اس سے رسول اللہ ﷺ اس قدر غمگین ہوئے کہ کئی بار بلند و بالا پہاڑ کی چوٹیوں پر تشریف لے گئے کہ وہاں سے لڑھک جائیں لیکن جب کسی پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتے کہ اپنے آپ کو گرا دیں تو جبریلؑ نمودار ہوتے اور فرماتے اے محمد (ﷺ) آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اس کی وجہ سے آپ کا اضطراب تھم جاتا۔

آخر کار انتظار کے لمحات ختم ہوئے۔ جبریل امینؑ دوبارہ تشریف لائے۔ آپؐ فرماتے ہیں میں چلا جا رہا تھا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ وہی فرشتہ جو حرا میں پہلی دفعہ میرے پاس آیا تھا زمین و آسمان کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہے۔ میں اس سے خوف زدہ ہو کر زمین کی طرف جھکا پھر گھر آ کر کہا مجھے چادر اوڑھاؤ مجھے چادر اوڑھاؤ۔ جب چادر اوڑھا دی گئی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ ۝ وَثِیَابَکَ فَطَهِّرْ ۝
وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَکْثِرُ ۝ وَلِرَبِّکَ فَاصْبِرْ ۝﴾

(سورۃ المدثر: ۷۴، ۱ تا ۷)

اس کے بعد نزولِ وحی میں تسلسل آ گیا اور کبھی اتنا انتظار نہ کرنا پڑا۔

Marfat.com

آپ ﷺ کا دورِ نبوت

نبی کریم ﷺ کے مکی دور کو ہم نے نبوت کے عنوان کے تحت جمع کر دیا ہے۔ اگرچہ آپؐ نبی بھی تھے اور رسول بھی لیکن مکی دور میں آپ کی زندگی پر فرائضِ نبوت کا رنگ غالب رہا جب کہ ہجرت کے بعد آپ فرائضِ رسالت کی ادائیگی میں مشغول ہوئے۔ یہ فرق مطالعہ سے واضح ہوتا چلا جائے گا۔ بہ حیثیت نبی، آپؐ نے اپنی قوم تک حق کی دعوت پہنچائی۔ اس دعوت کے چار بنیادی نکات تھے۔

پہلا نکتہ یہ تھا کہ اے قوم خالص اللہ کی بندگی کا راستہ اختیار کرو۔ اللہ ہی کو اپنا خالق اور مالک تسلیم کرو۔ اسی کے سامنے اپنی جبینِ نیاز جھکاؤ۔ اسی کے در پر حاضر ہو کر اپنے مصائب و مشکلات پیش کرو۔ اسی سے مدد چاہو اور اس کے علاوہ جو معبودانِ باطل تم نے بنا رکھے ہیں، یہ بے بس ہیں، بے کس ہیں، تمہاری مدد تو کیا شنوائی تک نہیں کر سکتے۔ لہٰذا انھیں چھوڑ دو۔ مختصر الفاظ میں شرک کی تردید کی جا رہی تھی اور توحید کی دعوت دی جا رہی تھی۔

دعوت کا دوسرا نکتہ یہ تھا کہ لوگو! زندگی کے بعد موت ایک حقیقت ہے اسے تم مانتے ہو لیکن یہ مرنا ابدی نہیں ...... اس کے بعد ایک دن تمام انسانوں کو یکبارگی دوبارہ جی اٹھنا ہے؛ انھیں رب کے سامنے پیش ہونا ہے؛ ان سے ان کے نیک و بد کا حساب لیا جانا ہے اور پھر انھیں، اُن کے اعمال کے حساب سے، جنت یا جہنم میں جانا ہے۔ ساتھ

ہی جنت اور جہنم کی کیفیات بھی سامنے رکھ دی گئیں تا کہ عقل مند عبرت حاصل کر سکیں اور نادانوں پر حجت قائم ہو جائے۔

تیسرا نکتہ یہ تھا کہ اس دعوت کے علَم بردار پر ایمان لاؤ۔ ان کی اطاعت کرو کیوں کہ وہی رب کی معرفت حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ہیں۔ ان کے بغیر دنیا میں، نہ ہی آخرت میں تم کامیابی کے حق دار ٹھہر سکتے ہو۔ ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ محمد ﷺ کوئی نرالا کام نہیں کر رہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہر دَور میں انبیا و رُسل بھیجے تا کہ وہ انسانیت کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دے سکیں۔

دعوت کا چوتھا نکتہ بنیادی انسانی اخلاقیات سے متعلق تھا یعنی یہ کہ آپس کے تعلقات میں رحمت و رافت کا سلوک رکھو؛ ظلم و زیادتی سے بچو؛ یتیموں اور لاوارث افراد سے حُسنِ سلوک کرو؛ عورتوں اور بچیوں کے حقوق کی نگہداشت کرو؛ مساکین کی خبر گیری کرو...... غرض حقوق العباد کا خصوصی خیال کرو۔

مکہ میں قرآنِ پاک کی جو سورتیں نازل ہوئیں ان کا اگر تجزیہ کیا جائے تو دعوت کے یہی چار نکات سامنے آتے ہیں۔ انہی نکات کو ثابت کرنے کے لیے آفاق و انفس کے شواہد بھی پیش کئے گئے، سابقہ اقوام کی تاریخ بھی سامنے لا کر رکھ دی گئی۔ گویا ایک آئینہ پیش کر دیا گیا جس میں ماننے والوں کے انجام کے ساتھ ساتھ انکار کرنے والوں کا انجام بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

مکہ میں آپ کی داعیانہ زندگی کو (جو تقریباً ۱۳ سال پر مشتمل تھی) چار ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

☆ پہلا دور (جو کہ تین سال پر مشتمل تھا) **خفیہ دعوت** کا دور کہلاتا ہے۔ اس دور میں آپ ﷺ نے اپنے قریبی اعزہ اور دوستوں کو اپنا ہم نوا بنایا اور ان کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ جاری کیا۔

☆ دوسرا دَور وہ تھا جب آپ ﷺ کو حکم ہوا کہ اپنے قریبی خاندان والوں تک اس دعوت کو پہنچائیں اور اس کے بعد **عام اہلیانِ مکہ تک** اس دعوت کا ابلاغ فرمائیں۔ اُس دَور میں مشرکین کی طرف سے پہلے آپ کو سمجھایا گیا، زر و جواہر، حُسن اور بادشاہی کی ترغیبات دی گئیں اور جب نہ مانے تو مذاق اڑایا گیا۔ پھبتیاں کسی گئیں اور ابتدائی درجے کی مخالفت شروع ہوئی۔

☆ تیسرا دور جو کہ نبوت کے پانچویں سال سے شروع ہُوا اور دسویں سال میں حضرت ابو طالب اور اُم المومنین حضرت خدیجہ کی وفات پر ختم ہوا۔ اس دوران آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کو **تعذیب اور تشدد** کا نشانہ بنایا گیا۔ جھوٹے پروپیگنڈے کا ایک طوفان اٹھایا گیا۔ یہی وہ دور تھا جب آپ نے اپنے رفقاء کو حبشہ ہجرت کر جانے کا مشورہ دیا۔ اور خود اپنے اہلِ خانہ سمیت شعبِ ابی طالب میں تین سال کے لیے محصور ہو کر رہ گئے۔

☆ چوتھے دور میں **دعوت کی کرنیں مکہ سے باہر** پھیلنا شروع ہوئیں۔ مختلف قبائل سے آپ کا سابقہ پیش آیا۔ طائف کے بازاروں میں

Marfat.com

دعوت وانذار کا فریضہ ادا کیا اور اس کی قیمت بھی ادا کی۔ اسی دور میں رب تعالیٰ نے آپ کو معراج سے مشرف فرمایا اور ہجرت کا اشارہ دیا۔ نماز بھی اسی دور میں فرض ہوئی۔ یثرب کے وفود سے ملاقاتیں اور عہد و پیمان ہوا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک مقامِ امن عطا فرمایا۔

Marfat.com

فصل سوم (پہلا دور: خفیہ انذار)

چند سعید روحیں

یہ بات متفق علیہ ہے کہ نبی ﷺ پر سب سے پہلے آپ کی زوجہ حضرت خدیجہ الکبریٰ ؓ ایمان لائیں۔ اس کے بعد حضرت علیؓ، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت زید بن حارثہؓ کے بارے میں واضح نہیں کہ کون پہلے ایمان لایا۔ اس کے علاوہ آپ کی صاحبزادیاں رقیہؓ، اُم کلثومؓ اور زینبؓ بھی جوں جوں ہوش سنبھالتی گئیں، ایمان لاتی گئیں جب کہ آپ کی چھوٹی صاحبزادی فاطمہؓ نے آنکھ ہی زمانۂ نبوت میں کھولی۔

حضرت علیؓ کے متعلق ابنِ اسحاقؒ کی روایت ہے کہ ان کی عمر ۱۰ سال تھی جب انہوں نے نبی ﷺ اور حضرت خدیجہؓ کو نماز پڑھتے دیکھا تو پوچھا کہ یہ کیا ہے...... حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ اللہ کا دین ہے جس کو اس نے اپنے لیے پسند فرمایا ہے اور جس کے ساتھ اس نے اپنے رسول بھیجے لہٰذا میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ اللہ وحدہٗ لاشریک کو مانو اور اس کی عبادت کرو اور لات و عزیٰ کا انکار کر دو۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ یہ بات چوں کہ اجنبی ہے اس لیے اسے قبول کرنے سے پہلے میں اپنے والد سے مشورہ ضروری سمجھتا ہوں۔ حضور ﷺ اس وقت نہ چاہتے تھے کہ حضرت ابو طالب اس راز سے مطلع ہوں۔ اس لیے آپ نے حضرت علیؓ کو یہ بات مخفی رکھنے کو کہا۔ ایک رات سوچ و بچار کے بعد اگلے

Marfat.com

روز وہ ایمان لے آئے تاہم اپنے اسلام کو اپنے خاندان سے مخفی رکھا۔

حضرت ابوبکرؓ سے متعلق وہ روایت ہی کافی ہے جسے ابن اسحاق نے عبداللہ بن الحصین سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ میں نے جس کے سامنے بھی اسلام پیش کیا اس نے کچھ نہ کچھ تردّد کیا اور سوچا مگر ابوبکرؓ سے جونہی میں نے اس کا ذکر کیا۔ انہوں نے کوئی تردّد نہیں کیا اور فوراً تسلیم کرلیا۔

ابنِ ہشام کہتے ہیں ابوبکرؓ کا نام عبداللہ تھا۔ آپؓ کی خوب رُوئی، آزادی و خودمختاری کے سبب آپؓ کا لقب عتیق پڑ گیا۔ آپؓ کے والد کا نام عثمان بن عامر تھا۔ ان کی کنیت ابوقحافہ تھی۔ حضرت ابوبکرؓ اپنی شگفتہ مزاجی اور حسنِ گفتار کی وجہ سے رونقِ محفل ہوا کرتے تھے۔ تجارت آپ کا پیشہ تھا جس میں آپ کو خاص ملکہ حاصل تھا۔ چناں چہ آپ کا شمار مکہ کے متموّل افراد میں ہوتا تھا۔ ابنِ ہشام کے مطابق حضرت ابوبکرؓ جیسے ہی ایمان لائے اسلام کی اشاعت شروع کردی وران کی کوششوں سے حضرت عثمان بن عفانؓ، عبدالرحمانؓ بن عوف، زبیرؓ بن العوام اور حضرت سعد بنؓ ابی وقاص ایمان لائے۔

حضرت زیدؓ بن حارثہ قبل از نبوت ہی آپؐ کے اخلاقِ حسنہ سے اس قدر متاثر تھے کہ اپنے والدین پر آپ کو ترجیح دی۔ اس لیے انھیں بھی یہ دین قبول کرنے میں زیادہ تردد نہ ہوا۔

اوّلین راہروانِ اسلام میں حضرت بلال حبشیؓ بھی ہیں۔ ان کے بعد حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ۔ ابوسلمہ بن عبدالاسدؓ، ارقم بن ابی ارقمؓ، عثمان بن مظعونؓ اور ان کے دونوں بھائی سعید بن زیدؓ اور ان کی اہلیہ (جو حضرت عمرؓ کی ہمشیرہ تھیں) خباب بن الارتؓ اور عبداللہ ابنِ مسعودؓ شامل ہیں[۳۲]

Marfat.com

قریش کو اطلاع

ابنِ ہشام اور ابنِ جریر نے لکھا ہے کہ بعد میں کسی وقت ابو طالب نے حضرت علیؓ کو نماز پڑھتے دیکھ لیا۔ پوچھا یہ کیا دین ہے؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا ابا جان میں اللہ اور اس کے رسول محمد ﷺ پر ایمان لایا ہوں۔ ابو طالب نے کہا وہ تمہیں بھلائی کے سوا کسی چیز کی دعوت نہیں دیں گے لہٰذا ان کا ساتھ دو۔

قریش کے دیگر لوگوں کو بھی یہ اطلاع مل چکی تھی لیکن انہوں نے اسے اہمیت نہ دی۔ اس لیے کہ اس دعوت نے ابھی ان تک رسائی حاصل نہ کی تھی اور نہ وہ اس کے ''مضمرات'' سے پوری طرح واقف تھے۔ خفیہ دعوت کے تین سالوں میں آپ اپنے ساتھیوں کی تعلیم و تربیت اور تزکیہ میں مصروف رہے۔ انہی ایام میں وضو اور نماز کے ابتدائی احکام نازل ہو چکے تھے جن پر آپؐ اور صحابہ کرامؓ خفیہ طریق سے عمل پیرا رہے۔

نبی کریم ﷺ کی تین سالہ کاوشِ تبلیغ کے نتیجے میں ۱۳۳ سعید روحیں ایمان لائیں یہ وہ سلیم الفطرت لوگ تھے جنھیں جوں ہی حق کی چنگاری نظر آئی انہوں نے لپک کر اسے قبول کر لیا اور قلب و ضمیر کو اس سے روشن کرنے کا سامان کرنے لگے۔

(سید مودودیؒ نے سیرتِ سرورِ عالمؐ میں ان پاکباز اہلِ ایمان کی فہرست دی ہے)

Marfat.com

انذارِ عام

یہ بات گزر چکی ہے کہ پہلی وحی سورۃ علق کی ابتدائی پانچ آیات پر مشتمل تھی۔ اس سورۃ کی چھٹی آیت سے لے کر آخر تک سورۃ کے مضمون میں ایک اور منظر کشی کی گئی وہ غالباً اسلام کا اوّلین اظہار اور اس کا ردِ عمل تھا۔ ہُوا یوں کہ نبی ﷺ نے ربِ کریم کا اشارہ پاتے ہی حرم میں علانیہ نماز پڑھنا شروع کی۔ اس سے پہلے آپؐ اور اہلِ ایمان چھپ چھپ کر یہ فریضہ انجام دیا کرتے تھے۔ جب قریش نے اس نئے طریقۂ عبادت کو دیکھا تو انہوں نے سنجیدگی سے اسے دبانے اور اس کی راہ روکنے کا تہیہ کیا۔ ابو جہل ان میں پیش پیش تھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ ابو جہل نے قریش کے لوگوں سے پوچھا کیا محمدؐ تمہارے سامنے زمین پر منہ ٹکاتے ہیں (یعنی سجدہ کرتے ہیں) لوگوں نے کہا ہاں۔ اس نے کہا لات وعزیٰ کی قسم اگر میں نے انہیں اس طرح نماز پڑھتے دیکھا تو اُن کی گردن پر پاؤں رکھ دوں گا اور ان کا منہ زمین میں رگڑ دوں گا۔ پھر ایسا ہوا کہ حضور ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھ کر وہ آگے بڑھا تا کہ آپ کی گردن پر پاؤں رکھے مگر یکا یک لوگوں نے دیکھا کہ وہ پیچھے ہٹ رہا ہے اور اپنا منہ کسی چیز سے بچانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس سے پوچھا گیا کہ یہ تجھے کیا ہو گیا؟ اس نے کہا میرے اور ان کے درمیان

Marfat.com

آگ کی ایک خندق اور ایک ہولناک چیز تھی اور کچھ پر تھے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ میرے قریب پھٹکتا تو ملائکہ اس کے چیتھڑے اُڑا دیتے۔۳۳

اس کے بعد آپ کو حکم ہوا کہ اپنے قریبی اعزّہ کو اس دین کی طرف دعوت دیں نیز انھیں عذابِ الٰہی سے خبردار کریں۔

﴿وَاَنۡذِرۡ عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ ○ وَاخۡفِضۡ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ﴾ ○ (الشعراء ۲۶: ۲۱۴ تا ۲۱۵)

''آپ اپنے نزدیک ترین رشتہ داروں کو (عذابِ الٰہی سے) خبردار کیجیے اور وہ اہلِ ایمان جو آپ کے پیرو ہیں ان سے نرمی کیجیے''

خیال رہے کہ یہ سورۃ الشعراء کی آیات ہیں۔ یہ سورۃ دعوت کی تاریخ پر مشتمل ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تذکرے سے بات شروع ہوتی ہے اور پھر انبیاء ماسبق اور ان کی اقوام کا تذکرہ ہے۔اس دعوت کی راہ میں آنے والی مختلف منازل کی نشاندہی ہے۔یوں اس سورہ میں اہلِ ایمان کو اور خود نبی ﷺ کو ایک بہت بڑے معرکہ کے لیے ذہنی طور پر تیار کیا گیا اور قریش کو بھی سابقہ تاریخ کے حوالے سے بتایا گیا کہ تمہاری بقا اور سلامتی اسی میں ہے کہ دعوت قبول کرلو ورنہ سابقہ اقوام کا حشر تم بھولے ہوئے نہیں ہو!

انذارِ اقربین کی اس ہدایت پر عمل کرتے ہوئے نبی ﷺ نے بنو ہاشم کے چیدہ چیدہ افراد کو کھانے پر مدعو کیا تا کہ ان کے سامنے اپنا مدعا رکھ سکیں۔آپ ﷺ کی دعوت پر کُل ۴۵ افراد جمع ہوئے مگر اس سے پہلے کہ حضورؐ اپنی بات کہہ پاتے ابولہب نے بولنا شروع کر دیا اور ناصحانہ انداز میں کہا کہ یہ تمہارا خانوادہ موجود ہے جو کچھ چاہو کہو مگر دین سے پھرنے کی بات نہ کرو۔ تمہیں جان لینا چاہیے کہ تمہاری قوم تمام عرب سے لڑائی

Marfat.com

مول نہیں لے سکتی اور تمہارا ہاتھ پکڑنے اور تمہیں روکنے کے سب سے زیادہ حق دار تمہارے اپنے خاندان کے لوگ ہیں۔ اس طرح ابولہب نے پہلی مجلس کو خراب کر دیا۔ اگلے روز حضور ﷺ نے پھر اہلِ خاندان کو بلایا اور ان کے سامنے اپنی دعوت رکھی۔ اس پر آپ ﷺ کے شفیق چچا ابوطالب نے کہا کہ اگرچہ میری طبیعت عبدالمطلب کے دین کو چھوڑنے پر قائل نہیں لیکن جس کا تمہیں حکم دیا گیا ہے تم اسے کرو۔ میں تمہاری حمایت اور حفاظت کروں گا۔ اپنے شفیق چچا کی طرف سے حوصلہ افزا جواب کے بعد آپ ﷺ نے تمام اہلِ مکہ تک یکبارگی دعوت پہنچانے کا پروگرام بنایا۔

کوہِ صفا پر

نبوت کے چوتھے سال ایک روز صبح ہی صبح آپ ﷺ کوہِ صفا پر چڑھے اور یاصباحاہ (ہائے صبح) کی صدا لگائی۔ یہ سن کر قریش کے تمام سرکردہ لوگ آگئے۔ جو نہ آسکا اُس نے اپنا نمائندہ بھیج دیا۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ پھر آپ ﷺ نے اُن سے خطاب فرمایا!

"تم لوگ یہ بتاؤ کہ اگر میں یہ خبر دُوں کہ پہاڑ کے اس طرف ایک فوجی دستہ تیار ہے اور تم پر چھاپہ مارنا چاہتا ہے تو تم میری بات سچ مانو گے......؟" لوگوں نے کہا ہاں ہم نے آپ پر سچ کا تجربہ کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "تو اچھا میں تمہیں ایک سخت عذابِ الٰہی سے پہلے خبردار کرنے کے لیے بھیجا گیا ہوں" اس پر ابولہب نے کہا تو سارا دن غارت ہو (معاذ اللہ) تو نے ہمیں اس لیے جمع کیا تھا۔ اس پر تَبَّتْ یَدَآ اَبِی لَھَبٍ نازل ہوئی"۔

بعثت سے پہلے ابولہب نے اپنے دونوں بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کی شادی

نبی ﷺ کی دو صاحبزادیوں رقیہ اور امِ کلثوم سے کی تھی لیکن بعثت کے بعد اس نے نہایت سختی اور درشتی سے ان دونوں کو طلاق دلوادی۔۳۴

اسی طرح جب نبی ﷺ کے صاحبزادے عبداللہ کا انتقال ہوا تو ابولہب کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ وہ دوڑتا دوڑتا قریش کی محفل میں پہنچا اور انھیں یہ ''خوش خبری'' سنائی کہ آپ ابتر (نسل بریدہ) ہوگئے ہیں۔

ابولہب کی بیوی ام جمیل جس کا نام اروی تھا اور حرب بن امیہ کی بیٹی اور ابوسفیان کی بہن تھی وہ بھی آپ کی دشمنی میں کسی سے پیچھے نہ تھی۔ وہ آپ ﷺ کے راستے میں کانٹے ڈال دیا کرتی۔ خاصی بدزبان بھی تھی۔ جب اسے معلوم ہوا کہ اس کے شوہر اور خود اس کے خلاف قرآنِ پاک میں سورۃ نازل ہوئی ہے تو رسول اللہ کو تلاش کرتے کرتے خانہ کعبہ میں آئی۔ آپ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ تشریف فرما تھے لیکن قدرت کی طرف سے معجزہ ہوا کہ وہ آپ ﷺ کو نہ دیکھ سکی چناں چہ ابوبکرؓ سے مخاطب ہوکر بولی ابوبکرؓ! تمہارا ساتھی کہاں ہے مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ میری ہجو کرتا ہے۔ بخدا اگر میں اسے پاگئی تو اسے پتھر دے ماروں گی۔ دیکھو میں بھی شاعرہ ہوں۔ پھر اس نے یہ شعر کہے:

مُذمماً عصينا و امرهٗ اَبَينا و دينهٗ قلَينا

''ہم نے مذمم کی نافرمانی کی، اس کے امر کو تسلیم نہ کیا، اور اس کے دین کو نفرت اور حقارت سے چھوڑ دیا'' (معاذاللہ)

اس کے بعد وہ واپس چلی گئی۔ ابوبکرؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ کیا اس نے آپ کو دیکھا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا نہیں اس نے مجھے نہیں دیکھا، اللہ نے اس کی نگاہ پکڑلی تھی۔ ۳۵

ردِّ عمل

بت پرستی کا ابطال

نبوت کے اعلان کے بعد اگرچہ مکہ کے باسیوں تک اس نئی خبر کی اطلاع پہنچ چکی تھی۔ وہ اپنی جگہ حیران وششدر بھی تھے لیکن انہوں نے طنز واستہزا سے آگے بڑھ کر اس دعوت اور اس پر ایمان لانے والوں کی راہ ابھی نہ روکی تھی کہ یکایک آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا:

﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ﴾

(الحجر ۱۵: ۹۴)

"آپ کو جو حکم ملا ہے اسے کھول کر بیان کر دیجیے اور مشرکین سے رخ پھیر لیجیے"

اس کے بعد آپؐ نے شرک اور بت پرستوں کا پردہ چاک کرنا شروع کر دیا۔ ان تمام خرافات کو واشگاف الفاظ میں بیان کیا جو قریش میں بالخصوص اور مشرکین عرب میں بالعموم رائج تھیں۔ یہ وہ نقطۂ آغاز تھا جب حق وباطل کے درمیان ایک کشاکش شروع ہو گئی۔ ایک ایسی جنگ جس نے دونوں اطراف کے صبر واستقامت، پامردی اور استقلال کو آزمانا شروع کر دیا۔ ابتداً طنز واستہزا سے شروع ہونے والی یہ نوک جھونک آہستہ آہستہ زور پکڑتی رہی۔ گالی گلوچ تک بات پہنچی۔ جب اس پر بھی صبر کیا گیا اور مشرکین کے خلاف ان جیسی زبان استعمال نہیں کی گئی تو وہ اور چڑ گئے اور زور زبردستی شروع ہوئی۔ زیردستوں، غلاموں اور نچلے طبقے سے مسلمان ہونے والوں پر تو کوڑوں کی بارش ہوئی، بھوک پیاس سے دوچار کیا گیا تعذیب اور تشدد کے تمام معلوم اور رائج

Marfat.com

طریقے استعمال کیے گئے۔ حضرت بلال بن رباحؓ، خباب بن الارتؓ، حضرت عمار یاسرؓ اوران کے والدین اوراسی طرح کے دوسرے لوگ ظلم وجور کی اس کیفیت میں حوصلے اور صبر کے ساتھ رب کی بندگی پر موجود رہے۔ یاسر تعذیب کی تاب نہ لاکر فوت ہوئے ان کی اہلیہ سمیہؓ کو ابوجہل نے برچھا مار کر شہید دیا۔ اس طرح انھیں راہِ خدا میں پہلی شہید ہونے کا اعزاز ملا۔

انہی دنوں کا واقعہ ہے کہ مسلمان مکہ کی کسی گھاٹی میں نماز پڑھ رہے تھے کہ مشرکین میں سے کچھ لوگوں نے دیکھ لیا۔ انہوں نے برا بھلا کہنا شروع کیا۔ تکرار تک نوبت پہنچ گئی۔ چناں چہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ایک ہڈی کھینچ کر ایک مشرک کے سر میں ماری جس سے اس کا سر پھٹ گیا اور خون نکل پڑا۔ یہ وہ پہلا خون ہے جو اسلام کی راہ میں بہایا گیا۔۳۶

قریش ابوطالب کے پاس

ابنِ اسحاق کے مطابق اِنہی حالات میں جب آزمائش کی بھٹی ابھی گرم ہورہی تھی قریش نے ابوطالب کے پاس جا کر شکایت کی کہ آپ کا بھتیجا ہمارے خداؤں کو بُرا بھلا کہتا ہے؛ آباؤاجداد کے دین میں عیب نکالتا ہے؛ ہمیں احمق اور بے وقوف بتاتا ہے لہٰذا آپ انھیں روکیں۔ جواب میں ابوطالب نے ان سے نرم بات کہی......انھیں ٹالا اور بھلے طریقے سے رخصت کردیا۔ جب کہ رسول اللہ ﷺ اپنے سابقہ طریقے پر رواں دواں رہے۔

ایک اور تدبیر

اِنہی دنوں قریش نے باہمی مشورے سے ایک اور تدبیر اختیار کی۔ حج کا زمانہ قریب تھا۔ قریش کو خطرہ لاحق ہوا کہ باہر سے آنے والے قبائل اس دعوت سے آگاہ ہو گئے تو مسئلہ بہت بڑھ جائے گا۔ چناں چہ انھوں نے آپس میں سر جوڑے تاکہ باہر سے آنے والے لوگوں کو پہلے ہی سے اس خطرے سے آگاہ کر دیں لیکن مسئلہ یہ تھا کہ لوگوں سے کہیں تو کیا کہیں ...... الزام لگائیں تو کیا ہو...... چناں چہ وہ سب ولید بن مغیرہ کے پاس جمع ہوئے اور اس سے مشورے کے طالب ہوئے۔

ولید نے کہا کہ اس (محمدؐ) کے بارے میں تم سب ایک ہی رائے اختیار کر لو تاکہ طرح طرح کی باتیں نہ بنیں بلکہ سب کی زبان سے ایک ہی قسم کی بات نکلے۔ کسی نے کہا ہم کہیں گے وہ کاہن ہے۔ ولید نے کہا نہیں۔ بخدا وہ کاہن نہیں۔ ہم نے کاہنوں کو دیکھا ہے۔ اس شخص کے اندر نہ کاہنوں جیسی گنگناہٹ ہے اور نہ ان جیسی قیافہ گوئی اور تُک بندی۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ ہم کہیں گے کہ وہ پاگل ہے۔ ولید نے کہا نہیں وہ پاگل بھی نہیں۔ پاگلوں کی کیفیات ہم نے دیکھی ہیں۔ لوگوں نے کہا تب ہم کہیں گے کہ وہ شاعر ہے۔ ولید نے کہا کہ وہ شاعر بھی نہیں۔ ہمیں شاعری کی ساری اصناف معلوم ہیں۔ لوگوں نے کہا ہم کہیں گے کہ وہ جادوگر ہے۔ ولید نے کہا یہ شخص جادوگر نہیں ہے۔ ہم نے جادوگروں کو بھی دیکھا ہے۔ لوگ عاجز آ گئے۔ انھوں نے کہا، آپ ہی بتا دیجیے ہم کیا کہیں...... ولید نے کہا خدا کی قسم اس کی بات بڑی شیریں ہے۔ اس کی جڑ پائیدار ہے اور اس کی شاخ پھل دار، تم جو بات بھی کہو گے لوگ اسے باطل ہی سمجھیں گے

البتہ اس کے بارے میں قریب ترین بات یہ کہہ سکتے ہو کہ وہ ساحر ہے۔ ایسا کلام پیش کرتا ہے جو جادو ہے۔ اس سے باپ بیٹے، بھائی بھائی، شوہر اور بیوی میں پھوٹ پڑ جاتی ہے۔

اسی معاملے کے متعلق سورۃ مدثر کی یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿اِنَّهٗ فَكَّرَ وَ قَدَّرَ ○ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ○ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ○ ثُمَّ نَظَرَ ○
ثُمَّ عَبَسَ وَ بَسَرَ ○ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ○ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ﴾

(المدثر ۷۴: ۱۸ تا ۲۴)

”اس نے سوچا اور اندازہ لگایا۔ وہ غارت ہو اس نے کیسا اندازہ لگایا۔ پھر غارت ہو اس نے کیسا اندازہ لگایا، پھر نظر دوڑائی، پھر پیشانی سکیڑی اور منہ بسورا پھر پلٹا اور تکبر کیا آخر کار کہا کہ یہ نرا جادو ہے جو پہلے سے نقل ہوتا چلا آ رہا ہے“

جب یہ بات متفق علیہ ہو گئی تو حج کے زمانے میں ہر راستے پر کچھ لوگ بیٹھ گئے اور نئے آنے والوں کو اس سحر سے خبردار کرنے لگے۔ ابولہب نے تو یہ وطیرہ اختیار کیا کہ وہ نبی ﷺ کی ٹوہ میں رہتا۔ جہاں جہاں آپ تشریف لے جاتے یہ بھی پہنچ جاتا اور کہتا ان کی بات نہ ماننا یہ جھوٹا اور بددِین ہے لیکن یہ تدبیر خود قریش پر الٹ گئی۔ خود اِن ہی کی زبانی سارے بلادِ عرب تک اس نئی دعوت کی خبر پھیل گئی اور جو لوگ عقلِ سلیم رکھتے تھے انھیں اس کے بارے میں تجسس ہوتا...... اور وہ لوگ آپ سے ملاقات کرتے۔ قرآن سنتے اور بدل جاتے، حق ان پر اثر کر جاتا۔

Marfat.com

تیسرا دَور

مصائب و آلام

اسلام کے بارے میں سارے قریش کا رویّہ ایک جیسا نہ تھا۔ کچھ لوگ محض عقیدت کی بنا پر آباؤ اجداد کے دین پر قائم تھے۔ کچھ تیل اور تیل کی دھار دیکھ رہے تھے۔ البتہ کچھ بد بخت ایسے تھے جو ہاتھ دھو کر اس دعوت اور اس پر ایمان لانے والوں کے پیچھے پڑ گئے۔ ان میں سے ابولہب اور اُس کی بیوی کا ذکر گزر چکا ہے۔ ابوسفیان بھی اس صف میں شامل تھا لیکن اس کی بیوی اس سے دو ہاتھ آگے تھی، اسعد بن یغوث حارث بن قیس، ولید بن مغیرہ، امیہ بن خلف، اُبی بن خلف، عقبہ بن معیط وغیرہ پیش پیش تھے۔ ان تمام کے سرخیل گویا بدبختوں کے سردار ہونے کا ''اعزاز'' ابوجہل کو حاصل تھا۔

ان میں اکثر سردارانِ قریش تھے لٰہذا حالات میں رفتہ رفتہ تعذیب اور تشدد کا رنگ چڑھنا شروع ہوا۔ اس تشدد کا شکار آپ بھی ہوئے لیکن عزت و شرف، عالی نسبی، اور کریمانہ اخلاق کی وجہ سے کوئی شخص آپؐ پر آسانی سے ہاتھ نہیں ڈال سکتا تھا لیکن اہلِ ایمان اس تشدد کی لہر سے بری طرح متاثر ہوئے۔ ذیل میں ان مصائب و شدائد کا ہلکا سا عکس پیشِ قارئین ہے۔

حضرت عبداللہ ابنِ مسعود سے مروی ہے کہ نبی ﷺ بیت اللہ کے پاس نماز

Marfat.com

پڑھ رہے تھے جب کہ ابو جہل اور اس کے رفقاء ایک طرف بیٹھے تھے کہ اتنے میں کسی نے کہا کہ کون ہے جو فلاں جگہ سے اونٹ کی اوجھڑی لائے اور جب محمد (ﷺ) سجدہ کریں تو ان کی پیٹھ پر ڈال دے۔ اس پر قوم کا بد بخت ترین آدمی عقبہ بن ابی معیط گیا اور اوجھ لا کر انتظار کرنے لگا۔ جب نبی ﷺ سجدے میں تشریف لے گئے تو اسے آپؐ کی پیٹھ پر دونوں کندھوں کے درمیان ڈال دیا۔ میں سارا ماجرا دیکھ رہا تھا لیکن کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ کاش میرے اندر بچانے کی طاقت ہوتی۔ ابنِ مسعود کہتے ہیں اس کے بعد وہ ہنسی سے لوٹ پوٹ ہونے لگے۔ جب کہ رسول اللہ ﷺ حالتِ سجدہ ہی میں رہے۔ یہاں تک کہ حضرت فاطمہؓ نے آ کر آپؐ سے یہ بوجھ ہٹایا۔ تب آپؐ نے اپنا سر مبارک اٹھایا اور تین بار فرمایا اللھم علیک بقریش (اے اللہ تو قریش کو پکڑ لے)

امیہ بن خلف جب بھی آپ کو دیکھتا لعن طعن کرتا، آباؤ اجداد کا دین چھوڑنے پر سخت سست کہتا۔ اسی کے متعلق یہ فرمایا گیا:

﴿ وَیْلٌ لِّکُلِّ هُمَزَةٍ ﴾ (ہر لعن طعن اور برائیاں کرنے والے کے لیے تباہی ہے)

اخنس بن شریق ثقفی بھی رسول اللہ ﷺ کو ستانے والوں میں شامل تھا۔ قرآن نے اس کے کردار پر تبصرہ کیا!

﴿وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ○ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيمٍ ○ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ○ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيمٍ ﴾ (القلم ۶۸: ۱۰ تا ۱۳)

”تم بات نہ مانو کسی قسم کھانے والے ذلیل کی، جو لعن طعن کرتا ہے، چغلیاں کھاتا ہے، بھلائی سے روکتا ہے، حد درجہ ظالم ہے، بدعمل اور جفا کار ہے اور اس کے بعد بداصل بھی ہے“

ابو جہل کی ایک کارروائی کا حال تو گزر چکا ہے۔ نیز آلِ یاسر پر جو ظلم اس نے ڈھائے

Marfat.com

ان کا ذکر بھی ہو چکا ہے۔

آپ کے علاوہ دیگر مسلمانوں کا حال بہت ہی نازک تھا۔ اچھے اچھے قبائل کے اشراف جب ایمان سے بہرہ ور ہوئے تو ان کے اہلِ قبیلہ اور اہلِ خانہ نے ان کا ناطقہ بند کر دیا۔ حضرت عثمانؓ بن عفان کو ان کا چچا چٹائی میں لپیٹ کر نیچے سے دھواں دیتا۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے گھر والوں کو جب اسلام کی خبر ہوئی تو انہوں نے بیٹے کو خوب کوسا۔ یہاں تک کہ ان کی والدہ نے انھیں دوبارہ شرک کرنے پر مجبور کرنے کی کوشش کی اور کہا کہ میں تمہاری ماں ہوں۔ میرا حکم ماننا تمہارا فرض ہے۔

اس پر قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۖ وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ'' فَلَا تُطِعْهُمَا ﴾ (العنکبوت: ۲۹ : ۸)

''ہم نے انسان کو ہدایت کی کہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے لیکن اگر وہ تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے جس کا تجھے علم ہی نہیں تو ان کی اطاعت نہ کر۔''

حضرت مصعب بن عمیرؓ بڑی ناز و نعم میں پلے تھے، خوشبوؤں میں بسنے والے یہ نوجوان جب ایمان لائے تو گھر والوں نے دانہ پانی بند کر دیا۔ ناز و نعمت چھن گئی۔ یہاں تک کہ بدن پر لپیٹنے کے لیے بوریا تک نہ رہا لیکن جو ایمان دل میں داخل ہو چکا تھا اس کے مقابل ماں باپ کی محبت اور مال و دولت کی کثرت ہیچ ثابت ہوئی۔

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ مسجدِ حرام میں تشریف لے گئے۔ وہاں قریش کا مجمع تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اچانک کھڑے ہو کر تقریر شروع کر دی۔ لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف دعوت دی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اس طرح

Marfat.com

کسی نے علی الاعلان دعوت پیش کی ہو، مشرکین یہ تقریر سنتے ہی حضرت ابو بکرؓ پر ٹوٹ پڑے اور انھیں گرا کر پاؤں سے روندا۔ عتبہ بن ربیعہ نے ان کے منہ پر اتنے جوتے مارے کہ وہ سوج گیا۔ یہ حال دیکھ کر بنو تمیم آگے بڑھے اور ان کو چھڑا کر لے گئے۔ انھیں یہ یقین تھا کہ یہ اب مر جائیں گے۔ اس لیے وہ دوبارہ حرم میں آئے اور کہا خدا کی قسم! گر ابو بکر مر گئے تو ہم عتبہ کو جیتا نہ چھوڑیں گے۔ شام تک حضرت ابو بکرؓ بے ہوش رہے۔ جب ہوش آیا تو ان کا پہلا سوال یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے۔ اور جب اُم جمیل بنتِ خطاب کے ذریعے انھیں آپؐ کی خیریت کی اطلاع ملی تو سکون کا سانس لیا اور اسی حال میں سہارا لے کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ غمگین ہوئے؛ ان کو بوسہ دیا؛ ان کی درخواست پر آپ ﷺ نے ان کی والدہ کے لیے خصوصی دُعا فرمائی۔ وہ مسلمان ہوئیں اور ابدی آگ سے بچ گئیں۔

ابنِ اسحاق کہتے ہیں کہ ایک روز صحابہ کرامؓ نے آپس میں کہا کہ کون ہے جو با آوازِ بلند قرآن کی تلاوت کرے گا تا کہ قریش سن سکیں۔ حضرت عبداللہ ابنِ مسعودؓ تیار ہوئے۔ انھیں سمجھایا گیا کہ اُن کے ساتھ ظلم و زیادتی بھی ہو سکتی ہے۔ یہ کام اُسے کرنا چاہیے جس کا خاندان مضبوط ہو تا کہ قریش اس پر ہاتھ اٹھانے سے باز رہیں۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا یہ کام مجھے کرنے دو۔ اللہ میرا محافظ ہے۔ پھر وہ دن چڑھے حرم میں پہنچے جب کہ سردارانِ قریش موجود تھے۔ حضرت عبد اللہ ابنِ مسعودؓ نے مقامِ ابراہیمؑ پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے سورۃ رحمٰن کی تلاوت شروع کر دی۔ قریش اُن پر ٹوٹ پڑے۔ منہ پر مار مار کر اُن کا منہ سجا دیا۔ اسی حالت میں اپنے ساتھیوں کے پاس آئے اور کہا کہ آج سے پہلے خدا کے یہ دشمن میرے لیے اتنے بے وزن نہ تھے۔ اگر تم

Marfat.com

کہو تو میں کل دوبارہ یہ کلام سناؤں گا۔

انہی مظالم میں وہ واقعہ بھی ہے کہ جب حضرت خبّابؓ بن الارت مشرکین کی سختیوں سے تنگ آئے اور آ کر نبی ﷺ سے فریاد کی۔ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے دیکھا کہ آپؐ کعبے کی دیوار کے سائے میں تشریف فرما ہیں۔ میں نے حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اب تو ظلم کی حد ہو گئی ہے، آپ ہمارے لیے دعا نہیں فرماتے۔ یہ سن کر آپؐ کا چہرہ تمتما اٹھا اور آپؐ نے فرمایا تم سے پہلے جو اہلِ ایمان گزر چکے ہیں ان پر اس سے زیادہ سختیاں توڑی گئیں۔ ان میں سے کسی کو گڑھا کھود کر بٹھایا جاتا اور اس کے سر پر آرا چلا کر اس کے دو ٹکڑے کر دیے جاتے۔ اور کسی کے جوڑوں پر لوہے کے کنگھوں سے گوشت نوچا جاتا، تاکہ وہ ایمان سے باز آ جائیں۔ پھر بھی وہ ایمان سے نہ پھرتے۔ یقین جانو کہ اللہ اس کام کو پورا کر کے رہے گا، یہاں تک کہ ایک وقت آئے گا کہ ایک شخص صنعاء سے حضرتِ موت تک بے کھٹکے سفر کر سکے گا اور اللہ کے سوا اُسے کسی کا خوف نہ ہو گا۔ مگر تم لوگ جلد بازی کرتے ہو۔ ۳۷

انہی حالات میں حضرت ابو بکرؓ نے نو غلاموں اور لونڈیوں کو اُن کے آقاؤں سے خرید کر آزاد کیا اس لیے کہ یہ سب ایمان لا چکے تھے اور اس سبب سے ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے۔ جب حضرت ابو بکرؓ ان غلاموں کی آزادی پر اپنا سرمایہ صرف کر رہے تھے تو ان کے والد ابو قحافہ نے انھیں کہا کہ تم کیوں کمزور لوگوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہو؟ اگر یہ مال تم مضبوط لوگوں پر خرچ کرو تو وہ تمہارے دست و بازو بن جائیں گے۔ اس پر انھوں نے کہا کہ ابا جان میں تو وہ اجر چاہتا ہوں جو اللہ کے

ہاں ہے۔۳۸

دارِارقم

ظلم وستم کی اس بھٹی میں اہلِ اسلام کو ایک ایسی جائے قرار کی ضرورت تھی جہاں وہ مل کر بیٹھ سکیں؛ سکون سے دین کی تعلیمات پر غور وفکر کرسکیں؛ عملی طور پر تزکیہ اور تربیت کے مراحل طے کرسکیں۔ چناں چہ حضرت ارقمؓ بن ابی ارقم کا مکان جو کوہِ صفا پر واقع تھا اسے مستقر بنایا گیا۔ لوگ وہاں جاتے؛ نماز پڑھتے؛ آپس میں ایک دوسرے کو صبر وہمت کی تلقین کرتے؛ قرآن سیکھتے اور سکھاتے۔ نبی اکرم ﷺ بھی اپنے اوقات میں سے کچھ وقت اس تربیت گاہ کے لیے نکالتے۔ اس کے علاوہ آپؐ اعلانیہ دعوت وتبلیغ کے مساعی میں مصروف رہتے۔

Marfat.com

فصل چہارم

پہلی ہجرتِ حبشہ

نبوت کے چوتھے سال ظلم و جور شروع ہوا اور پھر یہ بھٹی دہکتی ہی چلی گئی۔ پانچویں سال تک مکہ کے اندر اہلِ اسلام کا رہنا محال ہو گیا۔ وہ لوگ جو کسی بارسوخ قبیلے سے تھے یا جن کے اہل خانہ کو ان کے اسلام پر اعتراض نہ تھا وہ تو کسی حد تک بچ رہے لیکن جو زیردست تھے، یا جن کے اہلِ قبیلہ اور اہلِ خانہ اُن کے خلاف تھے ان کے لیے اب مزید یہاں رہنا ممکن نہ رہا۔ اسی اثنا میں سورۃ کہف نازل ہوئی جس میں چند نوجوانوں کے ایمان لانے اور پھر غار میں پناہ گزین ہونے کا واقعہ بیان کیا گیا۔ اس میں ہجرت کی طرف اشارہ موجود تھا۔ چناں چہ آپؐ نے صحابہ کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ رجب ۵ نبوی میں کُل بارہ مردوں اور چار خواتین پر مشتمل قافلہ حبشہ کی طرف ہجرت کر گیا۔ حضرت عثمانؓ بن عفان ان کے امیر تھے۔ حضور کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ ان کے ہمراہ تھیں۔ آپ نے فرمایا حضرت ابراہیمؑ اور حضرت لوطؑ کی ہجرت کے بعد یہ اسلام کی راہ میں پہلی ہجرت ہے۔ مشرکین نے پیچھا بھی کیا لیکن لاحاصل رہا۔ اہلِ ایمان بہ حفاظت حبشہ کے ساحل پر اُتر چکے تھے۔

قرآن کی تاثیر

اسی سال رمضان میں ایک عجیب واقعہ پیش آ گیا۔ ہوا یوں کہ حضور ﷺ حرم میں تشریف لے گئے۔ وہاں قریش کا بہت بڑا مجمع تھا۔ تمام سردار موجود تھے۔ آپؐ نے یکایک کھڑے ہوکر سورۃ نجم کی تلاوت شروع کردی۔ مشرکین کے لیے یہ پہلا موقع تھا جب وہ براہِ راست آپؐ سے قرآنِ پاک سن رہے تھے۔ سارے مجمع پر سکوت طاری ہوگیا۔ قرآن کے بیان کا زور اور صاحبِ قرآن کے لہجے کا اثر جمع ہوا تو گویا ساری مجلس پر اس شاہانہ کلام کی گرفت قائم ہوگئی۔ اسی سورۃ کے آخر میں آیتِ سجدہ پر آپؐ نے سجدہ کیا تو سارے سامعین بے اختیار سجدے میں گر پڑے۔ بعد میں جب انھیں اپنی اس حرکت کا احساس ہوا تو تلملانے لگے، ایک دوسرے کو کوسنا شروع کردیا اور آخر اپنی خفت مٹانے کے لیے یہ جھوٹ گھڑا کہ محمد (ﷺ) نے دراصل ہماری دیوی دیوتاؤں کے بارے میں تعریفی آیات سنائیں۔ یعنی کہا :

تلک الغرانیق العلیٰ وان شفاعتھن لترتجیٰ

''یہ بلند پایہ دیویاں ہیں اور ان کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے''

حالاں کہ یہ افتراء تھا جو اس لیے تراشا گیا کہ جو سجدہ کرنے کی ''غلطی'' ہو چکی ہے، اس کی خفت کو مٹایا جا سکے۔ یہ جھوٹ گھڑتے ہوئے ان عقل کے اندھوں نے باقی سورۃ کے مضمون پر غور ہی نہیں کیا جس میں انھی دیوی دیوتاؤں پر شدید تنقید کی گئی ہے۔ بہ ہر حال یہ واقعہ ایک مختلف انداز سے حبشہ میں مسلمانوں تک پہنچا اور وہ یہ سمجھے کہ شاید مشرکین مکہ اسلام لے آئے ہیں چناں چہ وہ واپس مکہ کے لیے عازمِ سفر ہوئے۔ ابھی چند منزلیں دُور ہی تھے کہ ان پر حقیقتِ حال منکشف ہوگئی۔ لہٰذا کچھ وہیں سے واپس

ہوئے اور کچھ نے مکہ آ کر یہیں سکونت اختیار کر لی۔

اہلِ مکہ پہلے ہی زخم خوردہ تھے۔ مہاجرین حبشہ کی واپسی نے انھیں موقع فراہم کر دیا، چناں چہ ظلم وتشدد کی تازہ لہر دوڑ گئی۔ یہاں تک کہ نبی ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو ایک بار پھر حبشہ کی طرف ہجرت کا مشورہ دیا۔ اس دوران قرآنِ پاک کی سورۃ مریم نازل ہو چکی تھی جس میں حضرت عیسیٰ ابنِ مریمؑ کے حوالے سے روشن اور شفاف آیات اتری تھیں۔ اس کے ساتھ ہی سورۃ العنکبوب میں یہ آیت بھی اتری۔

﴿وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ق اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ (العنکبوت : ۲۹:۴۶)

''اور اہلِ کتاب سے بحث نہ کرو مگر عمدہ طریقے سے، سوائے ان لوگوں کے جو ظالم ہوں۔ اور ان سے کہو کہ ہم ایمان لائے اس چیز پر بھی جو ہماری طرف بھیجی گئی ہے اور اس چیز پر بھی جو تمہاری طرف بھیجی گئی تھی، ہمارا خدا اور تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے۔ اور ہم اس ہی کے مسلم وفرماں بردار ہیں''

یہ گویا اشارہ تھا کہ اب تمہارا اہلِ کتاب سے واسطہ پڑے گا۔ خصوصاً عیسائیوں سے لہٰذا اُنھیں پورے اعتماد سے عیسیٰ ابنِ مریمؑ سے متعلق اپنے افکار سے آگاہ کرو اور جب بھی ان سے بحث ومباحثہ کا موقع آئے تو حکمت کا دامن تھامے رہو، احسن طریقے سے انھیں اُسی اِلٰہِ واحد کی بندگی کی طرف بلاؤ جس کا واضح تصور ان کے ہاں موجود ہے۔

اس بار مہاجرین کے قافلے میں ۸۲ یا ۸۳ مرد اور ۱۸ یا ۱۹ خواتین شامل تھیں۔ مشرکین پہلے سے ہوشیار تھے لیکن مہاجرین نے زیادہ مستعدی اور ہمت کا مظاہرہ کیا نبوت کے چھٹے سال یہ قافلہ بہ امن وعافیت حبشہ کے ساحل پر اتر گیا۔ اس ہجرت سے

مشرکین میں کھلبلی مچ گئی۔ ہر گھر سے کوئی نہ کوئی فرد اس ہجرت میں شامل تھا۔ خود ابو سفیان کی بیٹی ام حبیبہؓ بھی مہاجرین میں تھیں۔ ان لوگوں کو واپس لانے کے لیے قریش نے اپنے دو سفیر نجاشی کے پاس بھیجے۔ ان میں ایک عمرو بن عاص اور دوسرے عبداللہ بن ربیعہ تھے۔۳۹

یہ سفیر بیش بہا تحائف لے کر حبشہ پہنچے اور سب سے پہلے نجاشی کے دربار میں اثر و رسوخ رکھنے والے مذہبی پیشواؤں سے ملے؛ ان کو تحائف پیش کیے اور انھیں اپنا ہم نوا بنا لیا۔ اس کے بعد وہ نجاشی کے دربار میں حاضر ہوئے اور اپنا مدعا رکھا کہ ہمارے ملک سے کچھ لوگ اپنی تہذیب، روایات اور آباؤ اجداد کے دین سے بغاوت کر کے چلے آئے ہیں...... ان کے اہلِ خانہ نے ہمیں آپ کے پاس اُنھیں واپس لانے کے لیے بھیجا ہے۔ نجاشی نے معاملے کی تہہ تک پہنچنے کے لیے مہاجرین کو اپنے دربار میں طلب کر لیا۔ اس پر مہاجرین نے یہ طے کیا کہ چاہے جو کچھ ہو جائے ہم حق ہی کہیں گے۔ حضرت جعفرؓ بن ابی طالب نے اس وفد کے متکلم کی حیثیت سے نجاشی سے بات کی۔ نجاشی نے پوچھا یہ تم کون سے نئے دین میں داخل ہو گئے ہو، جب کہ تم نے میرا دین بھی قبول نہ کیا، اس پر حضرت جعفرؓ نے نجاشی کے سامنے عرب کے اخلاقی اور معاشرتی حالات رکھے۔ نبی ﷺ کی بعثت اور اس کے نتیجے میں آنے والی تبدیلی کا ذکر کیا اور ان مظالم کی طرف اشارہ کیا جو اہلیانِ اسلام پر مشرکین کی طرف سے ڈھائے جا رہے تھے اور کہا ہم تیری مملکت میں اس لیے آئے ہیں کہ ہمیں امید ہے کہ یہاں ہم پر ظلم نہ ہو گا۔ اس پر نجاشی نے کہا وہ کلام جو تمھارے پاس ہے وہ ہمیں سناؤ۔ جواب میں حضرت جعفرؓ نے سورۃ مریم کی ابتدائی آیات تلاوت کیں۔ اس پر نجاشی اس قدر رویا کہ اس کی داڑھی

Marfat.com

تر ہو گئی، اسی وقت اس نے مشرکین کے وفد کو واپس بھیج دیا اور کہا کہ یہ لوگ جب تک چاہیں یہاں رہ سکتے ہیں۔

حضرت ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ عبداللہ ابنِ ربیعہ ہمارے بارے میں کچھ نرم تھا اور چاہتا تھا کہ ہماری جان بچ جائے مگر عمرو بن عاص نے کہا خدا کی قسم میں کل وہ بات پیش کروں گا کہ ان کی جڑ کٹ جائے گی۔ اگلے روز اس نے دربار میں حاضر ہو کر کہا اے بادشاہ یہ لوگ عیسیٰ ابنِ مریم کے بارے میں ایک بڑی بات کہتے ہیں۔ نجاشی نے پھر مہاجرین کو طلب کیا۔ مہاجرین نے آپس کے مشورے سے اس بار بھی یہی طے کیا کہ حق ہی کہیں گے جب یہ لوگ دربار میں گئے اور نجاشی نے حضرت عیسیٰ ابنِ مریم کے متعلق دریافت کیا تو جعفرؓ بن ابی طالب نے انھیں بلا تامل کہا کہ ''وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اس کی طرف سے ایک روح اور ایک کلمہ ہیں۔ جسے اللہ نے کنواری مریمؑ کی طرف اِلقا کیا تھا''۔ یہ سن کر نجاشی نے ایک تنکا زمین سے اٹھایا اور کہا بخدا حضرت عیسیٰ ابنِ مریمؑ اس قول سے ایک تنکے کے برابر بھی نہ زیادہ تھے نہ کم'' لہٰذا مشرکین کا یہ وفد ذلیل و نامراد واپس پلٹ گیا جب کہ مسلمان امن و سکون سے رہنے لگے۔

حبش سے عیسائیوں کی آمد

مہاجرین کے اخلاق و کردار اور دعوت سے متاثر ہو کر قریباً ۲۰ عیسائیوں پر مشتمل ایک وفد نبی ﷺ سے مکہ میں آ کر ملا۔ وفد کے لوگوں نے حضور ﷺ سے مختلف سوالات کیے۔ آپؐ نے ان کو جوابات دیے۔ پھر آپ ﷺ نے انھیں اسلام کی دعوت دی اور قرآن پڑھ کر سنایا۔ یہ کلام سن کر ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ انھوں نے کلام اللہ کی

Marfat.com

تصدیق کی۔اور حضور ﷺ پر ایمان لے آئے۔جب یہ محفل برخاست ہوئی تو ابوجہل نے اس وفد کو راستے میں جالیا اور انھیں اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی لیکن وہ اس جاہل سے الجھے بغیر واپس لوٹ گئے۔اس پر قرآن میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ یُؤْمِنُوْنَ○ وَاِذَا یُتْلٰى عَلَیْهِمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ﴾ (القصص ۲۸: ۵۲ تا ۵۳)

”جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی وہ اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں جب وہ انھیں سنایا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے۔یہ واقعی حق ہے ہمارے رب کی طرف سے ہم اس سے پہلے بھی اسی دین اسلام پر تھے“

﴿وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ز سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ ز لَا نَبْتَغِی الْجٰهِلِیْنَ﴾ (القصص ۲۸: ۵۵)

”اور جب انھوں نے (مشرکین کی طرف سے) بے ہودہ بات سنی تو یہ کہہ کر اس سے کنارہ کش ہو گئے کہ ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمھارے اعمال تمھارے لیے، تم کو سلام ہے، ہم جاہلوں کا سا طریقہ اختیار نہیں کرنا چاہتے“

Marfat.com

فتح کی خوش خبری

اسی دور کا ایک بہت ہی اہم واقعہ سورۃ روم کا نزول ہے جس میں اہلِ ایمان کو دوہری خوش خبری سنائی گئی۔ایک تو رومی عیسائیوں کی ایرانیوں پر فتح اور دوسرے خود اہل ایمان کی مشرکین مکہ پر فتح کا واضح اشارہ دیا گیا۔فرمایا:

﴿الٓمّٓ○ غُلِبَتِ الرُّوْمُ○ فِیْۤ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ○ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ؕ وَیَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ○

بِنَصۡرِ اللّٰهِ ۚ يَنۡصُرُ مَنۡ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الرَّحِيۡمُ ﴾ (الروم ۳۰: ۱ تا ۵)

''ا۔ل۔م۔رومی قریب کی سرزمین میں مغلوب ہو گئے ہیں اور اپنی اس مغلوبیت کے بعد چند سال کے اندر وہ غالب آ جائیں گے۔ اللہ ہی کا اختیار ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی اور وہ دن وہ ہوگا جب کہ اللہ کی بخشی ہوئی فتح پر مسلمان خوشیاں منائیں گے۔ اللہ جس کو چاہتا ہے نصرت بخشتا ہے اور وہ بالا دست اور بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے''۔

ان آیات کا پسِ منظر یہ ہے کہ نبوت سے چند سال پہلے روم اور ایران کے مثالی تعلقات تھے کہ اچانک قیصرِ روم کے خلاف بغاوت ہوئی اور اس کے پورے خاندان کو اس سمیت قتل کر دیا گیا۔ تختِ سلطنت پر فوکاس نامی ایک شخص قابض ہو گیا۔ یہ حالات دیکھ کر کسریٰ ایران خسرو پرویز نے روم پر چڑھائی کر دی تا کہ سابقہ قیصر کے ساتھ ہونے والے ظلم کا بدلہ لیا جا سکے...... روم اس حملے کی تاب نہ لا سکا اور پے در پے شکستوں نے سلطنت کو تتر بتر کر دیا۔ یہ دیکھ کر روم کے سرکردہ لوگ افریقہ کے گورنر سے مدد کے طالب ہوئے۔ اس نے اپنے بیٹے ہرکل کو ایک بڑی فوج کے ساتھ ان کی مدد کے لیے روانہ کیا۔ اس کے آتے ہی فوکاس کو معزول کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ وہی حشر کیا گیا جو اس نے اپنے پیش رو قیصر اور اس کے خاندان کے ساتھ کیا تھا۔ یہ واقعہ ۶۱۰ء کا ہے۔ یہ وہی سال ہے جب نبی ﷺ منصبِ نبوت پر سرفراز ہوئے۔ اگرچہ فوکاس کے قتل کے بعد خسرو پرویز کا بہانہ ختم ہو چکا تھا لیکن فتح کے نشے میں بدمست کسریٰ نے اسے عیسائیت اور مجوسیت کی جنگ قرار دیا اور لڑائی جاری رکھنے کا اعلان کیا۔ ہرقل بھی ان حملوں کی تاب نہ لا سکا اور بہت سارے شہر اور علاقے ایرانیوں کے قبضے میں آتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آیا کہ عیسائیوں کا گڑھ یعنی یروشلم بھی ایران کے قبضے میں چلا گیا...... ان حالات میں دُور دُور تک قیصر کے سنبھلنے یا سلطنت کو بچانے کے

Marfat.com

امکانات نہ تھے۔ بہ ظاہر ایرانیوں کو سو فی صد غلبہ حاصل تھا۔ دوسری طرف اہلِ اسلام پر بھی ابتلا و آزمائش کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے اور ان کا مستقبل بھی مخدوش دکھائی دیتا تھا...... ان حالات میں جب یہ آیات نازل ہوئیں تو مشرکین کو طنز و استہزا کا ایک اور موقع مل گیا۔ خوب خوب طنز کیا گیا؛ جملے کسے گئے؛ طعنے دیے گئے۔ یہاں تک کہ ایک مشرک اُبی بن خلف نے حضرت ابو بکرؓ سے شرط باندھی کہ تین سال کے اندر اگر رومی غالب آ گئے تو وہ دس اونٹ دے گا۔ اس کا جب نبی ﷺ کو علم ہوا تو آپؐ نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا کہ مدتِ شرط دس سال تک بڑھا دو اور اونٹوں کی تعداد سو کر دو۔ نئی شرائط پر یہ معاملہ طے ہو گیا۔ اُدھر قیصرِ روم نے جب یہ دیکھا کہ ایرانیوں کا یہ طوفان تھمنے کو نہیں آ رہا تو اس نے اہلِ کلیسا سے سود پر قرض لے کر اپنی فوج کو منظّم کیا اور خاموشی سے اپنا لشکر لیکر پشت سے ایران پر حملہ آور ہو گیا۔ زرتشت کے مقام پر مجوسیوں کی سب سے بڑی عبادت گاہ کو تباہ کر دیا اور پھر اسے کوئی آگے بڑھنے سے نہ روک سکا۔ یہی وہ دور تھا جب بدر کے میدان میں اللہ نے اپنے بندوں کو مشرکینِ مکہ کے خلاف فتح و نصرت سے نوازا اور اپنا وعدہ پورا کیا۔ اس دوران اُبی بن خلف تو مر چکا تھا لیکن اس کی اولاد نے ہار مان لی اور شرط کے سو اونٹ حضرت ابو بکرؓ کے حوالے کر دیے۔ نبی ﷺ نے انھیں صدقہ کرنے کا حکم دیا اس لیے کہ اب جُوئے کی حرمت کا حکم آ چکا تھا۔

مکہ کے جگر گوشے

نبوت کے چھٹے سال مکہ نے اپنے جگر گوشے آغوشِ اسلام میں ڈالنا شروع کر دیے۔ سب سے پہلے حضرت حمزہؓ اسلام لائے۔ واقعہ یوں ہے کہ ایک روز کسی مقام پر

Marfat.com

حضور ﷺ اور ابوجہل کا آمنا سامنا ہوا۔ ابوجہل نے آپ کو بے تحاشا گالیاں دیں مگر آپ ﷺ نے اس کی کسی بات کا جواب نہیں دیا۔ اتفاقاً یہ سارا معاملہ ایک لونڈی دیکھ رہی تھی۔ اسی اثنا میں حضرت حمزہ شکار کھیل کر واپس آرہے تھے کہ اس لونڈی نے راہ روک کران کو ساری بات بتادی۔ چناں چہ وہ سیدھے حرم میں داخل ہوئے اور ابوجہل کو اس زور سے اپنی کمان ماری کہ اس کا سر پھاڑ دیا اور کہا کہ میں بھی اس دین پر ہوں جس پر وہ ہیں۔ تجھ میں ہمت ہے تو وہ گالیاں ذرا مجھے بھی دے کر دیکھ...... اس کے بعد حضرت حمزہؓ نبی ﷺ کے پاس پہنچے۔ کلمہ پڑھا اور مسلمان ہوگئے۔

عمر کے حق میں دعا قبول ہوتی ہے

اسلامِ حمزہؓ کا زخم ابھی مشرکین کے سینوں میں تازہ تھا کہ تیسرے ہی روز انھیں ایک اور گہرا گھاؤ لگا۔ مکہ نے اپنا ایک اور جگر گوشہ دربارِ رسالت کی نذر کر دیا تھا۔ حضرت عمرؓ ایمان لا چکے تھے۔ ان کے حالات پر نگاہ دوڑانے سے معلوم ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ اسلام اُن کے دل میں جاگزیں ہوا۔ ایک طویل عرصہ ان کے قلب و ذہن میں اسلام اور جاہلیت کی کش مکش جاری رہی اور پھر ایک دن اچانک ایک واقعہ نے ان کو اسلام کی طرف مائل کر دیا۔

حضرت عمرؓ خود فرماتے ہیں کہ اسلام لانے سے پہلے ایک روز میں رسول اللہ ﷺ کو ستانے گھر سے نکلا مگر آپ مجھ سے پہلے حرم میں داخل ہو چکے تھے۔ میں پہنچا تو آپ نماز میں سورۃ الحاقہ پڑھ رہے تھے میں آپ کے پیچھے کھڑا ہو گیا اور سننے لگا۔ قرآن کی شانِ کلام پر میں حیران ہو رہا تھا کہ میرے دل میں یکا یک یہ خیال آیا کہ یہ

Marfat.com

شخص ضرور شاعر ہے جیسا کہ قریش کہتے ہیں۔فوراً ہی حضور ﷺ کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے ﴿اِنَّہٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْم . وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِیْلاً مَّا تُؤْمِنُوْنَ﴾ ''یہ ایک رسول کریم کا قول ہے، کسی شاعر کا قول نہیں، تم لوگ کم ہی ایمان لاتے ہو'' میں نے اپنے دل میں کہا شاعر نہیں تو پھر کاہن ہے۔اسی وقت زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری ہوئے ﴿وَلَا بِقَوْلِ کَاهِنٍ قَلِیْلاً مَّا تَذَکَّرُوْن﴾ ''اور نہ یہ کسی کاہن کا قول ہے، تم لوگ کم ہی غور کرتے ہو''۔یہ سن کر اسلام میرے دل میں گہرا اتر گیا۔ ٤٠

اُمِ عبداللہ بنت ابی حثمہؓ سے روایت ہے کہ میں ہجرت (ہجرت حبشہ) کے لیے اپنا سامان باندھ رہی تھی اور میرے شوہر عامر بن ربیعہ باہر کسی کام سے گئے ہوئے تھے۔اتنے میں عمر آئے جب کہ وہ اپنے شرک پر قائم تھے اور ہم ان کے ہاتھوں بہت تکلیفیں اٹھا چکے تھے مگر اس وقت وہ کھڑے ہو کر میری مشغولیت دیکھتے رہے۔پھر کہنے لگے عبداللہ کی ماں کیا بس اب روانگی ہے؟ میں نے کہا ہاں جب تم لوگوں نے ہمیں بہت ستایا اور ہم پر ظلم کیا تو اب ہم خدا کی زمین پر کہیں نکل جائیں گے، جہاں خدا ہمارے لیے اس مصیبت سے بچنے کی کوئی راہ نکال دے۔اس پر عمر نے کہا اللہ تمھارے ساتھ ہو۔ اس وقت میں نے ان پر وہ رقت دیکھی جو کبھی نہ دیکھی تھی، ہمارے وطن چھوڑنے پر وہ غمگین ہو کر واپس چلے گئے'' ٤١

اسلام لانے کا فوری سبب

اسی ذہنی کش مکش نے آخر انھیں اس بات پر آمادہ کر دیا کہ جا کر رسول اللہ ﷺ کا کام تمام کر دیں تاکہ یہ قصہ ہی ختم ہو جائے جس نے ان کو الجھن میں

Marfat.com

ڈال رکھا ہے۔ابنِ اسحاق کے مطابق اسی ارادے سے وہ تلوار حمائل کیے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔راستے میں ان کو نعیم بن عبداللہ مل گئے،انھوں نے پوچھا کدھر کا ارادہ ہے، کہنے لگے میں اس صابی کو قتل کر دینا چاہتا ہوں جس نے قریش میں تفرقہ ڈال دیا ہے۔ہم سب کو احمق ٹھہرایا ہے، ہمارے دین میں عیب نکالا ہے اور ہمارے معبودوں کی برائی کی ہے۔نعیم نے کہا واللہ اے عمر تمھارے نفس نے تمھیں دھوکے میں ڈال دیا ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ محمدؐ کے قتل کے بعد بنی عبد مناف تمھیں زمین پر چلنے پھرنے دیں گے تم ذرا پہلے گھر والوں کی تو خبر لو ......! تمھاری بہن اور بہنوئی مسلمان ہو گئے ہیں۔حضرت عمرؓ پلٹ کر سیدھے بہن کے گھر پہنچے۔وہاں حضرت خبابؓ بن الارت موجود تھے اور ان کے پاس ایک صحیفہ تھا جس میں سورۃ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی ۔ وہ حضرت فاطمہؓ بنت خطاب کو اس کی تعلیم دے رہے تھے۔حضرت عمرؓ کی آمد پر خبابؓ گھر کے کسی حصے میں چھپ گئے جب کہ فاطمہؓ نے صحیفے کو چھپا لیا لیکن حضرت عمرؓ دروازے ہی میں قرأت سن چکے تھے۔بولے یہ کیسی دھیمی دھیمی آواز تھی جو میں نے سنی؟ حضرت فاطمہؓ اور سعیدؓ نے کہا کہ کچھ نہیں۔اس پر حضرت عمرؓ نے ان کے اسلام کے بارے میں استفسار کیا اور جب جواب ہاں میں ملا تو بہنوئی پر ٹوٹ پڑے۔بہن بیچ میں آئیں تو انھیں بھی مارا یہاں تک کہ ان کے چہرے سے خون بہنے لگا اس پر حضرت عمرؓ شرمسار ہوئے اور بولے وہ کلام جو تم پڑھ رہے تھے ذرا مجھ کو بھی دکھاؤ۔اس پر بہن نے پہلے انھیں غسل کرایا اور بعد میں سورۃ طٰہٰ پڑھنے کو دی۔پڑھتے ہی اس کا اثر ہوا۔کہا یہ تو نہایت عمدہ اور جلیل القدر کلام ہے۔یہ سنتے ہی حضرت خبابؓ اوٹ سے باہر آ گئے اور کہا اے عمر مجھے امید ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تمھارے بارے میں جو دعا کی تھی وہ

Marfat.com

پوری ہو گی ۔ میں نے کل ہی آپ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ اے اللہ ابو الحکم بن ہشام (ابو جہل) یا عمر بن خطاب کے ذریعے اسلام کی تائید فرما۔ اس پر حضرت عمرؓ نے نبی ﷺ سے ملاقات کا ارادہ ظاہر کیا۔ جب انھیں پتہ چلا کہ آپ ﷺ اہلِ ایمان کے ساتھ دارِ ارقم پر موجود ہیں تو تلوار سمیت وہیں پہنچے اور دروازے پر دستک دی۔ کسی نے دروازے سے جھانکا اور اندر جا کر اطلاع دی کہ عمر ہیں اور تلوار ہاتھ میں لیے کھڑے ہیں۔ حضرت حمزہؓ نے کہا آنے دو اگر نیک ارادے سے آئے ہیں تو ہم نیک سلوک کریں گے ورنہ انھیں کی تلوار سے ان کا کام تمام کر دیں گے۔ چناں چہ دروازہ کھولا گیا۔ وہ اندر داخل ہوئے۔ ان کے آتے ہی حضور ﷺ ان کی طرف آگے بڑھے ان کی چادر کو مٹھی میں دبا کر شدت سے کھینچا اور فرمایا ابنِ خطاب تمھیں کیا چیز یہاں لائی ہے۔ واللہ تم باز نہ آؤ گے جب تک اللہ تم پر سخت آفت نازل نہ کر دے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں ایمان لانے حاضر ہوا ہوں ۔ اس پر تکبیر کا نعرہ بلند ہوا جس کی گونج حرم میں سنائی دی۔ حضرت ابنِ مسعودؓ کا ارشاد ہے کہ ہم خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھنے پر قادر نہ تھے۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کر لیا۔٤٢

حضرت صہیب بن سنان رومیؓ کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے تو اسلام پردے سے باہر آیا، اس کی علانیہ دعوت دی گئی۔ ہم حلقے لگا کر بیت اللہ کے گرد بیٹھنے لگے۔ بیت اللہ کا طواف کرنے لگے اور جس نے ہم پر سختی کی اس کے بعض مظالم کا جواب بھی دیا۔٤٣

Marfat.com

نبی ﷺ کے قتل کی سازش

محمد ابنِ اسحاق کا بیان ہے کہ ابو جہل نے قریش کے لوگوں سے کہا کہ اے گروہِ قریش تم نے دیکھ لیا کہ محمد (ﷺ) ہمارے دین کی برائی کرنے ہمارے باپ دادا کو گمراہ کہنے، ہماری عقلوں کو بے عقلی قرار دینے میں کس قدر بے باک ہیں۔ اب میں اللہ سے عہد کرتا ہوں کہ کل میں ایک پتھر لے کر بیٹھوں گا اور جب وہ نماز میں سجدہ کریں گے تو ان کا سر کچل دوں گا۔ پھر بنی عبد مناف جو چاہیں کر لیں۔ دوسرے روز وہ اس انتظار میں بیٹھا رہا۔ حضور ﷺ تشریف لائے اور نماز میں مشغول ہو گئے۔ قریش کے لوگ بھی جمع ہوئے کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ حضورؐ جب سجدے میں گئے تو ابو جہل پتھر لے کر آگے بڑھا مگر آپؐ کے قریب پہنچ کر واپس پلٹ آیا۔ وہ سخت خوف زدہ تھا۔ رنگ اڑا ہوا۔ پتھر ہاتھ سے چھوٹ گیا...... لوگوں کے پوچھنے پر بتایا کہ جب میں آگے بڑھا تو میرے سامنے ایک زبردست اونٹ آ گیا میں نے کبھی اتنے بڑے سر اور ایسی گردن والا اونٹ نہیں دیکھا۔ وہ مجھے چباڈالنے کے لیے تیار ہو گیا۔ بعد میں حضورؐ نے فرمایا وہ جبریلؑ تھے۔

قریش کی عجیب پیش کش

ابنِ ہشام، ابنِ جریر اور دیگر مؤرخین نے لکھا ہے کہ قریش نے پے در پے کئی وفود ابو طالب کے پاس بھیجے جن کا ایک ہی مطالبہ تھا کہ محمد (ﷺ) کو اپنی دعوت سے باز رکھا جائے۔ انہی سلسلوں میں وہ نبیؐ کے قطعی جوابات سے بھی آگاہ ہو چکے تھے۔ انھوں نے ولید بن مغیرہ کے بیٹے عمارہ بن ولید کو اپنے ساتھ لیا اور ابو طالب کے پاس

Marfat.com

پہنچ گئے۔ کہنے لگے عمارہ قریش کا سب سے خوب صورت اور نام ور جوان ہے۔ اس کو اپنا بیٹا بنا لو اور اس کے بدلے اپنے بھتیجے کو جس نے تمہارے آباؤ اجداد کے دین کی مخالفت کی اور تمھاری قوم میں پھوٹ ڈال دی۔ ہمارے حوالے کر دو تا کہ ہم اسے قتل کر دیں۔ ابو طالب نے جواب دیا خدا کی قسم تم تو بہت ہی برے سودے کی طرف مجھے لا رہے ہو۔ اپنا بیٹا مجھے دیتے ہو کہ میں اسے پالوں اور میرا بیٹا مجھ سے مانگتے ہو کہ اُسے قتل کر دو۔ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔

ابو طالب کی وارننگ

یہی حالات تھے جب ہر طرف سازش کا ماحول تھا۔ نبی ﷺ کے قتل کے منصوبے بن رہے تھے کہ ایک دن ابو طالب آپ کے مکان پر تشریف لائے لیکن آپ ﷺ کو موجود نہ پایا۔ خدشہ ہوا کہ کہیں آپ ﷺ کو قتل نہ کر دیا گیا ہو۔ انھوں نے بنو ہاشم کے نوجوانوں کو اکٹھا کیا اور انھیں ہدایت کی کہ اپنے ساتھ تیز دھار کے خنجر رکھ لیں اور میرے ساتھ ساتھ حرم میں داخل ہوں۔ جس محفل میں ابو جہل ہو اس کا کوئی فرد جیتا نہ چھوڑیں۔ یہی ارادہ لے کر باہر نکلے کہ راستے میں زید بن حارثہ ملے اور حضور ﷺ کی خیریت کی اطلاع دی۔ ابو طالب اگلے روز سویرے سویرے تمام جوانوں کو لے کر پھر حرم میں داخل ہوئے اور قریش کو گزشتہ روز کی روداد سنا کر کہا کہ اگر تم نے محمد کو قتل کیا تو ہم کسی ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اس واقعے سے قریش کو اپنی حماقت کا احساس ہونے لگا اور نبی ﷺ کے بارے میں ایسی سازشوں کا دروازہ وقتی طور پر بند ہو گیا۔

مصالحت کی براہِ راست کوششیں

جب قریش کو یہ احساس ہوا کہ دعوت دبائے نہیں دب رہی بلکہ اس کا اثر ونفوذ روز بروز بڑھ رہا ہے تو انھوں نے ایک بار پھر سر جوڑے؛ مشورہ کیا کہ اس صورت حال کا کیا تدارک کیا جائے۔ بالآخر عتبہ بن ربیعہ نے آپؐ سے براہِ راست بات چیت کا ارادہ ظاہر کیا اور قریش کی منظوری کے بعد آپؐ کے پاس پہنچ گیا۔ بڑی اپنائیت سے کہا بھتیجے......! ہمارے ہاں تم کو جو عزت حاصل تھی وہ تم خود جانتے ہو......نسب میں بھی تم ایک شریف گھرانے کے فرد ہو......تم اپنی قوم پر یہ کیا مصیبت لے آئے ہو......؟ تم نے جماعت میں تفرقہ ڈال دیا ہے......ساری قوم کو بے وقوف ٹھہرایا ہے......میری بات سنو میں کچھ تجویزیں تمہارے سامنے رکھتا ہوں شاید کہ ان میں سے کسی کو تم قبول کر لو۔ آپؐ نے فرمایا کہو میں سنوں گا۔ اس نے کہا بھتیجے یہ کام اگر تم نے مال دار ہونے کی غرض سے شروع کیا ہے تو ہم تمھیں اتنا مال دیں گے کہ تم سب سے زیادہ مال دار ہو جاؤ۔ اگر بڑائی، عزت اور بادشاہی چاہتے ہو تو ہم تمھیں اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں، کوئی فیصلہ تمھارے بغیر نہیں کریں گے، اور اگر تم پر کوئی جن ہے تو ہم مل کر تمھارا علاج کرا لیتے ہیں۔ عتبہ یہ باتیں کرتا رہا اور حضور ﷺ خاموشی سے سنتے رہے۔ جب کہہ چکا تو آپؐ نے اس سے پوچھا کہ اے ابوالولید کیا سب کہہ چکے یا ابھی کچھ باقی ہے۔ اس نے کہا میں نے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا۔ آپؐ نے فرمایا اب میری سنو۔ جواب میں آپؐ نے سورۃ حم السجدہ کی تلاوت شروع کر دی۔ وہ ہاتھ پیچھے زمین پر ٹیکے غور سے سنتا رہا۔ آیت سجدہ پر آپؐ نے سجدہ کیا اور سر اٹھا کر کہا کہ یہی میرا جواب تھا۔ اب آپ

جانیں اور آپ کا کام۔ عتبہ اٹھ کر چلا گیا۔ سردارانِ قریش دور ہی سے تاک گئے۔ بولے عتبہ کا چہرہ وہ نہیں جو لے کر گیا تھا۔ پھر جب وہ آ کر بیٹھ گیا۔ لوگوں نے کہا کیا سن آئے؟ اس نے کہا بخدا، میں نے ایسا کلام سنا کہ کبھی اس سے پہلے نہ سنا تھا۔ خدا کی قسم نہ یہ شعر ہے نہ سحر ہے نہ کہانت اے اہلِ قریش میری بات مانو اور اس شخص کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ میں سمجھتا ہوں یہ کلام رنگ لا کر رہے گا۔ فرض کرو اگر عرب اس پر غالب آ گئے تو اپنے بھائی کے خلاف ہاتھ اُٹھانے سے تم بچ جاؤ گے لیکن اگر وہ عرب پر غالب آ گیا تو تمہاری ہی بادشاہی ہوگی۔ یہ سن کر سردارانِ قریش بول اٹھے ولید کے ابا تم پر بھی اس کا جادو چل گیا۔

فصل پنجم

شعبِ ابی طالب

اسلام کی دعوت کا غلغلہ بلند ہو رہا تھا، نہ صرف عرب بلکہ بیرون عرب اس پیغام کو سنا جا رہا تھا۔ نجاشی کے دربار سے مہاجرین حبشہ کو پروانۂ آزادی مل گیا تھا جب کہ مکہ کا وفد بے نیلِ مرام واپس لوٹ آیا تھا اور پھر بات یہیں تک نہ رہی بلکہ عمرؓ اور حمزہؓ کی صورت میں مکہ نے اپنے جگر گوشے دربارِ نبوت کی نذر کر دیے تھے۔ اسلام کی اس بڑھتی ہوئی قوت پر مشرکین تلملا اٹھے۔ انھیں اپنی شکست کا احساس ستانے لگا چناں چہ یہ زخم خوردہ عناصر جمع ہوئے تاکہ سر جوڑ سکیں۔ سوچ بچار کے ذریعے اپنی بچی کھچی عزت بچانے کا سبب کر سکیں۔ قتل مقاتلہ کی تجاویز پہلے ہی دم توڑ چکی تھیں۔ دھونس دھمکی بے اثر رہی تھی۔ چناں چہ اس بار سردارانِ قریش نے ایک اور راہ نکالی...... معاشی اور معاشرتی بائیکاٹ۔ اگر عرب تمدن کے تناظر میں دیکھا جائے تو یہ ان کی سب سے تباہ کن چال تھی، ایسی چال کہ جب بھی چلی گئی فریقِ مخالف گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوا۔

عرب کی معاشرت میں تنہا کسی خاندان کے لیے زندگی کا تصور بھی محال تھا۔ نہ صرف خورد و نوش کے انتظامات کے لیے اجتماعی زندگی ضروری تھی بلکہ بے آب و گیاہ صحرا میں دشمنوں کے خطرے سے محفوظ رہنے کے لیے بھی قبائل کی مضبوطی کا انحصار ان کی

Marfat.com

عددی قوت اور خاندانوں کے باہمی اتحاد پر منحصر تھا۔ یہ ان کے خیال میں وہ آخری کارڈ تھا جسے انھوں نے استعمال کیا۔ اس طرح ورقہ بن نوفل کی سات سالہ پرانی پیشین گوئی پوری ہوئی کہ اے کاش میں اس وقت تک زندہ رہوں اور تمہاری مدد کر سکوں جب قبیلے والے تمہارے دشمن ہو جائیں گے اور تمھیں گھر بار چھوڑنے پر مجبور کر دیں گے۔

یکم مُحرّم سات نبوی سردارانِ قریش نے یہ معاہدہ کیا کہ بنو ہاشم اور بنوعبدالمطلب کے ساتھ شادی بیاہ، خرید و فروخت اور میل جول کا تعلق ممنوع ہے۔ اس وقت تک کہ یہ محمد (ﷺ) کو قریش کے حوالے نہ کر دیں۔

منصور ابنِ عکرمہ نے اس معاہدہ کو تحریر کیا اور جب وہ لکھ چکا تو اسے اپنے ہاتھ میں گرانی محسوس ہوئی اور یک لخت اس کا ہاتھ بے جان ہو گیا، یہ دیکھ کر وہ چیخا اور شدتِ غم سے اس پر غشی طاری ہو گئی۔ سردارانِ قریش اس کے گرد اکٹھے ہوئے۔ اس کے ہاتھ پاؤں سہلانے لگے لیکن وقت گزر چکا تھا۔ وہ ساری زندگی اسی طرح اپاہج رہا اس معاہدہ کو بیت اللہ میں آویزاں کر دیا گیا۔ اور اس کی پاس داری پر سب قبائل نے حلف اٹھایا۔ ٤٤

ان حالات میں ابو طالب نے بنو ہاشم کو شعب ابی طالب میں سمٹ آنے کا حکم دیا اور یہ عزم ظاہر کیا کہ وہ ہر حال میں اپنے بھتیجے کی حفاظت کریں گے۔ اس دوران ابو طالب نے نبی ﷺ کی حفاظت کا بھی خصوصی انتظام فرمایا تا کہ شریر عناصر آپ ﷺ کو نقصان نہ پہنچا سکیں، یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ غیر مسلم ہاشمی بھی یہاں چلے آئے۔ صرف ابولہب خاندان سے کٹ کر مکہ میں ہی ٹھہرا رہا بلکہ ہر طرح سے مشرکین کی مدد کرتا رہا۔

Marfat.com

معاشی اور معاشرتی مقاطعہ کا یہ دور تین سال پر محیط ہے۔اس دوران حالات سنگین سے سنگین تر ہوتے گئے۔محصورین کی ایسی ناکہ بندی کی گئی کہ حالت فاقوں تک پہنچ گئی۔باہر سے تجارتی قافلے جو سامان لاتے اسے مشرکین مکہ زیادہ قیمت پر فوراً خرید لیتے اور بنو ہاشم کے لیے کچھ نہ رہتا۔اس دوران حالات ایسے ابتر ہوئے کہ محصورین کو درختوں کے پتے اور قربانی کی کھالوں پر گزارہ کرنا پڑا۔بھوک سے بلکتے بچوں اور عورتوں کی چیخ وپکار گھاٹی سے باہر تک سنائی دیتی تھی۔

ایسے ہی حالات تھے جب قرآن کریم کی یہ آیات اتریں:

﴿فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾

(سورة هود ۱۱ : ۱۱۳ تا ۱۱۵)

”پس اے نبی تم اور تمہارے ساتھ پلٹ آنے والے ساتھی راہِ حق پر ثابت قدم رہو۔جیسا کہ تمھیں حکم دیا گیا ہے اور بندگی کی حدود سے تجاوز نہ کرنا۔اللہ تمہارے ہر عمل سے باخبر ہے۔ اور ان ظالموں کی طرف ذرا بھی نہ جھکنا ورنہ جہنم کی لپیٹ میں آجاؤ گے اور تمہیں کوئی ایسا مددگار میسر نہ ہوگا جو تمہیں خدا سے بچا سکے۔اور تمہیں کہیں سے مدد نہ پہنچے گی۔اور نماز قائم کرو دن کے دونوں سروں پر اور کچھ رات گزرنے کے بعد بھی۔درحقیقت نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔یہ ایک یاددہانی ہے ان لوگوں کے لیے جو خدا کو یاد رکھنے والے ہیں اور اے نبی صبر کرو (اور یقین رکھو کہ) اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا“

یہ محاصرہ صرف حرام مہینوں میں کھلتا۔محصورین اِن ایام میں باہر آتے !

Marfat.com

ضرورت کی اشیاء لے جاتے اور خوراک کا سامان بہم پہنچاتے ...... حرام مہینوں کے علاوہ بھی چند نرم دل لوگ چھپ چھپا کر کچھ چیزیں گھاٹی میں پہنچا آتے ۔ انہی میں حکیم بن حزام بھی تھے جو اپنی پھوپھی (حضرت خدیجہ) کے لیے گیہوں لے جایا کرتے۔ ایک رات ابوجہل نے انہیں جالیا اور غلہ روکنے پر اڑ گیا لیکن ابوالبختری نے مداخلت کی اور یہ معاملہ رفع دفع ہو گیا۔45

ان حالات میں تین سال گزر گئے ۔ محرم ۱۰ نبوی میں یہ محاصرہ ختم ہوا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ قریش میں شروع سے ایسے لوگ موجود تھے جو اس معاہدہ پر راضی نہ تھے ، رفتہ رفتہ ان کی قوتِ برداشت جواب دیتی چلی گئی اور بالآخر انہوں نے مزاحمت کا فیصلہ کر لیا۔ اس کارِ خیر کی ابتدا کا سہرا قبیلہ بنو عامر کے ہشام بن عمرو کے سر ہے ۔ یہ زہیر بن ابی امیہ مخزومی کے پاس پہنچا (یہ ابوطالب کا بھانجا تھا) اور اس سے کہا کہ زہیر کیا تمھیں یہ گوارا ہے کہ تم تو مزے سے کھاؤ پیو اور تمھارے ماموں کا وہ حال ہو جو تم جانتے ہو اس نے جواب دیا افسوس لیکن میں اکیلا کیا کر سکتا ہوں ۔ ہاں اگر میرے ساتھ کوئی اور ہوتا تو میں اس صحیفے کو پھاڑنے کے لیے یقیناً اُٹھ پڑتا۔ اس پر ہشام بن عمرو نے اسے یہ بتایا کہ میں تمھارے ساتھ ہوں ۔ دونوں نے تیسرے ساتھی کی تلاش شروع کی ۔ پھر ہشام مطعم بن عدی کے پاس گیا اور اسے ملامت کی ۔ مطعم نے بھی وہی بات کی جو زہیر نے کہی تھی ۔ اس پر ہشام نے اسے اپنے اور زہیر کے ارادوں سے آگاہ کر کے اپنے ساتھ ملا لیا۔ اب چوتھے کی تلاش شروع ہوئی چناں چہ ہشام بن عمرو ابوالبختری بن ہشام کے پاس گیا اور اسے بھی اعتماد میں لے لیا۔ پانچواں شخص جو اس گروہ میں شامل ہوا وہ زمعہ بن اسود

Marfat.com

بن مطلب بن اسد تھا۔......آپس میں مشاورت ہوئی۔زہیر نے کہا کہ میں اس معاہدے کے خلاف ابتدا کروں گا۔صبح ہوئی تو سب لوگ حسبِ معمول اپنی اپنی محفلوں میں بیٹھے تھے۔زہیر آیا۔بیت اللہ کا طواف کیا پھر لوگوں سے مخاطب ہوا۔ مکے والو! کیا ہم کھانا کھائیں، کپڑے پہنیں اور بنو ہاشم تباہ و برباد ہوں۔نہ ان کے ہاتھ کچھ بیچا جائے نہ ان سے کچھ خریدا جائے۔خدا کی قسم میں نہیں بیٹھ سکتا جب تک اس ظالمانہ معاہدہ کو چاک نہ کردوں۔

ابو جہل جو وہیں کہیں موجود تھا لپک کر بولا تم غلط کہتے ہو، خدا کی قسم اسے نہیں پھاڑا جاسکتا اس پر زمعہ نے کہا خدا کی قسم تم زیادہ غلط کہتے ہو۔اس معاہدہ پر ہم راضی نہ تھے، ابوالبختری نے بھی تائید کی۔ہشام بن عمرو نے بھی تائید کی، یہ ماجرا دیکھ کر ابو طالب نے (جو نبی ﷺ کی یہ بشارت سن کر کہ اللہ تعالیٰ نے کیڑوں کے ذریعے معاہدہ تلف کر دیا ہے۔ بیت اللہ آئے تھے) قریش کو مخاطب کیا اور کہا کہ معاہدہ کی دستاویز نکال کر دیکھ لو اگر وہ سلامت ہوئی تو جو چاہو کرنا اور اگر وہ تلف ہو چکی ہو تو پھر اس مقاطعہ سے باز آجاؤ۔

سب نے کہا آپ انصاف کی بات کرتے ہیں۔مطعم بن عدی صحیفہ نکالنے کے لیے اٹھا۔کیا دیکھتا ہے کہ واقعی کیڑوں نے اس کا صفایا کر دیا ہے۔

صرف بِاسْمِکَ اَللّٰھُمَّ باقی رہ گیا۔اس کے بعد مقاطعہ ختم ہوگیا؛ بنو ہاشم اپنے گھروں کو لوٹ آئے لیکن مشرکین کا رویّہ بدستور وہی رہا۔

قریش کا آخری وفد ابو طالب کے پاس

ابنِ اسحاق کے مطابق کبر سنی اور شعبِ ابی طالب کی سختیوں کی وجہ سے ابوطالب بیمار پڑ گئے تو قریش کو خیال گزرا کہ ابوطالب کی زندگی میں ہی محمد (ﷺ) کے ساتھ کوئی راہ نکال لینی چاہیے۔ چناں چہ سردارانِ قریش میں سے عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابو جہل بن ہشام، اُمیہ بن خلف، ابوسفیان بن حرب ابوطالب کے پاس جا پہنچے اور کہا کہ ابوطالب! تمہارا اب آخر وقت ہے اور تمہارا جو مرتبہ ہم سمجھتے ہیں وہ تم پر ظاہر ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ تم اپنے بھتیجے سے ہمارے بارے میں وعدہ لو اور ہم سے ان کے بارے میں عہد لو تا کہ نہ وہ ہم سے اور ہمارے دین سے سروکار رکھیں اور نہ ہم ان سے اور ان کے دین سے کوئی تعرض کریں۔ ابوطالب نے جو اس معاملے پر پہلے ہی رنجیدہ اور پریشان تھے۔ رسول ﷺ کو بلایا اور کہا کہ اے میرے بھائی کے بیٹے یہ تمہاری قوم کے اشراف اس لیے جمع ہیں کہ تم سے (پرامن بقائے باہمی کا) معاہدہ کریں۔ اس پر رسول ﷺ نے فرمایا۔ اے چچا بہتر ہے کہ ایک کلمہ یہ پڑھ لیں اس کے سبب سے تمام عرب کے یہ مالک ہو جائیں گے اور تمام عجم میں انہی کا دین پھیلے گا وہ کلمہ ہے لا اِلٰہ اِلا اللہ۔ اس پر تمام سردارانِ قریش نے تالیاں بجائیں اور کہا اے محمدؐ بڑے تعجب کی بات ہے کہ تم نے سب خداؤں کا ایک خدا کر دیا۔ پس پھر آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ یہ تمہاری بات نہ مانے گا، چلو اور اپنے آبائی دین پر قائم رہو،

Marfat.com

آخری لمحات

پھر ابو طالب نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ اے فرزند......! میں یہ دیکھتا ہوں کہ تم نے ان سے کوئی بے جابات نہیں کی۔ یہ سن کر آپ کو ابو طالب کے ایمان لانے کی امید پیدا ہوئی اور آپؐ نے فرمایا اے چچا آپ ہی یہ کلمہ پڑھ لیجیے تا کہ قیامت کے دن میں آپ کی شفاعت کرسکوں۔ ابو طالب نے کہا کہ فرزند اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ لوگ کہیں گے کہ ابو طالب نے موت کے خوف سے یہ کلمہ کہا ہے تو میں ضرور کہہ لیتا۔ پھر جب ابو طالب کے انتقال کا وقت آیا تو انہوں نے اپنی اولاد کو نصیحت کی کہ "تم جب تک محمدؐ کی بات سنتے رہو گے اور ان کے حکم کی پیروی کرو گے بہ خیریت رہو گے"

ابنِ سعد نے امام محمد بن سیرین کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جب ابو طالب کا انتقال ہونے لگا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو وصیت کی کہ جب میں مرجاؤں تو اپنے دادا کے ننہیال (مدینہ) چلے جانا کیوں کہ وہ اپنے گھر والوں کی حفاظت میں سب سے بڑھ کے سخت ہیں۔ آخری بات جو ابو طالب نے کہی وہ یہ تھی کہ میں عبدالمطلب کی ملت پر ہوں جب کہ ابنِ اسحاق نے حضرت عباسؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ انتقال کے وقت ابو طالب کے ہونٹ ہل رہے تھے، میں نے کان لگا کر سنا تو وہ کلمہ پڑھ رہے تھے۔ جس پر نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تو نہیں سنا۔ جناب ابو طالب کی وفات کس حالت پر ہوئی اس میں اختلاف ہے۔ البتہ ان کی جاں نثاری و فداکاری اور نبی ﷺ کے لیے محبت کا یہ تقاضا ہے کہ اہلِ ایمان ان کا احترام کریں اور ان کے لیے نازیبا کلمات زبان سے نکالنے سے احتراز کریں۔ یہی وہ بات جسے علامہ آلوسی نے یوں بیان فرمایا۔

Marfat.com

''(ابوطالب) کے ایمان کا مسئلہ اختلافی ہے...... جولوگ آپ کے ایمان کے قائل نہیں انھیں بھی یہ مناسب نہیں کہ اپنی زبان پر کوئی ناروا جملہ لے آئیں کیوں کہ اس سے حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد کو اذیت پہنچتی ہے اور کوئی بعید نہیں کہ حضور ﷺ کا دل بھی رنجیدہ ہوتا ہو۔ ہر عقل مند آدمی جانتا ہے کہ ایسے نازک مقامات پر احتیاط سے کام لینا چاہیے''۴۶

حُزن و ملال

جناب ابوطالب جو کفر و شرک کے مقابلے میں ڈھال بن کر آپؐ کی حفاظت کررہے تھے وفات پا گئے؛ گویا سر سے چھت ہی اُڑ گئی؛ دنیاوی سہاروں میں سے ایک مضبوط سہارا چھن گیا اور ابھی اس کا غم تازہ ہی تھا کہ پُرسکون اور محبت بھرے گھر کی دیواریں بھی گر گئیں...... آپ ﷺ کی رفیقۂ حیات اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ داغِ مفارقت دے گئیں۔ نبوت کے دسویں سال یہ المیہ پیش آیا...... جب ان کی عمر کا ۶۵ واں برس چل رہا تھا۔ حضرت خدیجہؓ اس کارزارِ حیات میں آپؐ کے لیے گراں قدر سرمایہ تھیں۔ انہوں نے رُبع صدی تک نرم گرم حالات میں پامردی اور استقلال کا مظاہرہ کیا؛ اپنی جان اور مال سے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خیر خواہی اور غمگساری کی۔ یہی وہ حالات تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''جس وقت لوگوں نے میرے ساتھ کفر کیا، وہ مجھ پر ایمان لائیں۔ جس وقت لوگوں نے مجھے جھٹلایا، انہوں نے میری تصدیق کی۔ جس وقت لوگوں نے مجھے محروم کیا...... انہوں نے اپنے مال میں مجھے شریک کیا اور اللہ نے مجھے ان سے اولاد دی اور دوسری بیویوں سے کوئی اولاد نہ دی''

Marfat.com

ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی مدحت میں ایک غیر مسلم سیرت نگار کونسٹن ورجیل جورجیو نے یہ الفاظ کہے۔

''حضرت خدیجہؓ ایک سچی اور بے لوث مسلمان تھیں۔ ایسے وقت میں جب کہ پیغمبرِ اسلام کے ہاتھ بالکل خالی تھے تو ان کی مالی امداد و اعانت نے اسلام کی ترقی و پیش روی میں اہم کردار ادا کیا۔ حضرت خدیجہؓ اسلام کے ابتدائی دور سے پیغمبر اسلام کی غمگسار اور رفیقۂ جاں نثار تھیں جنھوں نے آپ کا قدم بہ قدم ساتھ دیا۔ جب محمد (ﷺ) پر پتھروں کی بارش ہوتی، خدیجہؓ آگے بڑھ کر آپ کو سہارا دیتیں؛ آپ کے زخموں کو دھوتیں؛ کپڑے تبدیل کرواتیں اور دکھ بانٹتی تھیں''۔ ۴۷

رسول اللہ ﷺ اس سال کو عام الحزن (یعنی غم واندوہ کا سال) فرمایا کرتے تھے۔ ان دونوں حادثات کے بعد ایک طرف تو جذباتی طور پر حضور اکرم ﷺ پر غم کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑا تو دوسری طرف مکہ کے اندر آپؐ کی پوزیشن بھی یکسر تبدیل ہوگئی۔ اب تک بنی ہاشم کی سربراہی جناب ابوطالب کے ہاتھ میں تھی۔ چناں چہ قریش آپؐ کے خلاف براہِ راست کارروائی سے باز رہے لیکن اب یہ قیادت ابولہب کے ہاتھ آگئی جس کی اسلام دشمنی کسی سے پوشیدہ نہیں تھی۔ چناں چہ اب وہ ظاہری رکاوٹ بھی نہ رہی جس نے قریش کو نبی ﷺ پر ہاتھ اٹھانے سے روک رکھا تھا۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر قریش کے اوباش غنڈے بڑے جری ہوگئے۔ ابنِ اسحاق نے عروہ بن زبیر کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک روز قریش کے ایک اوباش لونڈے نے سرِ بازار نبی ﷺ کے سرِ مبارک پر مٹی ڈال دی۔ آپؐ اسی حال میں گھر تشریف لائے۔ صاحبزادیوں میں سے

Marfat.com

کسی ایک نے آپ ﷺ کا سرِ مبارک دھویا اور روئے جارہی تھیں ۔ایسے میں حضور ﷺ نے انھیں تسلی دی فرمایا ''رونہیں بیٹی ......! اللہ تیرے باپ کے ساتھ ہے''۔ اس سے پہلے جب بھی نبی ﷺ پر سخت وقت آیا، اپنی قوم نے آپ کو پریشان کیا تو آپ ﷺ کی رفیقۂ حیات آپ کی دِل داری کے لیے موجود ہوا کرتیں؛ آپ ﷺ کا غم ہلکا کرتیں......لیکن آج اُن سے بھی گھر خالی تھا۔

Marfat.com

فصل ششم (چوتھا دور)

دعوت کی کرنیں مکہ سے باہر

سفرِ طائف

حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کامل دس برس تک مکہ میں صبر واستقلال سے دعوت اِلی اللہ کا فریضہ سرانجام دیا۔ مکہ کے اندر جتنا کچھ خیر تھا۔ وہ نکھر کر سامنے آچکا تھا۔ جب کہ مشرکین کی عداوت اور سرکشی بھی اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ انہی حالات میں نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے توسیعِ دعوت کے لیے مکہ سے باہر جانے کا ارادہ فرمایا۔ اس سلسلے میں آپ کی پہلی نظرِ انتخاب طائف پر پڑی۔

عموماً سیرت نگاروں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ نبی ﷺ وادیٔ مکہ سے مایوس ہو چلے تھے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے دعوت کے لیے نئے مستقر کی تلاش شروع کی اور اسی غرض سے آپ ﷺ نے طائف کا سفر اختیار فرمایا۔ یہ بات عقلاً درست معلوم نہیں ہوتی اس لیے کہ طائف کوئی الگ تھلگ جزیرہ نہ تھا بلکہ مکہ سے ایک سو بیس کلومیٹر کے فاصلے پر ایک پہاڑی مقام تھا۔ اپنی آب وہوا، زرعی پیداوار، باغات اور ٹھنڈے موسم کی وجہ سے رؤساءِ مکہ نے بھی یہاں اپنے لیے مساکن تعمیر کر رکھے تھے۔ اس شہر پر رؤساءِ مکہ کا اچھا خاصا رسوخ تھا۔ ان حالات میں ناممکن ہے کہ اسلام اور محمد ﷺ کے خلاف پروپیگنڈے کا اثر یہاں نہ ہوا ہو۔ ان کا طرزِ عمل اسی نفرت کو ظاہر کرتا ہے جو پہلے سے ان کے

Marfat.com

دل ودماغ میں موجود تھی......

سوال کیا جا سکتا ہے کہ نبی ﷺ نے پھر کیوں یہ سفر اختیار کیا؟ اس کا جواب سادا اور سیدھا ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے نبی تھے، آپؐ شاہد بھی تھے اور نذیر بھی۔ شہادت علی الناس کا فریضہ سرانجام دینے کے لیے؛ لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچانے کے لیے نیز ان پر اتمامِ حجت کے لیے آپ نے یہ خطرناک سفر کیا اور باوجود اس اطلاع کے کہ وہ ایک مخالف ماحول ہے۔ ایسا ہی مخالف جیسا کہ مکہ...... آپ نے یہ ضروری سمجھا کہ رب کا پیغام ان تک پہنچا دیا جائے چاہے اس کی قیمت کچھ ہی کیوں نہ ادا کرنی پڑے۔

نبوت کے دسویں سال شوال میں (جنوری، فروری ۶۲۰ء) آپ نے طائف کا قصد کیا۔ ابنِ اسحاق کے مطابق آپ تنہا تھے اور پیادہ یہ سفر کیا۔ ابنِ سعد کے مطابق زید بن حارثہ آپ کے ساتھ تھے۔ یہاں پہنچ کر آپؐ نے رؤساءِ طائف سے رابطہ قائم کیا۔ خصوصاً تین سرداروں کے ساتھ ہونے والی گفتگو کو تاریخ نے ریکارڈ کیا ہے۔ یہ آپس میں بھائی تھے ان کے والد کا نام عمرو بن عمیر ثقفی تھا۔ آپؐ نے ان کے سامنے توحیدِ باری، رسالت اور آخرت کی تعلیمات رکھیں جس کے جواب میں ایک نے کہا: ''اگر اللہ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے تو گویا میں نے غلاف کعبہ کو پارہ پارہ کر دیا ہے''۔ ایک اور نے بدتہذیبی کا مظاہرہ کیا: ''کیا تمھارے بغیر اللہ کو کوئی اور نظر نہیں آیا جسے رسول بنا سکے''۔ تیسرے نے منطق جھاڑی: ''بخدا میں آپ سے ہرگز بات نہ کروں گا۔ اگر آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں تو یہ آپ کی بے ادبی ہے (کہ میں بات کروں) اور اگر آپ جھوٹے ہیں (معاذ اللہ) تو یہ میری شان کے خلاف ہے کہ آپ سے بات کروں''۔

بات یہیں پر نہیں ٹھہری بلکہ طائف کے اوباش لونڈوں اور شریر بچوں کو

Marfat.com

آپ ﷺ کے درپے کر دیا گیا، جو مغلظات بکتے، شور شرابہ کرتے اور پتھروں سے مارتے جاتے۔ اس طوفانِ بدتمیزی کا مقابلہ کرتے کرتے آپ چُور ہو گئے۔ نعلینِ مبارک خون سے لتھڑ گئے تو آپ ﷺ نے ایک باغ میں پناہ لی؛ ذرا دم لیا؛ سانسیں بحال ہوئیں تو اپنے رب کی طرف متوجہ ہوئے۔ دعا کے وہ الفاظ آج بھی سیرت کی کتابوں میں جگمگا رہے ہیں۔

''میرے مولا!
میں تجھ سے شکوہ کرتا ہوں
اپنی کم زوری و بے بسی پر
لوگوں کے نزدیک اپنی بے قدری پر
اے ارحم الراحمین!
تو کمزوروں کا رب ہے
تو ہی میرا بھی رب ہے
تو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے؟
کیا کسی بے گانے کے جو میرے ساتھ تندی سے پیش آئے؟
یا کسی دشمن کے جس کو تو نے میرے معاملے کا مالک بنا دیا ہے؟
لیکن! اگر مجھ پر تو ناراض نہیں، تو کوئی پروا نہیں
تیری عافیت میرے لیے بڑی کشادہ ہے
میں تیرے چہرے کے نور کی پناہ میں آتا ہوں
جس سے تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں
جس سے دنیا اور آخرت کے معاملات سدھر جاتے ہیں
(میں تیری پناہ میں آتا ہوں) کہ تو مجھ سے ناراض ہو
مجھے تو تیری رضا ہی چاہیے، یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے۔
تیری ذات کے علاوہ میرے پاس نہ طاقت ہے نہ قوت'' 48

Marfat.com

جس باغ میں آپ نے پناہ لی تھی یہ ربیعہ کے بیٹوں عتبہ اور شیبہ کا تھا۔ اتفاقاً یہ بھی وہیں موجود تھے۔ قرابت کی حس ان میں بیدار ہوئی۔ چناں چہ اپنے ایک غلام عداس کے ہاتھ نبی ﷺ کے لیے تازہ انگور کا ایک گچھ بھجوایا۔ آپؐ نے ہاتھ بڑھایا اور بسم اللہ پڑھ کر انگور تناول فرمانے لگے۔ عداس نے پوچھا یہ کلام ان بستیوں والے تو نہیں کہتے۔ آپؐ نے پوچھا "تم کس ملک کے رہنے والے ہو" اس نے عرض کی "میں نصرانی ہوں اور نینوا کا باشندہ ہوں" آپؐ نے فرمایا "اچھا یونس بن متی کا شہر" عداس بولا "آپ اُن کو کیسے جانتے ہیں" آپؐ نے فرمایا "وہ میرے بھائی ہیں وہ بھی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں"۔ یہ سن کر عداس آداب بجالایا۔ آپؐ کے ہاتھوں اور قدموں کے بوسے لیے۔ یہ ماجرا دیکھ کر عتبہ اور شیبہ کو تاؤ چڑھا، بولے یہ تو خراب ہو گیا ہے۔ جب عداس واپس آیا تو اسے جھڑکا کہ یہ تم کیا کر رہے تھے۔ اس نے جواب دیا۔ ساری رُوئے زمین پر ان سے بہتر کوئی ہستی نہیں اس نے مجھے ایسی بات بتائی جسے نبی کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔

الغرض انہی نامساعد حالات میں آپؐ نے دعوت کا فریضہ سرانجام دے چکنے کے بعد واپسی کا قصد فرمایا۔ عرشِ عظیم کا مالک رب العالمین یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اپنے حبیب ﷺ کے لبوں سے نکلنے والی دعا بھی وہ سن چکا تھا۔ چناں چہ جوں ہی نبی ﷺ قرن الثعالب کے مقام پر پہنچے جبریلِ امین تشریف لے آئے اور عرض کیا کہ اللہ رب العالمین نے پہاڑوں کے فرشتے کو ساتھ بھیجا ہے اگر آپ حکم فرمائیں تو دونوں پہاڑوں کو آپس میں ملا دوں اور یہ سب پس کر رہ جائیں۔ رحمتِ دو عالم ﷺ نے فرمایا:

"میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ایسی اولاد پیدا کرے گا جو اللہ کی عبادت کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے"۔ ۴۹

Marfat.com

واپسی، جنات کا قرآن سننا، مکہ میں ورود

طائف سے واپسی پر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام چند روز کے لیے بطن نخلہ میں ٹھہرے۔ طبیعت ابھی مکدر تھی؛ طائف کا شور وشغب ابھی تازہ تھا اور یہ معاملہ صرف طائف ہی کا نہ تھا۔ گذشتہ دس برس انہی حالات میں گزرے تھے۔ قریش کا جمِ غفیر عداوت کی انتہاؤں پر پہنچ چکا تھا۔ ایسے حالات میں طبیعت تنہائی کی طرف مائل ہو ہی جایا کرتی ہے۔ چناں چہ آپ ﷺ نے تنہائی کے یہ چند روز غور وتدبر اور مراقبے میں گزار دیے۔ اِسی دوران ایک رات جب آپؐ نماز میں سورۃ رحمٰن کی تلاوت فرما رہے تھے، جنات کا ایک گروہ وہاں سے گزرا وہ چوں کہ دینِ موسیٰؑ کے پیروکار تھے لہٰذا فوراً پہچان گئے کہ یہ کلامِ الٰہی ہے۔ آپ ﷺ کو تو ان کی آمد اور سماعت کا احساس نہ ہوا بعد میں وحی کے ذریعے اللہ رب العالمین نے آپ کو یہ خبر پہنچائی۔

﴿وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ (احقاف ۴۶: ۲۹ تا ۳۰)

''اور جب ہم نے جنات کے ایک گروہ کو آپ کی طرف متوجہ کیا تا کہ قرآن سنیں۔ جب وہ قریب پہنچے تو (آپس میں) بولے خاموش ہو کر سنو۔ جب تلاوت ہو چکی تو وہ اپنی قوم کی طرف پلٹے انھیں متنبہ کرنے کے لیے بولے اے ہماری قوم ہم نے ایسی کتاب کو سنا جو موسیٰؑ کے بعد نازل کی گئی، تصدیق کرنے والی ہے پہلی کتابوں کی اور ہدایت دینے والی ہے حق کی طرف اور سیدھی راہ کی طرف۔''

Marfat.com

اس واقعہ سے ایک طرف تو آپ ﷺ کو خوش خبری دی گئی کہ آپ ﷺ کا دائرہ نبوت صرف بنی نوع انسان تک محدود نہیں بلکہ جنات بھی اس میں شامل ہیں۔ ساتھ ہی یہ مژدہٗ جاں فزا بھی سنایا کہ ان کا ایک گروہ نہ صرف ایمان لا چکا ہے بلکہ اپنی قوم کے اندر دعوت و انذار کا آغاز بھی کر چکا ہے۔ دوسری طرف اسی واقعہ سے یہ بات بھی ظاہر ہوئی کہ جو کلام آپ ؐ کی زبان پر جاری ہے، اس کی تاثیر غیر معمولی ہے۔ چناں چہ مشرکینِ مکہ اور اہلِ طائف کی بدسلوکی سے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ دعوت اور یہ کتاب خود لوگوں کے دِلوں میں اپنا مقام پیدا کرے گی، ان کے قلوب واذہان کو مسخر کرے گی۔ اس واقعہ نے آپ ﷺ کو تازہ دم اور بشاش کر دیا اور آپ ؐ نے مکہ واپس آنے کا قصد فرمالیا۔ سورۃ احقاف میں جہاں جنات کی سماعتِ قرآن کا ذکر ہے وہیں ان کی زبانی یہ آیات بھی مذکور ہیں کہ:

﴿یٰقَوْمَنَآ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَیُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ وَ مَنْ لَّا یُجِبْ دَاعِیَ اللّٰهِ فَلَیْسَ بِمُعْجِزٍ فِی الْاَرْضِ وَلَیْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءُ ۝ اُولٰٓئِكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾

(احقاف ۴۶: ۳۱ تا ۳۲)

’’اے ہماری قوم! اللہ کی دعوت قبول کرلو۔ اسی پر ایمان لے آؤ وہ تمہارے گناہ معاف کردے گا اور تمہیں دردناک عذاب سے بچالے گا اور جو اللہ کی دعوت قبول نہ کرے وہ زمین میں (اللہ کو) شکست نہیں دے سکتا اور اللہ کے سوا اس کا کوئی مددگار بھی نہیں۔ اور ایسے ہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں‘‘

گویا یہ اشارہ تھا اس بات کا کہ مشرکین چاہے کتنے ہی طاقت ور کیوں نہ ہو جائیں، وہ اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں۔ ان آیات سے آپ ﷺ کو قلبی سکون واطمینان نصیب ہوا۔ اِسی دوران حضرت زید بن حارثہؓ نے آپ ﷺ کو توجہ دلائی کہ ہم لوگ مکہ

Marfat.com

میں کیسے داخل ہوں گے جب کہ مشرکین ہمارے درپے آزار ہیں اور اس پر مستزاد طائف کی رُوداد ہے جو یقیناً اہلیانِ مکہ تک عتبہ اور شیبہ کی زبانی پہنچ چکی ہو گی۔ ان حالات میں نبی ﷺ نے حکمت وفراست کا مظاہرہ فرماتے ہوئے مشرکین کو بے بس کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ چناں چہ آپؐ نے اپنا قاصد یکے بعد دیگرے اخنس بن شریق، سہیل بن عمرو اور مطعم بن عدی کے پاس بھجوایا تا کہ ان کی حمایت حاصل کی جا سکے۔ اوّل الذکر دونوں نے معذرت ظاہر کر دی کہ ہم اس پوزیشن میں نہیں کہ قریش کے مقابلے میں آپ کے ساتھ کھڑے ہو سکیں۔ البتہ مطعم بن عدی نے حمایت کا یقین دلایا، اور ہتھیار بند ہو کر اپنے بیٹوں کے ساتھ پہنچ گیا۔ بیت اللہ پہنچ کر اس کے بیٹوں نے حرم کے چاروں کونے سنبھال لیے وہ خود کھڑا رہا جب کہ آپؐ نے بیت اللہ کا طواف فرمایا۔ مشرکین کے لیے یہ صورتِ حال ناگہانی تھی، اُن کا اپنا ایک بھائی ان کے خلاف کھڑا ہو گیا تھا۔ چناں چہ ابو جہل دوڑا دوڑا مطعم بن عدی کے پاس آیا اور پوچھا:

مُجِیْرٌ اَمْ تَابِعٌ"

"اے مطعم! تو نے صرف پناہ دی ہے یا اطاعت قبول کر لی ہے"۔ جب اس نے کہا کہ صرف پناہ دی ہے تو ابو جہل نے کہا "اِذاً لا تخف" پھر تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ یعنی جسے تم نے امان دیا اسے ہم نے امان دیا۔ چناں چہ نبی کریم ﷺ کی ایک حکیمانہ تدبیر نے مشرکینِ مکہ کے کھلے ہوئے ہاتھ ایک بار پھر باندھ دیے۔ اب وہ بے بس تھے اگر چہ ان کے سینوں میں نفرت وعداوت کا طلاطم برپا تھا۔

بیرونِ مکہ دعوت اور شہادت علی الناس کا جو سلسلہ طائف سے شروع ہوا تھا وہ جاری رہا، خصوصاً حج کا موسم شروع ہو چکا تھا۔ چناں چہ آنے والے وفود سے ملاقاتوں

Marfat.com

میں تیزی آ گئی۔ ابنِ اسحاق ربیعہ بن عباد سے نقل کرتے ہیں کہ ان کے باپ نے انھیں بتایا کہ میں ابھی نوجوان تھا اور اپنے باپ کے ساتھ مِنیٰ کے میدان میں خیمہ زن تھا۔ میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول ﷺ ہر قبیلہ کی قیام گاہ پر تشریف لے جاتے ہیں اور وہاں کھڑے ہو کر ان کو دعوتِ توحید دیتے ہیں۔ ان کے پیچھے پیچھے ایک بھینگا شخص تھا جس کا چہرہ بڑا چمک دار تھا اس نے عدن کا بنا ہوا جبہ پہنا ہوا تھا جب رسول اللہ ﷺ وعظ و تلقین سے فارغ ہوتے وہ زور سے کہتا اے بَنی فلاں یہ شخص تمھیں اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ تم اپنے آباؤ اجداد کے خداؤں کی بندگی چھوڑ دو۔ یہ تمھیں بدعت اور ضلالت کی طرف بلاتا ہے اس کی بات نہ ماننا۔ عباد کہتے ہیں میں نے اپنے باپ سے پوچھا یہ کون تھا......؟ بولے ابولہب تھا۔

اسراء و معراج

طائف کی گلیوں میں آپ ؐ کے خلاف جس بیہودگی کا مظاہرہ کیا گیا اس کی روداد پڑھ کر آج بھی اہلِ ایمان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس واقعے نے جہاں آپ ؐ کی قوم کو ذلت کی پستی میں اتارا وہاں آپ ﷺ کی شانِ عزیمت بھی انسانیت پر آشکار ہوئی۔ جس صبر وضبط اور کمال حوصلے کا مظاہرہ آپ ؐ نے فرمایا وہ اس کائنات میں فقط آپ ہی کو زیبا تھا۔ چناں چہ جلد ہی رب العالمین نے اپنے حبیب کو اس صبر کا نقد انعام دینے، یعنی اپنی ملاقات سے شاد کام کرنے کا فیصلہ فرمالیا۔ رسول اللہ ﷺ کو ملکوت السمٰوٰت و الارض کا مشاہدہ کرانے کے لیے عرشِ بریں پر بلالیا گیا۔

معراج کا یہ واقعہ کب پیش آیا؟ اس بارے میں اہل سیَر کے درمیان خاصا

Marfat.com

اختلاف ہے۔ راجح ومقبول بات یہی ہے کہ یہ واقعہ سفرِ طائف کے بعد نبوت کے گیارھویں سال پیش آیا۔ اس واقعے کی جو تفصیلات مستند کتابوں میں درج ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے۔

ایک رات آپؐ بیت اللہ کے احاطے میں آرام فرما رہے تھے کہ جبریل امین نے آپؐ کو خواب سے بیدار کیا اور سفرِ معراج کا مژدۂ جاں فزاء سنایا۔ آپ کو زم زم کے پاس لے جایا گیا؛ سینہ مبارک چاک کیا گیا اور قلبِ اطہر میں ایمان وحکمت بھر دی گئی۔ پھر سینہ مبارک درست کر دیا گیا۔ حرم سے باہر تشریف لائے تو براق منتظر تھا جس پر سوار ہو کر بیت المقدس تشریف لے گئے۔ وہاں جملہ انبیاء کرام نے آپؐ کا استقبال کیا اور آپؐ کی اِقتدا میں نماز پڑھی یہ گویا آپ کی نبوت اور امامت کی تصدیق تھی۔ اس کے بعد آپؐ پھر براق پر سوار ہوئے اور طبقاً طبقاً ساتوں آسمانوں سے ہوتے ہوئے سدرۃ المنتہٰی تک پہنچ گئے راستے میں پہلے آسمان پر ابوالبشر حضرت آدمؑ کو منتظر پایا۔ جب کہ ساتویں آسمان پر جناب سیدنا ابراہیمؑ کو منتظر پایا۔ سدرۃ المنتہٰی پر رب کی قربت سے فیض یاب ہوئے ۔ یہاں آپ کو پچاس نمازوں کی فرضیت کا پروانہ ملا ۔ جسے حضرت موسیٰؑ کے کے مشورے پر اور بار بار رب کے حضور حاضری پر محض پانچ تک محدود کر دیا گیا۔ گویا ادا تو پانچ نمازیں کرنا ہیں لیکن ثواب پچاس ہی کا برقرار رہے گا۔ اس کے بعد آپ کو جنت اور جہنم کے احوال سے باخبر کیا گیا۔ یہاں تک کہ آپؐ حرم مکہ میں واپس تشریف لے آئے۔ جب کہ رات ابھی کافی باقی تھی۔

واقعہ معراج پر بہت سارے اعتراضات کیے جاتے ہیں لیکن تمام اعتراضات کی نوعیت محض ممکن اور ناممکن تک محدود ہے حالانکہ انسان کے لیے ایک نہیں بے شمار کام

ناممکن ہیں لیکن امکان کا یہ سوال انسان ہی سے متعلق ہے۔ انسانوں کے رب سے متعلق نہیں۔ اس لیے کہ اگر اس کے لیے اس کائنات کی تخلیق ممکن ہے تو پھر اس کی وسعتوں کو اپنی مٹھی میں رکھنا بھی عین اسی طرح ممکن ہے۔ البتہ بعض منکرینِ حدیث نے دو ایسے اعتراضات کیے ہیں جن پر لوگ پریشان ہو سکتے ہیں۔ عصرِ حاضر کے جید عالمِ دین سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے ان کا جواب اپنی تفسیر میں دیا جو پیشِ خدمت ہے۔

''سفر معراج کی جو تفصیلات حدیث میں آئی ہیں ان پر منکرینِ حدیث کی طرف سے متعدد اعتراضات کیے جاتے ہیں۔ مگر ان میں سے صرف دو ہی ایسے ہیں جو کچھ وزن رکھتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا کسی خاص مقام پر مقیم ہونا لازم آتا ہے۔ ورنہ اس کے حضور بندے کی پیشی کے لیے کیا ضرورت تھی کہ اسے سفر کرا کے ایک مقامِ خاص تک لے جایا جاتا؟

دوسرے یہ کہ نبی ﷺ کو دوزخ اور جنت کا مشاہدہ اور بعض لوگوں کے مبتلائے عذاب ہونے کا معائنہ کیسے کرا دیا گیا جب کہ ابھی بندوں کے مقدمات کا فیصلہ ہی نہیں ہوا۔ یعنی قیامت ابھی قائم نہیں ہوئی اور لوگ پہلے ہی سزا بھگت رہے ہیں؟

لیکن دراصل یہ دونوں اعتراض بھی قلتِ فکر کا نتیجہ ہیں۔ پہلا اعتراض اس لیے غلط ہے کہ خالق اپنی ذات میں تو بلاشبہ اطلاقی شان رکھتا ہے۔ مگر مخلوق کی کمزوریوں کی بنا پر محدود وسائط اختیار کرتا ہے۔ مثلاً جب وہ مخلوق سے کلام کرتا ہے تو کلام کا وہ محدود طریقہ استعمال کرتا ہے جسے ایک انسان سن اور سمجھ سکے۔ حالاں کہ بجائے خود اللہ کا کلام ایک اطلاقی شان رکھتا ہے۔ اسی طرح جب وہ اپنے بندے کو اپنی سلطنت کی عظیم الشان نشانیاں دکھانا چاہتا ہے تو اسے لے جاتا ہے اور جہاں جو چیز

Marfat.com

دکھائی ہوتی ہے اسی جگہ دکھاتا ہے کیوں کہ بندہ ساری کائنات کو بیک وقت اس طرح نہیں دیکھ سکتا جس طرح کہ خدا دیکھتا ہے۔ خدا کو کسی چیز کے مشاہدے کے لیے کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہوتی مگر بندے کو ہوتی ہے۔ یہی معاملہ خالق کے حضور باریابی کا بھی ہے کہ خالق بذاتِ خود کسی مقام پر متمکن نہیں ہے مگر بندہ اس کی ملاقات کے لیے ایک جگہ کا محتاج ہے......

رہا دُوسرا اعتراض تو وہ اس لیے غلط ہے کہ معراج کے موقع پر بہت سے مشاہدات جو نبی ﷺ کو کرائے گئے تھے ان میں بعض حقیقتوں کو ممثل کر کے دکھایا گیا تھا۔ مثلاً ایک فتنہ انگیز بات کی یہ تمثیل تھی کہ ذرا سے شگاف میں سے ایک موٹا سا بیل نکلا اور پھر اس میں واپس نہ جا سکا، یا زنا کاروں کی یہ تمثیل کہ ان کے پاس تازہ اور نفیس گوشت موجود ہے مگر وہ اسے چھوڑ کر سڑا ہوا گوشت کھا رہے ہیں...... یہ گویا تمثیلی رنگ میں آخرت کی سزاؤں کا پیشگی مشاہدہ تھا۔" ۵۰

الغرض معراج کے اس سفر میں آپ ﷺ رب کی ملاقات سے شادکام ہوئے۔ جنت اور جہنم جیسے حقائق پر ایمان علم الیقین سے عین الیقین میں بدل گیا اور آپ ﷺ شاداں و فرحاں اپنی امت کی طرف واپس تشریف لے آئے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہجرت کی طرف اشارہ بھی موجود ہے۔ ساتھ ہی ساتھ نوزائیدہ اسلامی ریاست کے لیے بنیادی لائحہ عمل بھی موجود ہے۔ گویا یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ عزم و استقلال کا یہ سفر ایک اور مرحلے میں داخل ہونے کو ہے۔ اس قافلۂ ناتواں کا ضعف دُور ہونے کو ہے۔ ظلمتِ شب ختم ہونے کو ہے...... سپیدۂ سحر نمودار ہوا ہی چاہتا ہے۔

Marfat.com

معراج: اہلِ ایمان کے لیے شدید آزمائش

جس رات معراج ہوئی صبح سب سے پہلے آپ ﷺ نے اپنی چچازاد بہن اُمِ ہانیؓ کو یہ رُوداد سنائی، پھر باہر نکلنے کا قصد کیا۔ انھوں نے آپ کی چادر مبارک پکڑ لی اور کہا خدا کے لیے یہ قصہ لوگوں کو نہ سنایئے ورنہ آپ کا مذاق اڑانے کے لیے ایک اور شوشہ اُن کے ہاتھ آجائے گا مگر آپ یہ کہتے ہوئے باہر نکل گئے کہ میں ضرور بیان کروں گا۔ ۵۱

حرمِ کعبہ میں پہنچے تو ابوجہل سے آمنا سامنا ہوا۔ اس نے کہا کوئی تازہ خبر۔ فرمایا ہاں۔ میں آج رات بیت المقدس گیا تھا۔ کیا بیت المقدس راتوں رات ہو آئے؟ فرمایا ہاں۔ کیا قوم کو جمع کروں سب کے سامنے یہی بات کرو گے فرمایا بے شک! ابوجہل نے سب کو جمع کیا اور کہا اب کہو؟ آپؐ نے سب کے سامنے پورا قصہ بیان کر دیا۔ لوگوں نے مذاق اڑانا شروع کر دیا...... دو مہینے کا سفر، رات کے مختصر حصے میں ناممکن؟ پہلے تو ہمارا شک تھا اب یقین ہو گیا کہ تم دیوانے ہو۔

یکا یک یہ خبر مکہ میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ بعض مسلمان اس کو سن کر اسلام سے پھر گئے۔ لوگ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس پہنچے اور سوچا کہ اگر یہ بھی اسلام سے پھر جائیں تو اِس تحریک سے جان ہی نکل جاۓ گی۔ انھوں نے یہ قصہ سُنا تو کہا کہ اگر واقعی محمد ﷺ نے یہ واقعہ بیان کیا ہے تو یہ کوئی حیرت کی بات نہیں۔ ضرور سچ ہوگا۔ میں تو روز سنتا ہوں کہ آسمان سے ان کے پاس پیغام آتے ہیں اور میں ان کی تصدیق کرتا ہوں۔ پھر ابوبکرؓ حرم تشریف لائے۔ مجمع موجود تھا۔ سب کی توجہ حاصل کر کے انھوں نے نبی ﷺ سے بیت المقدس سے متعلق سوالات شروع کر دیے۔ سب کو معلوم تھا کہ نبی ﷺ

Marfat.com

کبھی وہاں نہیں گئے۔ لیکن آپؐ نے ایک ایک تفصیل بتائی جس سے مشرکین کو خاصی ضرب لگی۔ اِس لیے کہ وہاں بکثرت لوگ ایسے تھے جو بیت المقدس کا دورہ کر چکے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ ساتھ وہ بھی آپ ﷺ کے بیان کی تصدیق کرتے جا رہے تھے۔ اب لوگ آپ سے مزید ثبوت مانگنے لگ گئے۔ چناں چہ آپ نے راستے میں قافلوں کا حال سنایا۔ ایک اونٹ کے گم ہو جانے اور ایک جگہ پانی پینے کی بات بتائی۔ جب یہ قافلے مکہ پہنچے تو ان تمام باتوں کی تصدیق ہوگئی۔ اس طرح ان کی زبانیں بند ہو گئیں لیکن دل پھر بھی نہ مانے۔[۵۲]

مکّی دَور ایک جاں گسل کش مکش

سیرتِ مطہرہؐ کے اس موڑ پر جب کہ آپؐ کا دورِ نبوت ہماری آنکھوں کے سامنے ہے ہم دیکھ سکتے ہیں کہ آپؐ نے اس دین کے لیے کتنی مشقت برداشت فرمائی۔ تنِ تنہا جاہلیت اور اس پر مبنی پوری تہذیب کو چیلنج کیا اور اس کے مقابلے میں مشرکینِ مکہ نے وہ کون سا ہتھیار تھا جو آپؐ کے خلاف استعمال نہیں کیا۔ پہلے سمجھایا؛ قرابت کا واسطہ دیا؛ آباؤ اجداد کے دین کی لاج رکھنے کے لیے منت سماجت کی؛ حُسن، دھن، دولت، بادشاہت، ہر چیز کا لالچ دیا۔ جب نہ مانے اور اپنی بات پر قائم رہے تو طنز و استہزاء پر اتر آئے۔ مجنوں، دیوانہ، پاگل کی صدائیں بلند ہونا شروع ہوئیں اس سے بھی جب فرق نہ پڑا تو زور زبردستی شروع کر دی گئی۔ آپ ﷺ کو اور آپ کے ساتھیوں کو ستایا جانے لگا۔ مکہ میں ظلم و جور کا وہ بازار گرم ہوا کہ آج پندرہ صدی بعد بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ شعبِ ابی طالب میں تین سال کا مقاطعہ، طائف کے بازاروں میں پڑنے والے پتھر

اور گالیاں .... یہ ساری حکایت پڑھتے ہوئے ذہن میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ جب اللہ کے پیارے بندے، اس کے حبیب ﷺ پر یہ سب کچھ بیت رہا تھا اُس وقت اللہ کا غضب کیوں جوش میں نہ آیا۔ کیوں کوئی فرشتہ نمودار نہ ہوا جو کہ مکہ کی گلیوں میں آپؐ کی حفاظت کرتا؛ مشرکینِ مکہ کو لگام ڈالتا؛ انھیں ان کی بدتمیزی کی سزا دیتا۔ یہ سوال لے کر جب ہم قرآن کے پاس جاتے ہیں تو جواب میں انبیاء علیہم السلام کی پاکیزہ سیرت رکھ دی جاتی ہے ۔ وہ لوگ جنھیں اللہ تعالیٰ نے مختلف ادوار میں انسانیت کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے مبعوث کیا یہ گویا اپنے اپنے وقت کے قائد تھے جو اپنی اپنی قوم کی رہنمائی کرتے رہے۔ جس سے یہ اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کو بالکل فطری طریقے سے آگے بڑھایا اور منزل تک پہنچادیا۔

بات کی وضاحت کے لیے دو جلیل القدر انبیاء کی سرگزشت کافی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ اپنی مثال آپ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس اس بات پر قادر تھی کہ انھیں براہِ راست مصر کے تخت پر فائز کر دیا جائے لیکن اس رب کریم نے اپنے بندے کو شدید آزمائش سے گزار کر مصر کے تخت تک پہنچایا۔ گویا جس کنویں میں انھیں ڈالا گیا، جس بازار میں انھیں فروخت کیا گیا، جس گھر میں انھوں نے پرورش پائی اور جس جیل میں انہوں نے جوانی کے آٹھ نو سال بتائے۔ یہ سب مراحل تھے۔ سنگ ہائے میل تھے جو انھیں کشاں کشاں اپنی منزل مقصود تک پہنچا رہے تھے۔

حضرت موسیٰؑ کی سرگزشت کا مطالعہ کیجئے۔ قدرت کی حکمت کیسے کارفرما رہی ۔ فرعون نے نجومیوں کے کہنے پر بنی اسرائیل کے بچوں کا قتلِ عام شروع کرا دیا لیکن قادرِ مطلق نے یہ چال اسی پر الٹ دی اور موسیٰ نے اسی کی گود میں پرورش پانا شروع کی ۔

Marfat.com

شاہزادگی کے ماحول میں انھیں وہ خصوصیات ملیں جو ایک بااعتماد اور جرأت مند آدمی کے لیے ضروری ہیں ؛ جس میں غلامی کی رمق نہ ہو؛ جو سر اٹھا کر بات کر سکتا ہو ؛ جسے محکومیت کا نہیں بلکہ حاکمیت کا تجربہ ہو۔آپ کے بچپن اور جوانی کے یہ ماہ وسال آپ کے لیے بہترین تربیت کا باعث بنے ۔اس کے بعد مشیتِ ایزدی نے آپ کی انگلی پکڑی اور کشاں کشاں مدین کی طرف لے گئی ۔سخت ترین حالات ،خوف بھوک اور پیاس میں آپ کا یہ سفر مکمل ہوا اور پھر مسلسل آٹھ دس سال گھریلو خدمت ،کھیتی باڑی اور جسمانی مشقت کی تربیت میں گزرے۔گویا یہ اللہ کی مصلحت تھی کہ اپنے برگزیدہ بندوں کو نرم گرم حالات سے گزار کر، رنج وراحت سے دوچار کر کے دنیا پر ان کی اخلاقی برتری ثابت کردی جائے۔دنیا چشم سر سے دیکھ لے کہ یہ لوگ معمولی نہیں بلکہ غیر معمولی انسان ہیں۔

بعینہٖ یہی حالات اللہ کے آخری رسول اور اس کے محبوب بندے پر بھی گزرے ، نامساعد حالات میں جس بہادری کا مظاہرہ آپؐ نے کیا، مشکلات اور مصائب پر جو صبر اور استقامت آپؐ نے دکھائی اس نے یہ ثابت کر دیا کہ انسانی اوصاف کا یہ کمال جو آپ کو حاصل ہے نہ آپؐ سے پہلے کسی کو حاصل تھا اور نہ بعد میں کسی کو حاصل ہوگا یہی وجہ ہے کہ قرآن کو کتاب اللہ نہ ماننے والے اور اسلام کی صداقتوں کے منکر بھی یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ دنیا کی سب سے عظیم شخصیت محمد ﷺ ہیں۔

آج کے دور میں داعیانِ دین کو یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ کسی نہ کسی درجے میں انھیں بھی ایسے ہی حالات سے گزارا جائے گا اور جب تک ان کی اخلاقی برتری ثابت نہ کردی جائے ،منکرین دین پر ان کا غلبہ محض ایک خواب ہے جس کی تعبیر ممکن نہیں۔

باب چہارم

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی
الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (الصف: ٦١ : ٩)

رسالت

تشنگی جان گسل بود لاکن
کوثر و زمزم و فرات توی
دین حق از تو قائم و دائم
استقامت توی ثبات توی

Marfat.com

Marfat.com

فصل اوّل

حقیقتِ رسالت

نبوت ورسالت کے الفاظ قرآن مجید میں الگ الگ اصطلاحات کے طور پر استعمال ہوئے ہیں۔قرآن کا ارشاد ہے:

﴿وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤی اَلۡقَی الشَّیۡطٰنُ فِیۡۤ اُمۡنِیَّتِہٖ ﴾ (الحج ۲۲ : ۵۲)

''اور ہم نے تم سے پہلے جو رسول اور نبی بھی بھیجا ہے تو جب بھی اس نے کوئی ارمان کیا شیطان اس کے ارمان میں خلل انداز ہوگیا''

زمحشری اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں۔دلیل بیّنِ علی تغایر الرسول و النبی (الکشاف، ج ۳) ''یہ الفاظ نبی اور رسول کے فرق پر واضح دلیل ہیں''

نبوت ورسالت کے اس فرق کو نکات کی صورت میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ:

۱۔ انبیاء علیہم السلام صاحبانِ دعوت ہوتے ہیں۔اپنی اپنی قوم کو اور معاد پر ایمان کی دعوت دیتے ہیں۔نذیر اور بشیر کے فرائض سرانجام دیتے ہیں لیکن صاحبانِ شریعت نہیں ہوتے بلکہ اپنے ماقبل رسول کی شریعت پر خود بھی عمل پیرا ہوتے ہیں اور اپنی قوم کو بھی اسی کی دعوت دیتے ہیں۔

۲۔ انبیاء علیہم السلام کی تاریخ جو سابقہ صحف سماوی میں نیز قرآن مجید میں بیان

ہوئی اس سے یہ حقیقت مبرھن ہے کہ انبیاء اپنی اپنی قوم کو دعوت وانذار تو کرتے ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ قوم پر غالب آجائیں اور نہ صرف یہ کہ انبیاء مغلوب ہوئے بلکہ کچھ سرکش اقوام نے انبیاء کو قتل بھی کیا۔ جیسا کہ حضرت زکریاؑ، یرمیاہ نبیؑ، حضرت یحییٰؑ اور ان کے علاوہ بہت سے انبیاء یہود کے ہاتھوں قتل ہوئے جب کہ رسول کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ اسے قوم کے حوالے نہیں کیا جاتا بلکہ بعض اوقات مافوق الفطرت ذرائع سے اسے بچالیا جاتا ہے۔ چناں چہ حضرت ابراہیمؑ کو آگ سے بچایا گیا۔ حضرت موسیٰؑ کو فرعون کے چنگل سے بچایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہود کی گرفت سے بچایا اور نبی اکرم ﷺ کو قریش و یہود کی سازشوں سے محفوظ فرمایا۔ نیز صرف یہی نہیں کہ رسول کو شخصی طور پر تحفظ فراہم کیا گیا بلکہ اس کی دعوت کو بھی غلبہ عطا کیا گیا اور مخالفین پر اتمامِ حجت کے بعد یا تو عذاب الٰہی نازل ہوا یا انھیں رسول اور ان کے ساتھیوں کے ذریعے عذاب کا مزہ چکھایا گیا۔

ارشاد باری ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗۤ اُولٰٓئِكَ فِی الْاَذَلِّیْنَ۝ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ﴾

(المجادلہ ۵۸: ۲۱ تا ۲۲)

"بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل ہو کر رہیں گے۔ اللہ نے لکھ لیا ہے کہ میں اور میرے رسول بہ ہر حال غالب رہیں گے بے شک اللہ قوی و عزیز ہے"۔

ایک اور جگہ فرمایا!

Marfat.com

﴿وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا یَجِدُوْنَ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۖ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ﴾

(الفتح۔۴۸: ۲۲ تا ۲۳)

''اور اگر یہ کافر تم سے جنگ کرتے تو مغلوب ہو کر پیٹھ پھیر تے۔ پھر یہ کوئی کارساز نہ پاتے نہ مددگار۔ یہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی سنت ہے جو پہلے سے چلی آرہی ہے۔ اور اللہ کی سنت میں تم ہرگز کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے''۔

۳۔ نبی کے مقابلے میں رسول صاحبِ دعوت ہونے کے ساتھ ساتھ صاحبِ شریعت بھی ہوتے ہیں۔ یعنی اپنے ساتھ زندگی گزارنے کا وہ مکمل قانون لاتے ہیں جو اللہ کا پسندیدہ ہے۔ جس میں عبادات کا تعین ہو؛ حرام اور حلال واضح ہوں۔ خبیث وطیب کی وضاحت صراحت کے ساتھ کر دی گئی ہو۔ حقوق وفرائض متعین کر دیے گئے ہوں۔

جب بھی نیا رسول مبعوث ہوتا ہے۔ شریعت بھی اپنی لے کر آتا ہے یہاں تک کہ یہ معاملہ نبی کریم ﷺ پر آکر ختم ہوا۔ آپ خاتم الانبیاء اور ختم المرسلین ہیں۔ آپ ﷺ جو شریعت لائے وہ سابقہ شریعتوں کو منسوخ کرنے والی اور قیامت تک قابلِ عمل شریعت ہے۔

اپنے اپنے دور میں رسول اللہ شریعت الٰہی کی اقامت کے لیے ہجرت، جہاد اور اتمامِ حجت کے مراحل طے کرتے رہے۔ پھر یا تو اللہ تعالیٰ نے انھی کی زندگی میں اس شریعت کو غلبہ عطا کر دیا یا اُن کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد ان کے ساتھیوں کو یہ منظر دکھلا دیا۔

Marfat.com

یوں گویا نبی اکرم ﷺ نے بہ حیثیت نبی دعوت و انذار کا فریضہ سرانجام دیا۔ مکّی زندگی میں لوگوں کو توحید و معاد ہی کی طرف بلاتے رہے اور اس کے ردِ عمل میں قوم کی طرف سے جو کچھ بھی ہوا اس پر صبر و ثبات کا مظاہرہ کرتے رہے یہاں تک کہ فرائضِ رسالت کی ادائیگی کا وقت آن پہنچا۔ سابقہ انبیاء و مرسلین کا معاملہ تو یہ تھا کہ ان کی نبوت یا رسالت اپنی اپنی قوم تک محدود تھی نیز ہر نئے رسول کی آمد کے ساتھ سابقہ شریعت منسوخ ہو جاتی لیکن رسول اللہ ﷺ کو جمیعِ انسانیت کے لیے رسول اور نبی بنا کر بھیجا گیا۔ نیز آپ ؐ کی رسالت قیامِ قیامت تک برقرار رہنے والی ہے۔ لہٰذا آپ ؐ کو ایسی جامع شریعت عطا کی گئی جو قیامت تک ہر دور، علاقے، رنگ، نسل اور زبان کے لوگوں کے لیے قابلِ عمل ٹھہری۔ اس شریعت کی اقامت کے لیے آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی؛ جہاد کیا اور آخر میں انسانیت پر حجت تمام کر دی۔ آپ ؐ کے بعد صحابہ کرام ؓ نے دین کے پرچم کو سربلند کیے رکھا اور اس کا پیغام تین براعظموں تک پہنچا دیا۔ حق اور باطل کی یہ کش مکش آج بھی جاری ہے اور یقیناً قیامت تک جاری رہے گی۔

Marfat.com

فصل دوم

ہجرت اِلی المدینہ

(اقامت دین کی ابتدا)

ہجرت کے مباحث شروع کرنے سے پہلے یہاں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی تاریخ میں ہجرت الی المدینہ کے مقام پر غور کیا جائے اور خصوصاً اس جوہری فرق کو واضح کیا جائے جو اس ہجرت اور حبشہ کی ہجرت میں موجود ہے۔

یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ نبوت کے چوتھے سال مسلمانوں کا پہلا قافلہ حبشہ کی طرف ہجرت کر گیا۔ اس کا مشورہ خود نبی کریم ﷺ نے اہلِ ایمان کو دیا۔ غرض و غایت یہ تھی کہ مکہ میں مصائب و شدائد حد سے بڑھ چکے تھے۔ چناں چہ امن و عافیت اور سکون واطمینان کے لیے اہلِ ایمان کو حبشہ کا رخ کرنا چاہیے۔ آنے والے واقعات نے یہ ثابت کیا کہ یہ مشورہ کس قدر صائب اور بروقت تھا جس سے نہ صرف یہ کہ اہلِ ایمان کو اخلاقی و قانونی تحفظ حاصل ہو گیا بلکہ اسلام کی دعوت سمندر پار تک پہنچ گئی اور اس کے مثبت اثرات بھی رونما ہونا شروع ہو گئے۔ ساتھ ہی ساتھ مشرکین کو مسلمانوں کے مقابلے میں ذلت و خفت کا سامنا کرنا پڑا۔ نیز جس دعوت کو وہ محض کھیل تماشا سمجھ رہے تھے اس کی تاثیر اور قوت سے بھی وہ بخوبی واقف ہو گئے لیکن اس تمام دور میں جب

ظلم وعدوان کا بازار گرم تھا، صاحبِ دعوت علیہ الصلوٰۃ والسلام مکہ ہی میں قیام پذیر رہے اور سخت سے سخت حالات کا بھی صبر واستقامت سے مقابلہ کرتے رہے لیکن اس کے برعکس جب ہم ہجرت الی المدینہ کی نوعیت پر غور کرتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ یہ ہجرت ظلم وعداون سے نجات کے لیے نہیں تھی بلکہ یہ تو ایک اقدامی کارروائی تھی جس کے ذریعے شریعت محمدی کی اقامت مقصود تھی۔

بحیثیت رسول یہ آپ کا فرضِ منصبی تھا کہ دینِ حق کی اقامت کے لیے جدوجہد اور جہاد کریں اور اس کی پہلی منزل ہجرت ٹھہری۔ تاریخی طور پر یہ تصور غلط ہے کہ مدینہ جا کر مسلمان سکون وآرام سے ٹھہرے۔ انہوں نے تو پورے عرب کو چیلنج کیا۔ گویا بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈال دیا۔ مدینہ کی چھوٹی سی بستی ایک جنگی کیمپ کی صورت اختیار کر گئی جس کے چاروں طرف دشمن ہی دشمن بکھرے پڑے تھے۔ آنے والے دس سالوں میں کوئی ایک مہینہ ایسا نہیں گزرا جب کسی شریر کی سرکوبی کے لیے آپ ﷺ بذاتِ خود یا آپ ﷺ کے ساتھی باہر نہ نکلے ہوں۔ اس دوران اہلِ ایمان پر آزمائش کے وہ پہاڑ ٹوٹے جن کا تصور بھی مکی زندگی میں محال تھا۔ ایسے ہی ایک موقع پر قرآن اترا:

﴿اِذْ جَآءُوْکُمْ مِّنْ فَوْقِکُمْ وَ مِنْ اَسْفَلَ مِنْکُمْ وَ اِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ہُنَالِکَ ابْتُلِیَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِیْدًا﴾ (الاحزاب: ۳۳: ۱۱)

''یاد کرو جب دشمن تمہارے اوپر اور نیچے سے چڑھ دوڑے اور (خوف سے) آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ یہی وہ مقام تھا جب مومنین سخت طریقے سے آزمائے گئے۔ یہاں تک کہ جھنجھوڑ ڈالے گئے''۔

Marfat.com

ایسے ہی حالات میں اہلِ ایمان محض قوتِ ایمانی، آپ ﷺ کی بے مثال قیادت اور اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت سے ثابت قدم رہے۔ مصائب وآلام کے دریا عبور کیے؛ مشکلات کو انگیز کیا اور پھر اللہ کا وعدہ پورا ہوا؛ مدد آئی آپؐ اور آپؐ کے ساتھی آسودہ منزل ہوئے۔ مکہ آپؐ کے سامنے مفتوح حالت میں موجود تھا۔ کفر کی طاقت پارہ پارہ تھی۔ سردارانِ قریش کا غرور خاک میں مل گیا اور وہ خائب وخاسر اپنی قسمت کا فیصلہ سننے کے لیے کھڑے ہوئے۔ چناں چہ ہجرت الی المدینہ ابتدا ہے اسلامی انقلاب کے عملی ظہور کی۔ اس سے مسلمانوں کا ضعف دُور ہوا۔ انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ٹھکانہ ملا جس کی بدولت انہوں نے قوت حاصل کی اور دشمن سے ٹکرا گئے۔ یہی وہ اِحسان ہے جسے قرآن نے یوں بیان کیا:

﴿وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ (انفال:۸:۲۶)

"یاد کرو وہ وقت جب کہ تم تھوڑے تھے۔ زمین میں تم کو بے زور سمجھا جاتا تھا۔ تم ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں لوگ تمہیں مٹا نہ دیں۔ پھر اللہ نے تم کو جائے پناہ دی۔ اپنی مدد سے تمہارے ہاتھ مضبوط کیے اور تمھیں اچھا رزق دیا۔ شاید کہ تم شکر گزار بنو"۔

ہجرت کا اشارہ

سورۃ بنی اسرائیل کی ابتدا معراج کے ذکر سے ہوتی ہے اور معراج کے بارے میں یہ معروف ہے کہ یہ نبوت کے گیارہویں سال منعقد ہوئی۔ اس سورۃ میں آگے چل کر نبی کریم ﷺ کو ہجرت اور غلبۂ حق کا واضح اشارہ دیا گیا، چناں چہ فرمایا:

Marfat.com

﴿وَ قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ۝ وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴾ (سورۃ بنی اسرائیل ۱۷: ۸۰تا۸۱)

''اوردعا کرو کہ پروردگار مجھ کو جہاں بھی تُو لے جائے سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے بھی نکال سچائی کے ساتھ نکال اور اپنی طرف سے ایک اقتدار میرا مددگار بنا دے۔ اور (اے نبی) اعلان کردو کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، باطل تو مٹنے ہی والا ہے''۔

غور کیا جائے تو ان آیات میں تین اشارات مضمر ہیں اور یہ اشارات ایسے وقت اور حالات میں دیے جا رہے ہیں جب کہ ان میں سے کسی بات کا ادنیٰ سا امکان بھی عالمِ شہود میں موجود نہیں۔ پہلا اشارہ یہ کہ اب اس وادیٔ غیر ذی ضرع کو چھوڑنا ہے اور کہیں ''اور'' داخل ہونا ہے دوسرا اشارہ یہ کہ اقتدار بھی پائے نبوت کے تحت ہوگا اور تیسرا یہ کہ حق ظاہر ہو کر رہے گا اور باطل مٹ جائے گا۔ اس لیے کہ باطل کا مقدر ہی نیست و نابود ہونا ہے۔

اسی دوران جب حج کا موسم ہُوا اور اطراف و اکنافِ عرب سے حجاج کے قافلے مکہ پہنچے تو اس بار اُن میں چند سعید روحیں بھی شامل تھیں۔ یثرب (مدینہ) کے چھ نوجوانوں کے کانوں میں جب نبی علیہ السلام کی دعوت پڑی تو انہوں نے آپؐ سے ملاقات کا فیصلہ کرلیا۔ یثرب میں چوں کہ یہود بھی کثرت سے آباد تھے لہٰذا وہ وحی، آسمانی کتب اور انبیاء سے متعلق گفت و شنید سنتے رہتے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ یہود کی گفتگو نے اُن کے اندر یہ تجسس بھی پیدا کر رکھا تھا کہ ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے اس کے ظہور کے بعد وہ (یہود) سارے عرب پر غالب آ جائیں گے۔

منیٰ میں آپؐ ان چھ اصحاب سے ملے اور ان پر اسلام پیش کیا جو انہوں نے بہ خوشی قبول کرلیا۔ یہ چھ اصحاب درج ذیل ہیں:

۱۔	اسعد بن زرارہؓ	۲۔	عوف بن الحارث
۳۔	رافع بن مالک	٤۔	قطبہ بن عامر
۵۔	عقبہ بن عامر	٦۔	جابر بن عبداللہ بن رئاب

یہ لوگ اس عزم کے ساتھ رخصت ہوئے کہ اب اپنے علاقے میں اسلام کی دعوت پھیلائیں گے اور آئندہ حج کے زمانے میں حاضر ہو کر اپنی کارکردگی کی رپورٹ پیش کریں گے۔ آئندہ سال حج کے موقع پر ۱۲ افراد کا وفد حضور ﷺ سے عقبہ کے مقام پر ملا۔ ان میں سے پانچ افراد گزشتہ سال بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہو چکے تھے جب کہ سات افراد نئے تھے۔

ان بارہ افراد سے آپ ﷺ نے عقبہ کی گھاٹی میں بیعت لی۔ ابنِ اسحاق نے حضرت عبادۃ بن صامت (جو شریک بیعت تھے) کے حوالے سے بیعت کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

''یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے؛ چوری نہ کریں گے؛ زنا نہ کریں گے؛ اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گے؛ اپنے ہاتھ اور پاؤں کے ذریعے کوئی بہتان نہ گھڑیں گے اور یہ کہ کسی معروف کام میں رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی نہ کریں گے؛ اور آپ کا حکم سنیں گے اور مانیں گے خواہ ہم خوش حال ہوں یا تنگ حال؛ اور خواہ حکم پسند آئے یا نہ آئے اور خواہ ہم پر کسی کو ترجیح دی جائے اور ہم حکومت کے معاملے میں اہلِ حکومت سے جھگڑا نہیں کریں گے۔ مسند احمد میں یہ اضافہ ہے کہ اگر تم سمجھتے ہو کہ حکومت میں ہمارا حق ہے (تب بھی دعویٰ نہیں کریں گے) اور بخاری میں یہ اضافہ ہے کہ سوائے اس کے کہ تم کھلم کھلا کفر دیکھو اور یہ کہ جہاں اور جس حال میں ہوں گے حق بات کہیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں گھبرائیں گے۔''

Marfat.com

اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم نے اس عہد کو وفا کیا تو تمہارے لیے جنت ہے اور اگر کسی نے ممنوع کاموں میں سے کسی کا ارتکاب کیا تو اس کا معاملہ اللہ کے حوالے۔ چاہے تو عذاب دے چاہے تو معاف کر دے۔ ایک روایت میں ہے کہ اگر تم نے ممنوع کاموں میں سے کسی کا ارتکاب کیا اور پکڑے گئے تو تم کو سزا دی جائے گی اور وہ کفارہ ہے اور اگر تم پر پردہ پڑ گیا تو قیامت کے دن تمہارا معاملہ اللہ کے حوالے ہے چاہے سزا دے، چاہے معاف کرے۔

اس حدیث کے مختلف اجزا بخاری، مسلم، اور مسند احمد میں ہیں۔ اس بیعت کے بعد ان حضرات کے ساتھ حضرت مصعب بن عمیر کو بھیج دیا گیا تا کہ وہ ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام کر سکیں۔ نیز یثرب کے تمام قبائل میں اسلام کی دعوت کی اشاعت کا اہتمام کر سکیں۔ ایک سال کی بھرپور محنت اور جدوجہد کے بعد جب موسمِ حج آیا تو یثرب سے تقریباً ۷۵ مرد و زن کا قافلہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اُن میں ۷۳ مرد اور دو خواتین شامل تھیں۔

بیعتِ عقبہ ثانیہ / اُخریٰ

۱۲ ذی الحجہ نبوت کے تیرھویں سال یہ قافلہ عقبہ کی گھاٹی میں رات کے تیسرے پہر آپ کا منتظر تھا۔ آپؐ پہنچے ساتھ حضرت عباسؓ بھی تھے۔ گفت و شنید شروع ہوئی حضرت عباسؓ نے آگے بڑھ کر معاملہ کی نزاکت اور اہمیت پر اظہارِ خیال کیا۔ اوس اور خزرج کے نومسلموں سے خطاب کرتے ہوئے انھیں بتایا کہ محمد ﷺ مکہ میں اپنے خاندان اور قبیلے کے حصار میں ہیں۔ تند و تیز مخالفت کے باوجود مشرکینِ مکہ آپ کی زندگی اور عزت کی طرف میلی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے۔ اگر تم لوگ ایسی ہی حفاظت اور

Marfat.com

ایسا ہی حصار ان کو فراہم کر سکتے ہو تو ٹھیک ورنہ یہ یہیں بہتر ہیں۔

انصار میں سے اسعد بن زرارہؓ نے بھی معاملے کی نزاکت پر گفتگو کی اور ایک بار پھر اوس و خزرج کے نو مسلمین کو آگاہ کیا کہ وہ کوئی آسان معاملہ ہاتھ میں نہیں لے رہے۔ ان کے خلاف عرب و عجم کی تلواریں کھچ سکتی ہیں۔اس کے بعد تمام انصار نے عزم و جزم کے ساتھ بیعت کی۔مختلف روایات میں بیعت کے جو نکات وارد ہوئے وہ یہ تھے:

۱۔ چستی اور سُستی ہر حال میں بات سننا اور ماننا

۲۔ تنگی و خوش حالی میں مال خرچ کرنا

۳۔ بھلائی کا حکم دینا، برائی سے روکنا

٤۔ اللہ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ گھبرانا

٥۔ اور (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا) جب میں تمہارے پاس آجاؤں تو میری مدد کرو گے اور جس چیز سے اپنی جان اور اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہو اس سے میری بھی حفاظت کرو گے اور تمہارے لیے جنت ہے۔

حضرت کعبؓ کی روایت جسے ابنِ اسحاق نے لیا ہے میں صرف نمبر ٥ کا ذکر ہے۔انہی دفعات پر عام بیعت ہوئی۔ بیعت کے بعد اثنائے گفتگو انصار میں سے ایک صاحب نے یہ خدشہ بھی پیش کیا کہ اپنی قوم پر غلبہ پا جانے کے بعد آپ کہیں واپس تو نہیں آجائیں گے اس حال میں کہ ہمیں تنہا چھوڑ جائیں اس پر آپؐ نے متبسم ہو کر فرمایا (نہیں) بلکہ آپ لوگوں کا خون میرا خون ہے اور آپ لوگوں کی بربادی میری بربادی ہے...... میں آپ سے ہوں اور آپ مجھ سے ہیں۔جس سے آپ جنگ کریں گے اس سے میں جنگ کروں گا اور جس سے آپ صلح کریں گے اس سے میں صلح کروں گا۔

Marfat.com

بارہ نقیب

بیعت کے بعد آپؐ نے اوس اور خزرج کے لیے بارہ نقیب مقرر فرمائے۔ان میں خزرج کے لیے نو اور اوس کے لیے تین نقیب ٹھہرے۔آپؐ نے انھیں اپنی قوم کے جملہ معاملات کا کفیل ٹھہرایا اور انھیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی مانند قرار دیا۔

شیطان کی چال

معاہدہ کی تکمیل کے بعد لوگ منتشر ہو ہی رہے تھے کہ شیطان کو اس معاہدہ کی بھنک پڑ گئی اب تو وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ہاں البتہ ایک ٹیلے پر چڑھ کر اس نے آواز لگائی۔"خیمے والو! محمد (ﷺ) کو دیکھو۔اس وقت بے دین اس کے ساتھ ہیں اور تم سے لڑنے کے لیے جمع ہیں"۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ اس گھاٹی کا شیطان ہے۔او اللہ کے دشمن سن! اب میں تیرے لیے جلد ہی فارغ ہو رہا ہوں۔اس کے بعد آپؐ نے لوگوں کو اپنی اپنی قیام گاہوں پر جانے کی تاکید کی۔

یہ خبر قریش کے کانوں تک پہنچی تو وہ تحقیق کی غرض سے رؤسائے یثرب کے پاس آئے لیکن انصار نے چوں کہ مکمل راز داری سے کام لیا تھا اور خود اپنے اہلِ قبیلہ کو بھی بے خبر رکھا تھا اس لیے مشرکین اوس و خزرج نے اس واقعہ سے لاعلمی کا اظہار کیا بلکہ مشرکینِ مکہ کو مطمئن کر دیا کہ ایسا واقعہ پیش ہی نہیں آیا۔شک کی بنیاد پر بعد میں بھی مشرکین اس خبر کے درپے رہے۔جب انھیں یقینی ذرائع سے معلوم ہوا کہ خبر درست ہے تو وقت گزر چکا تھا۔حجاج اپنے وطن واپس جا چکے تھے۔

Marfat.com

ہجرت کی ابتداء

اب نبی کریم ﷺ نے اہلِ ایمان کو ہجرت کر جانے کا حکم دیا سب سے پہلے مہاجر ابوسلمہ مخزومیؓ ہیں وہ اپنی بیوی اور بچے کو لے کر عازمِ مدینہ ہوئے لیکن راستے میں سسرالی رشتہ داروں نے بزور اُن کی اہلیہ کو روک لیا جب کہ اپنے رشتہ داروں نے ان کے بیٹے کو بھی نہ جانے دیا لیکن یہ پیکرِ عزیمت صحابیِ رسول تن تنہا دارالہجرت کی طرف چل پڑے۔ یہ عام ہجرت سے سال بھر پہلے کا واقعہ ہے۔ سال بعد ان کی بیوی اور بچہ بھی ان سے جا ملے۔

بیعتِ عقبہ ثانیہ کے بعد مسلمانوں نے پے در پے ہجرت شروع کی۔ عموماً لوگ چھپ کر نکلتے تاکہ ان کے عزیز رشتہ دار یا سردارانِ قریش راہ میں حائل نہ ہوسکیں۔ البتہ حضرت عمرؓ نے علی الاعلان ہجرت کی اور اپنے ساتھ ایک چھوٹا قافلہ لے کر نکلے لیکن کسی کو راہ روکنے کی ہمت نہ ہوسکی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نبی کریم ﷺ کے سامنے اپنا ارادہ ظاہر کیا جس پر آپ نے انھیں انتظار کرنے کو کہا اور فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ مجھے دارِ ہجرت جانے کی اجازت مل جائے گی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے وفورِ شوق سے سفر کی تیاریاں شروع کر دیں۔ دو اونٹنیاں اس مقصد کے لیے مختص کر دی گئیں اور ان کے لیے خوراک کا خاص انتظام ہونے لگا۔ ان کے علاوہ حضرت علیؓ، حضرت صہیبؓ اور حضرت زید بن حارثہؓ بھی ابھی تک مکہ میں تھے۔ یا وہ مسلمان جو اپنی کم زوری اور تنگ دستی کے باعث ہجرت کی سکت نہ رکھتے تھے۔

شیطان کی پارلیمنٹ کا اجلاس

سردارانِ قریش کا یہ معمول تھا کہ اہم معاملات پر مشورہ کرنے کے لیے دارالندوہ میں جمع ہوتے تھے اور باہمی صلاح مشورہ کرتے تھے۔ دارالندوہ کی رکنیت صرف اشرافِ قریش کے لیے مخصوص تھی۔ چالیس سال سے کم عمر شخص بھی اس میں نہ بیٹھ سکتا تھا۔ اس اجتماع میں ایک نجدی شیخ نے بھی شرکت کی جو کہ دراصل شیطان تھا اور قریش کو انسانی روپ میں نبی ﷺ کے قتل پر آمادہ کرنا چاہتا تھا۔ مسئلہ پر غور شروع ہوا۔ کسی نے کہا محمد (ﷺ) کو جانے دیں۔ ہماری جان چھوٹ جائے گی۔ کسی نے کہا انھیں قید کر دیا جائے لیکن شیطان ان کی آراء کو رد کرتا رہا یہاں تک کہ ابوجہل کھڑا ہوا اور اس نے تجویز پیش کی کہ قریش کے سارے قبیلوں سے ایک ایک نوجوان منتخب کیا جائے اور وہ سب مل کر یکبارگی محمد (ﷺ) کو رات کی تاریکی میں قتل کر دیں۔ بنی عبد مناف میں یہ سکت نہیں کہ وہ سارے قریش کی لڑائی مول لے۔ اس لیے وہ دیت پر راضی ہو جائیں گے جو انھیں دے دی جائے گی۔ شیطان اس پر خوش ہوا اور سب نے اس رائے پر فیصلہ دے دیا۔

اس سازش کو رو بہ عمل لانے کے لیے تیاریاں شروع ہو گئیں۔ ادھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جبریلؑ کے ذریعے آپؐ کو قریش کی سازش کی خبر دی اور ہجرت کی اجازت مرحمت فرمائی۔ جبریلؑ نے آپؐ کو ہدایت کی کہ آج رات آپ اپنے بستر پر استراحت نہ فرمائیں۔

دن کے وقت جب لوگ دوپہر کی تمازت کی وجہ سے گھروں میں بیٹھنے پر مجبور تھے، آپؐ حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف لائے اور ان کے ساتھ ہجرت کا پروگرام طے

Marfat.com

کیا۔ واپس آ کر آپؐ معمولات میں مصروف رہے۔ عشاء کے وقت اپنے گھر تشریف لے گئے۔ قریش کے نوجوان تاک میں تھے۔ انھوں نے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ آپؐ نے حضرت علیؓ کو اپنی چادر مبارک دے کر اپنے بستر پر سلا دیا۔ قریش یہ سمجھے کہ آپؐ آرام فرما رہے ہیں۔ آپؐ باہر تشریف لائے۔ محاصرین کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے اور سورۃ یٰس کی یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے ان کے درمیان سے گزر گئے:

﴿وَ جَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ﴾ (یٰس: ۳۶: ۹)

''ہم نے ان کے آگے رکاوٹ کھڑی کر دی اور ان کے پیچھے رکاوٹ کھڑی کر دی پس ہم نے انھیں ڈھانک لیا اور وہ دیکھ نہیں رہے ہیں''

اللہ تعالیٰ نے ان کی بصارت زائل کر دی اور وہ آپؐ کا احساس بھی نہ کر سکے۔

صبح جب حضرت علیؓ بیدار ہوئے اور باہر آئے تو قریش کے حواس خطا ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ کے متعلق پوچھ گچھ کی لیکن وار خطا جا چکا تھا۔ ان کی چال ان ہی پر الٹ چکی تھی۔ اسی پر قرآن نے تبصرہ کیا۔

﴿وَ اِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ وَ يَمْكُرُوْنَ وَ يَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ﴾

(الانفال: ۸: ۳۰)

''اور جب کفار آپ کے خلاف چالیں چل رہے تھے تا کہ آپ کو قید کر لیں یا قتل کر دیں یا نکال دیں اور وہ منصوبہ بنا رہے تھے اور اللہ بھی اپنا منصوبہ بنا رہا تھا اور اللہ ہی سب سے بہتر چال چلنے والا ہے''

اِدھر رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہمراہ یمن کی جانب پیدل چل

Marfat.com

پڑے اور طلوع فجر سے قبل ہی پانچ میل دور غارِ ثور میں پناہ لی۔ غار کے پاس پہنچ کر سب سے پہلے جناب صدیق ؓ داخل ہوئے تا کہ صفائی کا انتظام کر سکیں اور موذی حشرات کو مار سکیں۔ غار کے کئی سوراخ کپڑوں سے بند کر دیے۔ جو بچ گئے ان پر اپنے پاؤں رکھ لیے۔ نبی ﷺ داخل ہوئے تو آپؐ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زانو پر سر رکھ کر آرام فرمایا۔ کسی موذی چیز نے حضرت ابو بکر کی ایڑی پر ڈس لیا۔ تکلیف کے باعث ان کی آنکھوں سے آنسو نکلے۔ جو نبی ﷺ کے چہرۂ انور پر گرے۔ آپؐ نے پوچھا کیا ہوا۔ انھوں نے تکلیف کا سبب بتایا۔ آپؐ نے لعاب دہن لگایا اور تکلیف ختم ہو گئی۔

اس غار میں آپؐ اور جناب صدیقؓ تین دن اور تین رات قیام پذیر رہے۔ قریش کے لوگ غار کے دہانے تک پہنچ گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی عقلوں کو ماؤف کر دیا اور وہ آپؐ کو نہ پا سکے۔ حضرت ابو بکرؓ کی پریشانی کو دیکھ کر آپؐ نے فرمایا:

"ابو بکر، ایسے دو آدمیوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ھے جن کا تیسرا اللہ ھے۔ غم نہ کرو یقینا اللہ ھمارے ساتھ ھے"

اسی کیفیت کی عکاسی درج ذیل آیات میں کی گئی۔ ارشاد ہوا:

﴿اِلَّا تَنۡصُرُوۡهُ فَقَدۡ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذۡ اَخۡرَجَهُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ثَانِىَ اثۡنَيۡنِ اِذۡ هُمَا فِى الۡغَارِ اِذۡ يَقُوۡلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنۡزَلَ اللّٰهُ سَكِيۡنَتَهٗ عَلَيۡهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوۡدٍ لَّمۡ تَرَوۡهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوا السُّفۡلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِىَ الۡعُلۡيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ﴾

"تم نے اگر نبی (ﷺ) کی مدد نہ کی تو کچھ پرواہ نہیں اللہ اس کی مدد اس وقت کر چکا ہے جب کافروں نے اسے نکال دیا تھا۔ جب وہ صرف دو میں دوسرا تھا۔ جب دونوں غار میں تھے جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اس وقت

اللہ نے اس پر اپنی طرف سے سکونِ قلب نازل کیا اور اس کی مدد ایسے لشکروں سے کی جو تم کو نظر نہ آتے تھے۔ اور کافروں کا بول نیچا کر دیا اور اللہ کا بول تو بالا ہی ہے۔ اللہ زبردست اور دانا و بینا ہے'' (التوبہ: ۹: ۴۰)

جانبِ منزل

سوموار کی رات ربیع الاول سنہ۱ ھ چاند رات تھی۔ عبداللہ بن اریقط لیثی حسبِ وعدہ دو اونٹنیاں لے آیا۔ حضرت ابو بکرؓ کے مولیٰ (آزاد کردہ غلام) حضرت عامر بن فہیرہ بھی ہمراہ تھے۔ چار افراد پر مشتمل یہ قافلہ پہلے جنوب کی جانب یمن کے رُخ پر چلا اور پھر ساحل سمندر کا رُخ کر کے شمال کی سمت ایسے راستے پر چل پڑا جس پر عموماً قافلے نہ جاتے تھے۔ رات بھر اور اگلے دن نصف النہار تک یہ سفر جاری رہا۔

اسی راہ میں آپ کا گزر اُم معبد کے خیمے سے ہوا۔ آپؐ نے اس سے خورونوش کے سامان کی بابت پوچھا۔ اس نے میزبانی سے معذوری ظاہر کی۔ اور کہا کہ اس وقت گھر پر قابلِ خورونوش کوئی چیز نہیں۔ ہاں البتہ خیمے کے ایک طرف لاغر سی بکری تھی جس کے تھن خشک تھے۔ اور کمزوری کی وجہ سے ریوڑھ سے رُک گئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اُمِ معبد سے اجازت لے کر اسے دوہا تو اس نے اس قدر دودھ دیا کہ ایک بڑا سا برتن بھر گیا۔ آپ نے اُمِ معبد کو پلایا جب وہ آسودہ ہوگئی تو اپنے ساتھیوں کو پلایا۔ جب وہ بھی سیر ہو گئے تو خود نوش فرمایا اور دوبارہ دوہ کر برتن بھر دیا۔ تا کہ اُم معبد کے دیگر اہلِ خانہ کے لیے بچا رہے۔ اس کا شوہر آیا تو دودھ دیکھ کر اسے تعجب ہوا۔ دریافت کیا تو اُم معبد نے پوری بات بتلائی اور نبی ﷺ کا سراپا بیان کیا اور گفتگو اور عادات واطوار تک پر جامع تبصرہ کیا۔ ابو معبد بول اٹھا ''یہ تو واللہ صاحبِ قریش ہے۔ میرا اِرادہ ہے کہ آپ کا ساتھ

Marfat.com

اختیار کروں اور کوئی راستہ ملا تو ایسا ضرور کروں گا''

تیسرے روز صبح اہلِ مکہ نے ایک آواز سنی جو زیریں مکہ سے شروع ہوئی اور بالائی مکہ سے گزر کر نکل گئی۔ لوگوں نے اس کا پیچھا کیا مگر اسے نہ پا سکے۔ وہ کہہ رہا تھا:

جزی اللہ رب الناس خیر جزائِہٖ رفیقین حلا خیمتی ام معبد

ھما نزلا بالبر و ار تحلا بہ و افلح من امسی رفیق محمد

فیا لقصی ما زوی اللہ عنکم بہ من فعال لا تجاری و سوددِ

لیھن بنی کعب مکان فتاتھم و مقعد ھا للمو منین بمر صد

سلو اختکم عن شاتھا و انا ئھا فا انکم ان تسا لو الشاۃ تشھد

''اللہ رب العالمین ان دو ساتھیوں کو بہترین جزا دے جو ام معبد کے خیمے میں داخل ہوئے۔ وہ دونوں خیر کے ساتھ پہنچے اور خیر سے روانہ ہوئے۔ درحقیقت جو محمدؐ کا رفیق ہوا وہ کامیاب ہوا۔ ہائے قصی! اللہ نے اس کے ساتھ کتنے بے نظیر کارنامے اور سرداریاں سمیٹ دیں۔ بنوکعب کو ان کی بہن کی قیام گاہ اور مومنین کا قیام مبارک ہو۔ تم اپنی بہن سے بکری اور برتن کے متعلق پوچھو اگر تم بکری سے پوچھو گے تو وہ بھی شہادت دے گی''

جب اُمِ معبد کے خیمے سے آگے بڑھے تو سراقہ بن مالک سے سامنا ہوا۔ تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے کہ قریش نے آپ ﷺ کی گرفتاری پر سو (١٠٠) اونٹوں کے انعام کا اعلان کر دیا تھا۔ یہ منادی سراقہ بن مالک کے کانوں میں پڑی تو وہ بھی اس لالچ میں گھر سے نکلا۔ وہ گھوڑے پر سوار آپ کے قافلے تک پہنچ گیا لیکن جب قریب پہنچا تو گھوڑا پھسل گیا اور سراقہ نیچے گر گیا۔ اس نے اُٹھ کر فال نکالا جو ناپسندیدہ نکلا لیکن بُرے فال کی پرواہ کیے بغیر وہ سوار ہوا اور آگے بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ بالکل قریب پہنچ گیا اور آپ ﷺ کی قرأت سننے لگا۔ آپ متوجہ نہ تھے لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ بار بار

Marfat.com

پیچھے مڑ کر دیکھ رہے تھے۔ یکا یک سراقہ کا گھوڑا گھٹنوں تک زمین میں دھنس گیا۔ اس پر سراقہ نے پھر فال نکالی۔ جو دوبارہ ناپسندیدہ نکل آئی۔ اب اسے معاملے کی نزاکت کا احساس ہوا۔ اس پر آپ ﷺ کا رعب طاری ہو گیا۔ چناں چہ اس نے امان کی پکار لگائی۔ قافلۂ راہِ حق ٹھہر گیا۔ یہ قریب پہنچا اور ساری سرگزشت بیان کی اور اپنے لیے امان کا طالب ہوا۔ آپ نے عامر بن فہیرہ سے کہا کہ ان کو پروانۂ امن لکھ دو۔ ایک چمڑے پر لکھ دیا گیا۔ یہیں پر آپ نے سراقہ کو کسریٰ کے کنگنوں کی بشارت بھی دی۔

راستے میں مزید کسی رکاوٹ کے بغیر آپ سوموار ۸ ربیع الاول قبا میں داخل ہوئے۔ ادھر مدینہ میں آپ کا شدت سے انتظار ہو رہا تھا۔ لوگ روز صبح ہی صبح راہ تکنا شروع کر دیتے اور جب دھوپ کی تمازت برداشت سے باہر ہو جاتی تو اپنے اپنے گھروں کو چل پڑتے۔ ایک روز طویل انتظار کے بعد لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس جا چکے تھے۔ ایک یہودی اپنے بالا خانے پر کسی کام کے لیے چڑھا۔ اس نے دیکھا کہ کچھ لوگ سفید کپڑوں میں ملبوس چلے آ رہے ہیں۔ اس نے بے خود ہو کر پکار لگائی۔ عرب کے لوگو یہ رہا تمہارا نصیب جس کا تم انتظار کر رہے تھے۔

یہ سنتے ہی مسلمان آپ کے استقبال کے لیے دوڑ پڑے۔ مدینہ کے گلی کوچوں میں جشن کا سماں پیدا ہو گیا۔ تکبیر بلند ہوئی۔ لوگوں نے حرہ کا رخ کیا۔ اس اثنا میں آپ قبا پہنچ چکے تھے۔ چناں چہ یہیں آپ سے ملاقات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ابتدا میں انصار کو آپ کے پہچاننے میں دقت ہوئی لیکن جب دھوپ کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آپ پر چادر تان لی تو عام لوگوں کو معلوم ہوا کہ یہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ قبا میں آپ کا قیام چار دن رہا۔ مسجد کی بنیاد رکھی۔ نماز پڑھی۔ پانچویں دن بروز جمعہ قبا سے نکلے

Marfat.com

اور راستے میں جمعہ پڑھ کر بعد از جمعہ مدینہ کی حدود میں داخل ہوئے۔ عورتیں اور بچے چھتوں پر چڑھ کر آپ کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بے قرار تھے۔ گھر اور گلی کوچے حمد اور تسبیح سے گونج رہے تھے۔ سب ہی کی زبان پر یہ کلمات تھے:

طلع البدر علینا — من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا — ما دعا للہ داع

ایھا المبعوث فینا — جئت بالامر المطاع

''ہم پر مدینہ کے اطراف سے چودھویں کا چاند طلوع ہوا۔ جب تک اللہ کو پکارنے والا پکارے ہم پر شکر واجب ہے۔ اے ہم میں بھیجے گئے نبی ﷺ آپؐ واجب الاطاعت دین لے کر آئے ہیں''۔

رسول اللہ ﷺ کی سواری انصار کے جس محلے سے گزرتی اہلِ محلّہ یہ خواہش پیش کرتے کہ آپؐ ان کے ہاں قیام کریں مگر آپؐ فرماتے کہ اونٹنی کی راہ چھوڑ دو۔ یہ اللہ کی طرف سے مامور ہے۔ چناں چہ اونٹنی جب اس مقام پر پہنچی جہاں آج مسجد نبوی ہے تو بیٹھ گئی لیکن آپ نیچے نہیں اترے۔ تھوڑی دیر بعد وہ اٹھی اور تھوڑی دور جا کر واپس مڑی اور اسی جگہ دوبارہ بیٹھ گئی۔ آپ ﷺ نیچے تشریف لائے۔ اس پر لوگوں نے آپ ﷺ کو اپنے اپنے گھر لے جانے پر اصرار کیا لیکن حضرت ابوایوب انصاریؓ نے جلدی سے آپ کا کجاوہ اٹھایا اور گھر لے گئے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا آدمی اپنے کجاوے کے ساتھ ہے۔

حضرت علیؓ کی ہجرت

نبی ﷺ کے بعد حضرت علیؓ نے تین دن تک مکہ میں قیام کیا۔ لوگوں کی امانتیں ان کے سپرد کیں اور مدینہ کی طرف چل پڑے اور قبا میں آپؐ سے آملے۔

Marfat.com

فصل سوم

مسجدِ نبویؐ

مدینہ پہنچنے کے بعد آپ ﷺ کا سب سے پہلا عمل یہ تھا کہ آپؐ نے مسجد کے قیام کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ جہاں آپؐ کی اونٹنی بیٹھی تھی وہ دو یتیم بچوں کی جگہ تھی۔ وہ ان سے خرید لی گئی اور پھر مسجد کی تعمیر شروع کر دی گئی۔ آپؐ نے بذاتِ خود تعمیراتی کام میں حصہ لیا اور پوری سرگرمی کی نگرانی فرمائی۔ کچی اینٹوں اور گارے سے دیواریں اٹھائی گئیں۔ کھجور کے تنوں کو شہتیروں کے طور پر استعمال کیا گیا جب کہ کھجور کے پتوں اور چھالوں سے چھت بنائی گئی۔ زمین پر کنکر اور ریت بچھا دی گئی۔ ایک طرف دو حُجرے تعمیر کیے گئے۔ جن میں سے ایک میں حضرت سودہؓ اور دوسرے میں حضرت عائشہؓ منتقل ہوئیں۔ اس کے ساتھ ہی ایک چبوترہ بھی بنایا گیا جو صفہ کے نام پر مشہور ہوا۔ یہاں بے گھر مہاجرین اور طالب علم رہنے لگے۔

اذان

مسجد کی تعمیر کے ساتھ باقاعدہ نماز باجماعت کا سلسلہ شروع ہوا تو یہ مسئلہ درپیش آیا کہ کس طرح اہلِ ایمان کو نماز کی طرف متوجہ کیا جائے۔ مشاورت میں مختلف آرا سامنے آئیں۔ حضرت عمر نے کہا کہ کیوں نہ کسی شخص کی ذمہ داری لگائی جائے جو یہ

Marfat.com

منادی کرے کہ الصلوٰۃ الجامعہ (نماز جمع کرنے والی ہے)۔ رسول اللہ ﷺ نے اس رائے کو پسند فرمایا۔ اگلے روز عبداللہ بن زید بن عبدربہ انصاری نے خواب میں اذان کے کلمات سنے اور آ کر آپ کو خبر دی۔ آپؐ نے فرمایا یہ خواب سچا ہے۔

پھر حکم دیا کہ حضرت بلالؓ کو یہ کلمات سکھائے جائیں اور وہ بلند آواز سے ان کی پکار لگائیں۔ جب حضرت عمر نے یہ آواز سنی تو مسجد کی طرف لپکے اور فرمایا میں نے بھی اسی طرح (خواب میں) دیکھا ہے۔ اس طرح اذان اسلام کا ایک شعار بن گئی۔

مواخات

مدینہ پہنچ کر اہلِ اسلام کو سب سے پہلے ایک بہت بڑا معاشرتی چیلنج درپیش ہوا۔ مہاجرین کی ایک بڑی تعداد اپنا گھر بار چھوڑ کر مدینہ آ پہنچی تھی۔ اور اب ان کے لیے بنیادی انسانی ضروریات تک کی فراہمی مشکل تھی۔ دوسری طرف مدینہ کے لوگوں کی معاشی حالت بھی اتنی بلند نہ تھی کہ وہ محض معاشی قوت کے بل پر اس بوجھ کو برداشت کر سکیں۔

چناں چہ یہ صورت حال اس نوزائیدہ اسلامی ریاست کے لیے خطرناک ہو سکتی تھی۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے کمالِ تدبر سے چند ثانیوں میں اس مسئلہ کو ایسا حل فرمایا کہ فوراً ہی اُس کے مثبت اور خوش گوار نتائج برآمد ہونا شروع ہو گئے۔ آپؐ نے مہاجرین وانصار کو مسجد نبوی میں جمع کیا اور ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کا بھائی بنا دیا۔ ادھر مہاجرین بھی بے کار بیٹھنے اور بوجھ بننے کے لیے تیار نہ تھے۔ چناں چہ مواخات کے باوجود جلد از جلد اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے اور خود اپنی معیشت

Marfat.com

سنبھالنے کے لیے تگ و دو کرنے لگ گئے۔

حضرت سعد بن ربیعؓ بڑے مال دار انصاری صحابی تھے۔ اُنہوں نے اپنے مہاجر بھائی عبدالرحمان بن عوفؓ سے کہا میرا مال آدھا تقسیم کرلو، میری دو بیویاں ہیں، جو تمھیں پسند ہو میں اُسے طلاق دے دیتا ہوں۔ عدت کے بعد تم شادی کر لینا۔

عبدالرحمان بن عوفؓ نے کہا اللہ آپ کے اہل اور مال میں برکت دے۔ مجھے صرف اتنا بتا دیں کہ بازار کہاں ہے۔ انہوں نے راستہ سمجھا دیا۔ جب وہ واپس آئے تو اُن کے پاس پنیر اور گھی تھا۔ چند دن بعد انہوں نے مال بھی کمایا اور ایک انصاری عورت سے شادی بھی کر لی۔ اس پر قرآنِ پاک نے انصار کے جذبۂ ایثار کو سراہا۔

﴿وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِ یْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ وَلَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ کَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ قف﴾ (الحشر: ۵۹:۹)

"(اور وہ لوگ) جو اِن مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی ایمان لا کر دارالھجرت میں مقیم تھے۔ یہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے پاس آئے ہیں اور جو کچھ بھی ان کو دے دیا جائے اس کی کوئی حاجت تک یہ اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔ خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں"۔

میثاقِ مدینہ

رسول اللہ ﷺ کی مدینہ آمد سے مدینہ کی آبادی بنیادی طور پر تین حصوں میں بٹ گئی۔ ایک وہ لوگ جو مسلمان تھے۔ چاہے مہاجر ہوں یا انصار۔ دوسرے وہ جو شرک پر قائم تھے اور تیسرے یہود۔

مدینہ کا نظم و نسق بہتر بنانے کے لیے، نیز دفاع کو قوی اور مستحکم کرنے کے لیے آپؐ نے ان تینوں گروہوں کو ایک معاہدۂ عمرانی میں باندھ دیا۔ اس معاہدہ کی رُو سے چند چیزیں بالکل واضح کر دی گئیں۔ جان و مال کے تحفظ کو یقینی بنایا گیا۔ دیت و قصاص کے قضیات کے لیے اصول مرتب کیے گئے۔ اندرونی اور بیرونی خطرات سے نمٹنے کے لیے عہد و پیمان لیا گیا۔ اس معاہدے کی رو سے تمام گروہوں نے محمد رسول اللہ ﷺ کو ریاست کا سربراہ تسلیم کر لیا۔

مواخات اور میثاقِ مدینہ جیسے اقدامات سے فوری نوعیت کے مسائل حل ہو گئے اور اب رسول اللہ ﷺ اس جانب سے مطمئن ہو کر دوسری جانب متوجہ ہوئے۔ آپؐ کے سامنے دو بڑے چیلنج تھے۔ ایک دعوتِ اسلامی کا فروغ و اشاعت اور دوسرے قریش کی فتنہ انگیزیوں کا بروقت تدارک اور حفظ ماتقدم کی تدابیر۔

قریش کی فتنہ انگیزیاں

اہلِ ایمان کو اپنے نئے مستقر مدینہ سے اکھیڑنے اور بے یار و مددگار کرنے کے لیے قریشِ مکہ نے چہار جانب سے سازش کا جال بچھایا۔ سب سے پہلے تو انہوں نے مشرکینِ مدینہ سے رابطہ قائم کیا اور انھیں لکھا کہ مسلمانوں سے لڑ کر انھیں یثرب سے نکال باہر کرو اور اگر ایسا نہ کیا تو قریش مکہ تمھارے جوانوں کو قتل کر دیں گے اور عورتوں کو قیدی بنا لیں گے۔

اس خط سے مشرکین میں کچھ ہل چل پیدا ہوئی لیکن رسول اللہ ﷺ کے بروقت رابطے اور وعظ و نصیحت سے یہ معاملہ ٹھنڈا پڑ گیا۔

Marfat.com

دوسری طرف انہوں نے یہود سے ساز باز کرنا شروع کر دی اور انھیں مسلمانوں کے خلاف ورغلانا شروع کر دیا لیکن میثاقِ مدینہ کا عہد چوں کہ ابھی تازہ تھا لہٰذا قریش کی یہ چال بھی نہ چل سکی۔ تیسری طرف قریش نے یثرب کے دو بڑے قبیلوں اوس اور خزرج کے باہمی اختلافات کو ہوا دینے کی کوششیں بھی کی تا کہ ان کا اتحاد پارہ پارہ کیا جا سکے لیکن اسلام کی آمد سے وحدت کا جو رشتہ قائم ہو چکا تھا اسے یہ جونک بھی نہ لگی۔ چوتھی طرف انھوں نے براہِ راست انصار کے سرداروں کو آڑے ہاتھوں لیا۔ چناں چہ جب اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذؓ عمرہ کے لیے مکہ گئے تو صفوان بن امیہ کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے کہ ابوجہل سے ٹاکرا ہو گیا۔ اس نے حضرت سعدؓ کو دھمکیاں دیں کہ تم مکہ میں امن کے ساتھ گھوم رہے ہو۔ جب کہ اپنے یہاں بے دینوں کو پناہ دے رکھی ہے۔ سنو! اگر تم صفوان کے ساتھ نہ ہوتے تو گھر سلامت نہ جا سکتے۔ سعد بن معاذ نے بھی برابر کا جواب دیا۔ بولے میرے قابو میں وہ چیز ہے جس کو تم شدت سے محسوس کرو گے میں مدینہ سے گزرنے والی تمہاری تجارتی شاہراہ بند کر دوں گا۔

فصل چہارم

اِذنِ قتال

مکہ مکرمہ میں اہلِ ایمان پر ہر طرح سے ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے لیکن اللہ رب العالمین کی طرف سے یہی حکم تھا کہ اپنے ہاتھ روکے رکھو۔ چناں چہ ظلم وجور کی اس بھٹی میں اہلِ ایمان نے بے مثال صبر واستقامت کا مظاہرہ کیا۔ کسی قسم کے ردِعمل میں آنے کی بجائے اپنے ایمان پر ثابت قدم رہے اور اس سخت ترین اعصابی جنگ میں اپنی اخلاقی برتری ثابت کر دی۔

اس طرح ایک طرف تو مشرکینِ مکہ کو خوب اچھی مہلت مل گئی اور ان میں سے سلیم الفطرت لوگ چھٹ چھٹ کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تو دوسری طرف اس آزمائش سے اہلِ ایمان میں بھی کچے پکے کھرے اور کھوٹے کی پہچان ہوگئی۔ اس کے بعد ہجرت کا مرحلہ درپیش ہوا......اور اس کے نتیجے میں اسلام کو ایک آزاد مسکن میسر آ گیا۔ اب وہ وقت آ گیا کہ اہلِ ایمان کو پہلے پہل اپنی مدافعت میں اور پھر غلبۂ دین کے لیے اقدامی جہاد کی اجازت مل جائے۔

حکم نازل ہوا:

﴿اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ یُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّهُمۡ ظُلِمُوۡا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصۡرِهِمۡ لَقَدِیۡرُ
الَّذِیۡنَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِهِمۡ بِغَیۡرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنۡ یَّقُوۡلُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ
وَلَوۡلَا دَفۡعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعۡضَهُمۡ بِبَعۡضٍ لَّهُدِّمَتۡ صَوَامِعُ وَ بِیَعٌ
وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ یُذۡكَرُ فِیۡهَا اسۡمُ اللّٰهِ كَثِیۡرًا﴾

(الحج ۲۲: ۳۹ تا ۴۰)

''اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ جاری ہے۔ کیوں کہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے۔ صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہے تو خانقاہیں اور گرجا اور معبد اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے سب مسمار کر ڈالی جائیں''

جنگ کی اجازت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں بیٹھ کر قریش کی فتنہ انگیزیوں کا سدِ باب کرنے کے لیے ایک ہمہ جہتی پلان تیار کیا۔ جس کے بنیادی طور پر تین اہداف تھے۔

پہلا ہدف یہ تھا کہ مدینہ کے اندرونی معاملات کی تنظیم اس طرح سے کی جائے کہ بیرونی حملہ آور مختلف اقوام و مذاہب کے لوگوں میں پھوٹ نہ ڈال سکے اور یہ لوگ مدینہ کا دفاع مل کر کریں۔ اس کے لیے میثاقِ مدینہ کی داغ بیل ڈالی گئی۔

دوسرا ہدف یہ تھا کہ قریش کی تجارتی شاہراہ پر فیصلہ کن ضرب لگانے کے لیے اردگرد کے قبائل سے حلیفانہ معاہدے کیے جائیں اور دوستانہ مراسم استوار کیے جائیں۔

تیسرا ہدف یہ تھا کہ قریش کی تجارتی شاہراہ پر مسلسل پہرہ دیا جائے اور جوں ہی کسی

Marfat.com

قافلے کی آمد کی خبر ملے اس کا تعاقب کیا جائے۔

چناں چہ مدینۃ النبی میں نزول کے بعد غزوۂ بدر سے پہلے اُنیس بیس ماہ کے دوران یہ تینوں اہداف کامیابی سے حاصل کر لیے گئے۔ جن کا مختصرہ تذکرہ ذیل میں کیا جارہا ہے۔ مدینہ پہنچنے کے چھ ماہ بعد ہی رمضان ایک (۱) ہجری میں آپ نے طلایہ گردی کا سلسلہ شروع فرمایا اور حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کی کمان میں تیس مہاجرین کا ایک گروپ ساحلِ سمندر کی طرف روانہ کیا۔ شنید یہ تھی کہ قریش کا تجارتی قافلہ ابوجہل کی قیادت میں جارہا ہے۔ قبیلہ جہینہ کے علاقے میں عیص کے مقام پر دونوں دستوں کا آمنا سامنا ہوا اور قریب تھا کہ لڑائی چھڑ جاتی کہ قبیلے کے سردار مجدی بن عمرو نے فریقین کے درمیان جنگ رکوادی اور مسلمان بغیر کسی جنگ کے واپس آگئے۔ اس سے قریش کو یہ پیغام مل گیا کہ ان کی تجارت مسلمانوں کی زد میں ہے۔ جب کہ مسلمانوں نے اس مہم سے یہ تجربہ حاصل کیا کہ جب تک اردگرد کے قبائل مسلمانوں کے حلیف نہ بن جائیں وہ قریش پر ہاتھ نہیں ڈال سکیں گے۔ اس سریہ کو سریہ سیف البحر بھی کیا جاتا ہے۔

اس کے ایک ہی ماہ بعد شوال ایک (۱) ہجری میں حضرت عبیدہؓ بن حارث کی کمان میں ساٹھ مہاجریں کو بھیجا گیا۔ المرّہ کی گھاٹی کے پاس ابوسفیان دوسَو جنگ جُو سواروں کے ساتھ موجود تھا۔ فریقین کا آمنا سامنا ہوا لیکن جنگ کی نوبت نہ آئی۔

اگلے ماہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی کمان میں بیس مہاجرین کے ساتھ رابغ کے قریب خرار تک بھیجا گیا لیکن کسی سے سامنا نہ ہوا۔

اس کے تین ماہ بعد صفر ۲ ہجری میں ستّر مہاجرین کے ہمراہ آپؐ بذاتِ خود باہر نکلے اور ابواء تک تشریف لے گئے۔ اس سفر میں آپ نے عمرو بن مخشی سے امان اور تعاون کا

Marfat.com

معاہدہ کیا۔ یہ اس لحاظ سے پہلی مہم تھی جس میں رسول اللہ ﷺ بذاتِ خود تشریف لے گئے۔

اس کے اگلے ہی ماہ ربیع الاول ۲ ہجری میں آپ دو سَو مہاجرین کے ساتھ بواط تک تشریف لے گئے وہاں کسی سے سامنا نہ ہوا۔

اسی ماہ کرز بن جابر فہری نے مدینہ کی چراگاہ پر چھاپہ مارا اور کچھ مویشی ہانک کر لے گیا۔ رسول اللہ نے ستر مہاجرین کے ساتھ اس کا تعاقب کیا اور بدر کے اطراف تک تشریف لے گئے لیکن کرز نکل بھاگا۔ اس واقعہ کو غزوۂ بدر اُولیٰ بھی کہا جاتا ہے۔

دو ماہ بعد آپ جمادی الاولیٰ یا جمادی الاخریٰ ۲ ہجری میں دو سَو مہاجرین کے ساتھ قریش کے ایک قافلے کے تعاقب میں باہر نکلے۔ قافلہ تو نکل بھاگا لیکن آپ نے اس مہم میں بنومدلج کے ساتھ باہمی جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کرلیا۔

اس کے بعد رجب ۲ ہجری میں آپ نے عبداللہ بن جحش کو آٹھ یا بارہ مہاجرین کے ہمراہ روانہ کیا۔ جاتے وقت انھیں ایک خط دیا اور فرمایا کہ دو دن کی مسافت کے بعد اسے کھول کر پڑھیں اور احکامات کی تعمیل کریں۔ دو روز بعد حضرت عبداللہؓ نے تحریر پڑھی اس میں درج تھا جب تم میری یہ تحریر دیکھو تو آگے بڑھتے جاؤ۔ یہاں تک کہ مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ میں اُترو اور وہاں قریش کے قافلے کی گھات میں لگ جاؤ اور ہمارے لیے اس کی خبروں کا پتہ لگاؤ۔ انھوں نے سمع و طاعت کہا اور اپنے رفقاء کو اطلاع دیتے ہوئے کہا کہ یہ مشن ہے اب جس نے برضا و رغبت جانا ہے تو ٹھیک ورنہ یہیں سے واپس چلا جائے۔ سب کے سب مشن کے لیے تیار ہو گئے۔ طویل مسافت کے بعد نخلہ میں نزول فرمایا۔ وہاں سے قریش کا قافلہ گزرا جو کشمش اور چمڑے کے علاوہ دیگر سامانِ تجارت بھی لیے ہوئے تھا۔ صحابہؓ نے باہم مشورہ کیا۔ مشکل یہ تھی کہ وہ رجب کی آخری تاریخ تھی جو کہ

Marfat.com

حرمت کا مہینہ ہے اور اگر ایک رات کا انتظار کیا جائے تو قافلہ حدودِ حرم میں داخل ہو کر مامون ہو جاتا۔ چناں چہ طے یہی پایا کہ دھاوا بول دیا جائے۔ ایک شخص عمرو بن حضرمی مارا گیا دو گرفتار ہوئے۔ چناں چہ یہ دستہ دو قیدیوں اور سامانِ تجارت لے کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے رجب میں قافلے پر چھاپہ مارنے پر صحابہ سے باز پرس کی اور قیدیوں اور سامانِ تجارت کے بارے میں توقف فرمایا۔ ادھر مشرکین نے پروپیگنڈے کا طوفان کھڑا کر دیا کہ مسلمان حرام مہینوں کو پامال کر رہے ہیں۔ اس پر قرآنِ پاک کی آیات اتریں۔

﴿یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الشَّھْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِیْهِ قُلْ قِتَالٌ فِیْهِ کَبِیْرٌ وَ صَدٌّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ کُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَھْلِهٖ مِنْهُ اَکْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَکْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ﴾ (البقرہ۲: ۲۱۷)

''لوگ آپ سے حرام مہینے میں لڑائی سے متعلق پوچھتے ہیں آپ کہہ دیں۔ اس میں جنگ کرنا بڑا گناہ ہے۔ اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجدِ حرام سے روکنا اور اس کے باشندوں کو وہاں سے نکالنا یہ سب اللہ کے نزدیک بڑے جرائم ہیں اور فتنہ قتل سے بڑھ کر ہے''۔

اس پر آپ نے قیدیوں کو رہا کر دیا اور مقتول کا فدیہ ادا کر دیا۔

رمضان ۱ ایک (۱) ہجری سے لے کر رجب دو (۲) ہجری تک گیارہ ماہ میں آپؐ نے کُل آٹھ مہمات نکالیں۔ جن میں سے چار میں آپؐ بذاتِ خود شریک رہے۔ جس سے ایک طرف قریش پر آپ کے سریع الحرکت ہونے کا رعب پڑ گیا اور وہ اپنی تجارت کے بارے میں فکر مند ہونے لگے۔ ساتھ ہی آپؐ نے پہلے تجربے کو مدِ نظر رکھتے ہوئے آس پاس کے قبائل کو امان اور جنگ نہ کرنے کے عہد میں باندھ لیا۔ گویا اب مدینہ کے

Marfat.com

اردگرد کسی بھی جگہ آپ قریش پر ہاتھ ڈال سکتے تھے۔کوئی درمیان میں آنے والا نہ تھا۔

شعبان ۲ ہجری میں تحویل قبلہ کا حکم آ گیا۔ بیت المقدس کی جگہ بیت اللہ کو قبلہ بنا دیا گیا۔ چناں چہ اس سے بعض یہود جو ایمان تو لائے تھے لیکن ابھی ایمان جڑ نہ پکڑ سکا تھا مرتد ہو گئے اور اہلِ ایمان کی صفیں ایسے ضعیف الاعتقاد لوگوں سے پاک ہو گئیں۔ دوسری طرف مسلمان بھی یکسو ہو گئے اور ان کی نظریں بیت اللہ کی آزادی کی طرف اٹھنے لگیں۔ جو درحقیقت ان ساری مہمات کا منتہا اور مقصود تھا۔اسی اثناء میں قتال کی فرضیت کا حکم بھی نازل ہو گیا۔

﴿وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ط اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ○ وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَ اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَ الْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى یُقٰتِلُوْكُمْ فِیْهِ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِیْنَ ○ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ یَكُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰهِ ط فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِیْنَ ﴾ (البقرۃ ۲: ۱۹۰ تا ۱۹۳)

”اللہ کی راہ میں ان سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور حد سے آگے نہ بڑھو یقیناً اللہ حد سے آگے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور انھیں جہاں پاؤ قتل کرو اور جہاں سے انھوں نے تمہیں نکالا ہے وہاں سے تم بھی انھیں نکال دو اور فتنہ قتل سے زیادہ سخت ہے اور ان سے مسجد حرام کے پاس قتال نہ کرو۔ یہاں تک کہ وہ تم سے مسجد حرام میں قتال کریں۔ پس اگر وہ وہاں قتال کریں تو تم (وہاں بھی) انھیں قتل کرو۔ کافروں کی جزا ایسی ہی ہے۔ پس اگر وہ باز آ جائیں تو بے شک اللہ غفور الرحیم ہے۔ اور ان سے لڑائی کرو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور دین اللہ کے لیے ہو جائے پس اگر وہ باز آ جائیں تو کوئی زیادتی نہ کی

Marfat.com

جائے سوائے ظالموں پر"۔

اس کے بعد دوسری آیات اتریں جن میں جنگی اخلاقیات، قیدیوں کے معاملات نیز صلح و جنگ کے معاملات پر احکامات دیے گئے۔ ان احکامات کی ابتداء سورۃ محمد سے ہوئی وہاں ارشاد ہوا:

﴿فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا﴾

(سورۃ محمد ۴۷: ۴)

"پس جب تم کفار کے کسی گروہ سے (میدان جنگ میں) ٹکرا جاؤ تو ان کی گردنیں مارو یہاں تک کہ جب انھیں خوب اچھی طرح کچل دو تو پھر (قیدی بنا کر) انھیں باندھ دو۔ اس کے بعد (ان قیدیوں کے معاملہ میں) یا تو احسان کا برتاؤ کرو یا (ان سے) فدیہ لے لو۔ یہاں تک کہ لڑائی کا زور ٹوٹ جائے"۔

ان احکامات سے اہلِ ایمان کی فرحت ونشاط میں اضافہ ہوا۔ ان کے بندھے ہوئے ہاتھ کھل گئے اور دینِ حق کی سربلندی کے لیے انھیں اقدامی کارروائیوں کی اجازت مل گئی۔ دوسری طرف منافقین اور ضعیف الایمان لوگوں کے دل ان احکامات سے کانپنے لگے۔

﴿فَإِذَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ط﴾

(سورۃ محمد ۴۷: ۲۰)

"جب کبھی کوئی محکم سورۃ نازل ہوتی ہے جس میں جنگ کا ذکر پایا جائے تو تم دیکھتے ہو کہ جن کے دلوں میں بیماری ہے وہ تمہاری طرف ایسے دیکھتے ہیں جیسے وہ شخص دیکھتا ہے جس پر موت کی غشی طاری ہو"

Marfat.com

غزوۂ بدر الکبریٰ (۱۷ رمضان المبارک ۲ ہجری)

ہجرت کے بعد سے لے کر شعبان ۲ ہجری تک آپؐ اپنی گرفت زمامِ کار پر مضبوط تر کرتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ قریش کو واقعی اس بات کا احساس ہو چلا کہ ان کی شہ رگ مسلمانوں کے قابو میں ہے۔ غزوۂ بدر سے قبل کل آٹھ تاختیں مدینہ سے نکلیں جن میں سے چار میں حضور ﷺ بہ نفس نفیس شریک ہوئے۔ البتہ یہ تمام مہمات مہاجرین نے سر کیں۔ انصار کو ان میں شرکت کی دعوت نہیں دی گئی۔ انہی میں سے ایک تاخت غزوہ عشیرہ کے نام سے مشہور ہے۔ ہوا یوں کہ ابوسفیان ایک بہت بڑا تجارتی کارواں لے کر مکہ سے نکلا۔ جس میں اہل مکہ کی بڑی دولت تھی۔ ایک ہزار اونٹوں پر مشتمل یہ قافلہ دو سو باسٹھ کلو سونے کی مالیت کا سامان (یعنی آج کل کے حساب سے تقریباً ۱۳ کروڑ روپے کی مالیت) لے کر جا رہا تھا جب کہ اس کی حفاظت کے لیے صرف چالیس آدمی تھے یہ ایک زرّیں موقع تھا۔ اگر یہ قافلہ مسلمانوں کے ہاتھ لگ جاتا تو قریش کی معیشت ڈوب جاتی اور اگر قریش اس کے بچانے کے لیے باہر نکلتے تو انھیں آسانی سے کچلا جا سکتا تھا۔ چناں چہ آپ نے دو سو مہاجرین کے ساتھ ذوالعشیرہ کے مقام تک اس کا تعاقب کیا مگر وہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ قافلہ جب شام سے واپس چلا تو ابوسفیان نے حفظِ ماتقدم کے طور پر مکہ پیغام بھیجا کہ وہ قافلے کو بچانے کے لیے دوڑیں۔

جب مدینہ میں قریش کے خروج کی خبریں پہنچیں تو آپ نے اس صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے مہاجرین و انصار کی شوریٰ طلب کی اور ان کے سامنے قافلے کی آمد اور مشرکینِ مکہ کی تیاریوں اور خروج کا ذکر کیا اور مشورہ طلب کیا۔ پچھلی مہمات

Marfat.com

کو مدنظر رکھتے ہوئے اکثر لوگوں کی نظریں قافلے پر ٹھہری ہوئی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ قافلہ ایک آسان شکار ہے جسے حاصل کیا جا سکتا ہے لیکن جب انھیں بتایا گیا کہ مکہ سے ایک لشکرِ جرار قافلے کی حفاظت کے لیے نکل چکا ہے تو وہ تذبذب میں مبتلا ہو گئے اس موقع پر یہ لوگ لشکر سے ٹکر لینے کے لیے تیار نہ تھے۔ اسی واقعے پر قرآنِ پاک نے تبصرہ کیا۔

﴿كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ﴾ (انفال :۸: ۵ تا ۶)

"(اے نبی) جیسا کہ تیرے رب نے تجھے گھر سے حق کے ساتھ نکالا حالاں کہ اہلِ ایمان میں سے ایک گروہ کو یہ ناگوار تھا۔ وہ اس معاملے میں تجھ سے گرما گرم بحث کر رہے تھے حالاں کہ حق واضح اور نمایاں ہو چکا تھا۔ اُن کا حال یہ تھا کہ گویا کہ آنکھوں دیکھے موت کی طرف ہانکے جا رہے ہوں"۔

لیکن جہاں تک کبار صحابہؓ کا تعلق تھا تو وہ سب موقع شناس تھے۔ چناں چہ ان سب کی رائے یہ تھی کہ فیصلہ کن معرکہ کا وقت آن پہنچا ہے۔ اس سے فائدہ اٹھایا جائے اور دشمن پر کاری ضرب لگائی جائے۔ چناں چہ حضرت ابوبکرؓ کھڑے ہوئے اور عمدہ بات کہی۔ حضرت عمرؓ نے بھی اچھی بات کہی۔ اس کے بعد حضرت مقدادؓ کھڑے ہوئے اور کہا یا رسول اللہ ﷺ خدا کی قسم ہم آپ سے وہ بات نہیں کریں گے جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کی تھی کہ:

﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ﴾

''تم اور تمہارا رب جاؤ اور لڑو ہم یہیں بیٹھے ہیں!''

بلکہ ہم یہ کہیں گے آپؐ اور آپؐ کے پروردگار چلیں اور لڑیں اور ہم بھی آپ کے ساتھ لڑیں گے۔ آپؐ نے انھیں دعا دی لیکن یہ تینوں اصحاب چوں کہ مہاجرین سے تعلق

Marfat.com

رکھتے تھے لہٰذا آپؐ نے روئے سخن انصار کی طرف کیا اور فرمایا ''لوگو! مجھے مشورہ دو۔'' انصار اشارہ بھانپ گئے، چناں چہ سیدِ انصار حضرت سعدؓ بن معاذ کھڑے ہوئے اور فرمایا معلوم ہوتا ہے رسول اللہ ﷺ کا اشارہ ہماری طرف ہے۔ آپؐ نے فرمایا ''ہاں''۔ انہوں نے کہا ہم تو آپؐ پر ایمان لائے ہیں۔ آپؐ کی تصدیق کی ہے اور یہ گواہی دی ہے کہ آپؐ جو کچھ لے کر آئے ہیں سب حق ہے اور اس پر ہم نے آپؐ کو اپنی سمع و طاعت کا عہد و میثاق دیا ہے۔ لہٰذا اے اللہ کے رسول آپؐ کا جو ارادہ ہے آپؐ اس کے لیے پیش قدمی فرمایئے۔ اُس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے اگر آپؐ ہمیں ساتھ لے کر اس سمندر میں کودنا چاہیں تو ہم اس میں بھی آپ کے ساتھ کود پڑیں گے''۔

حضرت سعدؓ کی یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ آپؐ نے فرمایا ''چلو......اور خوشی خوشی چلو......اللہ نے مجھ سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا ہے واللہ اس وقت گویا میں قوم کی قتل گاہیں دیکھ رہا ہوں۔''

اسلامی لشکر کی تعداد اور کمان

رسول اللہ ﷺ روانگی کے لیے تیار ہوئے تو آپ کے ہمراہ تین سو تیرہ یا کچھ کم یا زیادہ اصحاب باہر نکلے اس غزوے میں اہلِ ایمان کوئی خاص تیاری نہ کر سکے۔ صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ ہمراہ تھے۔

مدینہ میں نماز اور دیگر انتظامات کے لیے ابنِ مکتومؓ کو مامور کیا لیکن جب نبی ﷺ مقامِ روحا پر پہنچے تو حضرت ابولبابہؓ کو مدینہ کا منتظم بنا کر واپس بھیج دیا۔

Marfat.com

جنگ کے لیے اہلِ مکہ کی تیاری

یہ بتایا جا چکا ہے کہ ابوسفیان نے سابقہ تجربات کی بنیاد پر شام سے واپسی پر اہلِ مکہ کو خبردار کرنے کے لیے ضمضم بن عمرو غفاری کو اُجرت دے کر مکے بھیجا۔ وہ نہایت تیزی سے سفر کرتا مکہ آیا اور ڈرامائی انداز سے مکہ میں داخل ہو کر اہلِ مکہ کو آواز دی۔

اے قریش تمہارا قافلہ، اس کی خبر لو، ابوسفیان جو مال لا رہا ہے اس پر محمد اور اس کے ساتھی دھاوا بولنے جا رہے ہیں...... مجھے امید نہیں کہ تم کچھ بچا سکو......

یہ آواز کارگر ثابت ہوئی۔ مکہ میں ہر طرف غیظ وغضب کا تلاطم برپا ہو گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے تیرہ سو افراد سامانِ حرب وضرب سے آراستہ میدان میں نکل آئے ابوجہل کے ہاتھ میں کمان تھی۔ یہ لشکر اتراتا ہوا لوگوں کو اپنی شان دکھاتا ہوا اور اللہ کی راہ سے مخلوق خدا کو روکتا ہوا شمال کی جانب بدر کی طرف چل پڑا۔

راستے میں مقام جُحفہ پر ابوجہل کو ابوسفیان کا یہ پیغام موصول ہوا کہ قافلہ اہل مدینہ کی زد سے بچ نکلا ہے چناں چہ واپس چلے چلو۔ یہ پیغام سن کر مکی لشکر میں یہ آمادگی پیدا ہوئی کہ واپس جایا جائے لیکن ابوجہل نے سب کو ڈانٹ دیا اور بولا کہ ہم ضرور میدانِ بدر میں اتریں گے...... تین روز قیام کریں گے...... شراب پئیں گے...... لونڈیاں گانے گائیں گی...... ہم اونٹ ذبح کریں گے...... اور سارا عرب ہمارے سفر کا حال سنے گا...... اور اس طرح ہمیشہ کے لیے اُن پر ہماری دھاک بیٹھ جائے گی۔ اس کے برعکس اخنس بن شریق نے یہی مشورہ دیا کہ واپس چلے چلو...... جب کوئی نہ مانا تو وہ اپنے قبیلے بنوزہرہ کے تین سو آدمیوں کو لے کر واپس ہو گیا۔

Marfat.com

اسلامی لشکر کی کیفیت

ادھر اسلامی لشکر منزلوں پر منزلیں مارتا ہوا بدر کی طرف برابر بڑھ رہا تھا۔ ایک روز شام کو آپؐ نے دشمن کے حالات کا پتہ لگانے کے لیے دستہ روانہ کیا۔ یہ لوگ بدر کے چشمے پر جا کر پہنچے۔ وہاں دو غلام مکی لشکر کے لیے پانی بھر رہے تھے۔ انھیں گرفتار کرلیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا۔ اس وقت آپؐ نماز پڑھ رہے تھے۔ صحابہ نے قیدیوں سے ان کی شناخت پوچھی۔ انہوں نے بتایا کہ ہم مکی لشکر کے لیے پانی بھر رہے تھے۔ یہ جواب صحابہ کو درست معلوم نہ ہوا۔ چناں چہ ان کی سخت پٹائی لگائی اور کہا کہ تم ابوسفیان کے آدمی ہو۔ انہوں نے مار کے خوف سے اقرار کرلیا کہ ہاں ہم ابوسفیان کے آدمی ہیں۔ اسی اثناء میں آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا جب یہ سچ بول رہے تھے تو تم نے انھیں مارا اور جب جھوٹ بول رہے تھے تو چھوڑ دیا۔ اس کے بعد آپؐ نے ان سے قریش کے حالات پوچھے، آپؐ نے پہلا سوال تعداد سے متعلق کیا انہوں نے کہا کہ بہت بھیڑ ہے لیکن معین تعداد کا علم نہیں۔ آپؐ نے پوچھا روزانہ کتنے اونٹ ذبح کرتے ہو......؟ انہوں نے جواب دیا ایک دن نو اور ایک دن دس۔ آپؐ نے فرمایا ان لوگوں کی تعداد نو سو سے ہزار کے درمیان ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے معززینِ قریش کے بارے میں پوچھا۔ غلاموں نے اہم افراد کے نام گنوائے۔ اس پر آپؐ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو تمہارے آگے ڈال دیا ہے۔

اس کے بعد آپؐ نے اپنے لشکر کو حرکت دی تا کہ مشرکین سے پہلے بدر کے چشمے پر پہنچ جائیں۔ چناں چہ بدر کے پہلے چشمے پر آپ ﷺ نے نزول فرمایا لیکن

Marfat.com

حضرت خباب بن منذرؓ کے مشورے پر وہاں سے اٹھے اور آخری چشمے پر پڑاؤ ڈال دیا اس طرح بدر کے سارے پانی کے ذرائع اسلامی لشکر کے تصرف میں آ گئے۔اسی رات بارش برسی اور خوب برسی۔یہ بارش کفار کے لیے زحمت اور اہلِ ایمان کے رحمت بن کر اتری۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِۦ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ ٱلشَّيْطَٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ ٱلْأَقْدَامَ﴾

(الانفال ۸: ۱۱)

''جب اللہ تم پر اپنی طرف سے امن و بے خوفی کے طور پر نیند طاری کر رہا تھا اور تم پر آسمان سے پانی برس رہا تھا تاکہ تمھیں اس کے ذریعے پاک کردے اور تم سے شیطان کی گندگی دور کردے اور تمھارے دل مضبوط کردے اور تمھارے قدم جمادے''۔

رات کے وقت جب سب معاملات طے ہو چکے؛ لشکر کی تنظیم مکمل ہو چکی تو آپ ﷺ نے بقیہ وقت نماز و دعا میں گزارا۔ پھر صبح ۱۷ رمضان جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے...... آپ ﷺ نے صفیں برابر فرمائیں اور حکم دیا کہ جب دشمن آگے بڑھے تو اس وقت تک لڑائی شروع نہ کرنا جب تک کہ میرا حکم نہ ہو۔ پھر نشانہ لگا کر تیر چلانا اور تیر بچانے کی کوشش کرنا...... اور جب تک بالکل قریب نہ آجائیں تلوار نکال کر ان پر وار نہ کرنا۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے دُعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ یہاں تک کہ گریہ وزاری کی وجہ سے آپؐ کی چادر مبارک آپ کے کندھوں سے گر گئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے چادر درست کی اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ بس کیجیے۔ آپ نے جی بھر کر دعا کر لی ہے۔

اس کے بعد قریش کے تین بہترین سوار عتبہ، شیبہ اور ولید آگے بڑھے اور مسلمانوں کو مقابلے کی دعوت دی۔ مقابلے میں انصار کے تین جوان نکلے مشرکین نے

Marfat.com

کہا ہم اپنے چچیرے بھائیوں سے مقابلہ کریں گے" چناں چہ عبیدہ بن حارث حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ آگے بڑھے۔ حضرت حمزہؓ نے شیبہ اور حضرت علیؓ نے ولید کو جلد ہی قتل کر دیا البتہ عبیدہؓ، عتبہ کے مقابلے میں زخمی ہوئے۔ اتنے میں حضرت حمزہؓ و علیؓ عتبہ پر ٹوٹ پڑے اور اسے قتل کر کے عبیدہؓ کو اٹھا کر لشکر گاہ کی طرف لے آئے۔ (چار یا پانچ روز بعد عبیدہؓ انہی زخموں کی تاب نہ لا کر شہید ہو گئے)

اس کے بعد عام مبارزت شروع ہوئی۔ قریش مکہ آگے بڑھے۔ مسلمانوں نے انھیں اپنے تیروں پر لیا اسی اثناء میں رسول اللہ ﷺ کو جھپکی آئی۔ آپؐ نے سر اٹھایا اور فرمایا۔ ابو بکرؓ خوش ہو جاؤ تمھارے پاس اللہ کی مدد آ گئی ہے۔ یہ جبریلؑ ہیں اپنے گھوڑے کی لگام تھامے آگے آگے چل رہے ہیں ان کے جوڑوں پر گرد و غبار ہے۔ پھر آپ ﷺ آگے بڑھے۔ آپ ﷺ یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے۔

﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ﴾ (القمر: ۵۴: ۴۵)

"عنقریب یہ جتھا شکست کھا جائے گا اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گا"

پھر آپ نے ایک مٹھی کنکر لی اور شاھت الوُجوہ (چہرے بگڑ جائیں) کہتے ہوئے مشرکین کے چہروں پر دے ماری۔ اللہ کی قدرت کوئی مشرک نہ بچا کہ جس کی آنکھوں اور ناک میں یہ مٹی نہ گئی ہو۔

اس کے بعد آپ نے عام حملے کا حکم دیا اور بذات خود آگے بڑھ کر لشکر کی قیادت سنبھال لی۔ اہلِ ایمان آپ ﷺ کو اپنے اندر پا کر مسرور ہوئے اور انتہائی جذبے سے لڑتے ہوئے مشرکین کی گردنیں کاٹنے لگے۔

Marfat.com

ابوجہل کا قتل

اسی دوران دو انصاری جوانوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے ابوجہل کی بابت پوچھا۔ یہ مُعَوّذ اور معاذ تھے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اشارے سے انھیں ابوجہل دکھادیا۔ وہ دونوں جوان مثلِ برق اس سمت بڑھے اور آناً فاناً ابوجہل پر حملہ آور ہو گئے۔ ایک نے ٹانگ پر حملہ کیا اور پہلے ہی وار میں کاٹ دی جب کہ دوسرے نے بری طرح زخمی کر دیا۔ اسی دوران یہ بچے بھی زخمی ہوئے لیکن جوش وخروش سے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ ایک نے کہا دشمنِ خدا ابوجہل کو میں نے قتل کیا ہے دوسرے نے کہا یہ کام میں نے کیا ہے۔ آپؐ نے دونوں کی تلواریں دیکھیں اور فرمایا دونوں نے قتل کیا ہے۔ (معوذ اسی غزوہ میں شہید ہو گئے جب کہ معاذ حضرت عثمانؓ کے دور تک زندہ رہے) معرکہ ختم ہوا تو نبی ﷺ کے حکم پر عبداللہ بن مسعودؓ نے ابوجہل کا سر قلم کیا۔ اس موقع پر چودہ مسلمان شہید ہوئے۔ جن میں چھ مہاجرین اور آٹھ انصار شامل تھے۔ ان سب کو میدانِ بدر میں دفن کر دیا گیا۔

مشرکین کے ستر آدمی مارے گئے ستر گرفتار ہوئے۔ مقتولینِ مکّہ کو ایک اندھے کنوئیں میں ڈال دیا گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے تین روز تک بدر میں قیام کیا اور پھر مدینہ کی طرف چل پڑے۔

Marfat.com

جنگِ بدر کی عظیم آزمائش

جنگِ بدر پہلا موقع تھا جب اہلِ ایمان اپنے ہی نسبی بھائیوں اور قرابت داروں کے مقابل صف آرا ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو قتل کیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کا مقابلہ کیا۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ نے اپنے بھائی کے خلاف تلوار اٹھائی۔ نبی ﷺ کے چچا گرفتار ہوئے۔ یوں قرابت کے تعلقات ٹوٹ گئے۔ یہ اس بات کا واضح اعلان تھا کہ آج عقیدے نے نسل و نسب پر برتری حاصل کر لی ہے۔

مدینہ کی راہ میں

رسول اللہ ﷺ فاتحِ بدر کی حیثیت سے مدینہ کے لیے چل پڑے۔ آپؐ کے ساتھ مالِ غنیمت اور قیدی بھی تھے۔ راستے میں ہی غنیمت کے احکام نازل ہوئے۔ آپؐ نے خمس نکال کر بقیہ مال مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ راستے ہی میں نضر بن حارث کو اور آگے چل کر عقبہ بن ابی معیط کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ دونوں قتل کر دیے گئے۔ مقامِ روحاء پر مدنی مسلمان آپؐ کے استقبال کے لیے موجود تھے۔ سب کے دل خوشی سے معمور تھے۔ سب کے سر رب کے حضور عجز و نیاز سے جھکے ہوئے تھے۔ دشمنانِ اسلام پر اسلام کا رعب قائم ہو چکا تھا۔ اسی موقع پر عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے اسلام کی شوکت سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا لیکن یہ اسلام ان کے دل میں جگہ نہ بنا سکا۔

Marfat.com

قیدیوں کا قضیہ

جب رسول اللہ ﷺ مدینہ پہنچے تو آپؐ نے قیدیوں کے بارے میں مشورہ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ کی رائے تھی کہ ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔عین ممکن ہے کہ یہ ایمان لائیں اوران کی نسلیں مسلمان بنیں جب کہ حضرت عمرؓ کی رائے تھی کہ انھیں اپنے اپنے مسلم ورثاء کے سپرد کیا جائے جوانھیں قتل کر دیں۔چوں کہ سورۃ محمد کی آیات نازل ہو چکی تھیں جن میں قیدیوں کو فدیہ کے بدلے یا بہ طور احسان رہا کرنے کا عندیہ تھا لہٰذا آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے کو پسند فرمایا۔

اس پر مشرکین مکہ نے پروپیگنڈے کا طوفان کھڑا کر دیا۔کہنے لگے کہ دیکھو خود اپنے ہی بھائیوں کو گرفتار کر لیا اوراب ان سے فدیہ بٹورنے کے چکر میں ہیں۔ایسا ہی پروپیگنڈا انہوں نے اس سے پہلے بھی کیا تھا جب اتفاقیہ طور پر مسلمانوں نے قریش کا ایک آدمی رجب میں ہلاک کر دیا تھا۔ چناں چہ وہاں بھی وحی کے ذریعے ان کے پروپیگنڈے کا استیصال کیا گیا۔یہاں بھی وحی کے ذریعے اللہ رب العالمین نے اس پروپیگنڈے کا پردہ چاک کیا اوراہلِ ایمان کو اطمینان اوردلاسا دیا۔فرمایا!

﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ۭ
تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ
لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ
فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۡ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

(انفال ۸: ٦٧ تا ٦٩)

Marfat.com

''نبی (ﷺ) کی یہ شان نہیں کہ وہ محض قیدی پکڑنے کے لیے زمین میں خون ریزی کرے۔ (اے مشرکینِ مکہ!) یہ تم ہو جو دنیا کی چاہت میں مبتلا ہو۔ جب کہ اللہ کی چاہت آخرت ہے اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ اگر اللہ کا نوشتہ (قیدیوں کے سلسلے میں) پہلے سے موجود نہ ہوتا تو جو روش تم نے اختیار کی اس کے باعث تم پر عذاب عظیم آدھمکتا۔ پس (اے اہل ایمان) جو مالِ غنیمت تم نے حاصل کیا ہے اس کو حلال وطیب سمجھ کر کھاؤ، برتو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔''

(ترجمہ از تدبر قرآن)

علامہ ابنِ قیمؒ اس ضمن میں لکھتے ہیں۔

''اس تجویز (یعنی قیدیوں سے فدیہ لینے) پر عمل کرنے سے اسلام کو خیرِ عظیم میسر آئی۔ ان قیدیوں میں سے بہت سے قیدی مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ان کی نسلوں میں بڑے بڑے جلیل القدر اشخاص پیدا ہوئے جنھوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے گلشنِ اسلام کو سدابہار کر دیا۔ نیز فدیہ کی رقم سے مسلمانوں کو بڑی مالی تقویت پہنچی اور سب سے بڑی بات یہ کہ صدیق اکبرؓ کی تجویز پر پہلے نبی رحمت ﷺ نے مُہرِ تصدیق ثبت کی اور آخر کار اللہ تعالیٰ نے بھی اس کے مطابق عمل برقرار رکھا۔ حضرت صدیق اکبرؓ کی نگاہِ حقیقت بین کی عظمت کا کون اندازہ لگا سکتا ہے کہ آپ نے پہلے ہی وہ بات کہی جس پر آخر کار اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوا''۔ ۵۳

Marfat.com

بدر کے بعد کے واقعات

بدر کے موقع پر کامیابی کا چرچا جنگل میں آگ کی طرح اطراف واکناف عرب میں پھیل گیا اور مشرکین پر مسلمانوں کا رعب قائم ہو گیا۔ اس ساکھ کو قائم رکھنے کے لیے اور اس رعب کو مزید تقویت دینے کے لیے یہ ضروری تھا کہ مسلمانوں کا اقدامی طرزِ عمل ابھی جاری رہے۔ ادھر حالات میں ایسی تبدیلیاں پیدا ہونا شروع ہوئیں کہ اہلِ اسلام کو ایک اچھا موقع ہاتھ آ گیا۔

غزوہ بنوقینقاع

اطرافِ مدینہ میں تین یہودی قبائل صدیوں سے بس رہے تھے۔ یہ لوگ مدینہ کی معاشرت میں رچ بس چکے تھے اور انھیں اسی ماحول کا حصہ سمجھا جاتا تھا۔ یہ تینوں قبائل بنوقینقاع، بنونظیر اور بنوقریظہ کے نام سے مشہور تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں وُرود کیا تو پہلے ہی مرحلہ پر انصار و مہاجرین کے ساتھ ساتھ یہود کی طرف بھی توجہ فرمائی اور انھیں ایک دفاعی معاہدے کا پابند کر دیا۔ اس معاہدے کے تحت یہود شہر مدینہ کی حفاظت میں مسلمانوں کا ساتھ دینے کے پابند تھے لیکن یہود نے اس معاہدے پر کبھی بھی دل سے عمل کیا نہ ہی اسے تسلیم کیا۔

بدر سے واپسی کے بعد خصوصاً بنوقینقاع کی شرارتوں کا سلسلہ بڑھ گیا۔ ایک روز سرِ بازار ایک یہودی نے ایک مسلم عورت کو چھیڑا جس پر قریب ہی موجود ایک مسلم اور یہودی کا جھگڑا ہو گیا۔ مسلم کی ضرب سے یہودی چل بسا اور بازار میں بلوہ ہو گیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے بنوقینقاع کا محاصرہ کر لیا۔ پندرہ دن کے بعد انھوں نے ہتھیار ڈال دیے اور انھیں اذرعات شام کی طرف جلاوطن کر دیا گیا۔

غزوہ سویق

ادھر مکہ کا نیا قائد ابوسفیان مسلمانوں کے خلاف خار کھائے بیٹھا تھا۔ اس کی بیوی اسے روز طعنے دیتی اور سردارانِ قریش کے قتل کا بدلہ لینے پر اکساتی۔ جب کہ اس نے بھی قسم کھائی تھی کہ جب تک بدلہ نہ لے لے چین سے نہیں بیٹھے گا۔ چناں چہ دوسو چھاپہ ماروں کے ساتھ مدینہ کے اطراف میں عریض کے مقام پر حملہ آور ہوا۔ کھجور کے کچھ درخت کاٹے اور دو آدمیوں کو قتل کر دیا۔

شور اور ہنگامہ سن کر آپؐ نے بذاتِ خود تعاقب کیا لیکن وہ ہاتھ نہ آیا۔ البتہ بھاگتے ہوئے اپنے ستو چھوڑ گیا جسے مسلمان اٹھا لائے اسی لیے اس مہم کو غزوہ سویق کہا جاتا ہے۔

کعب بن اشرف کا قتل

یہ شخص ایک مال دار یہودی شاعر تھا۔ اپنے اشعار اور سازشوں سے مسلمانوں کو تنگ کرتا اور لغویات بکتا رہتا تھا۔ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی فتح اسے ایک آنکھ نہ بھائی اپنی خباثت لے کر قریشِ مکہ کے پاس جا پہنچا اور انہیں اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔

نبی ﷺ کو برابر اس کی شرارتوں کی اطلاعات پہنچتی رہیں۔ چناں چہ ایک مناسب موقع پر آپؐ نے صحابہ سے فرمایا ''کون ہے جو کعب بن اشرف سے نمٹے ......؟ جواب میں محمد بن مسلمہؓ، عباد بن بشیرؓ، ابو نائلہؓ، حارث بن اوسؓ اور ابوعبس بن جبیرؓ نے اپنی خدمات پیش کیں۔ محمد بن مسلمہؓ کو امیر مقرر کیا گیا۔ انہوں نے نبی ﷺ سے اجازت چاہی کہ کعب بن اشرف کو پھنسانے کے لیے کوئی چال چلی جائے۔ آپؐ نے اجازت دی۔

اس کے بعد وہ کعب کے پاس آئے اور نبی ﷺ کی جانب اشارتاً کہا کہ یہ شخص ہم

سے صدقات مانگتا ہے اور ہمیں مشقت میں ڈال دیا ہے۔ کعب خوش ہوا...... اور کہا ابھی تم اور بھی تنگ ہو گے۔ محمد بن مسلمہ نے بطور قرض گیہوں یا کھجور کا مطالبہ کیا اور اپنے ہتھیار بطور رہن رکھنے کا عندیہ دیا۔ اس کے بعد ابو نائلہ آئے انہوں نے بھی یہی بات کہی۔ چناں چہ وقت طے ہوا۔ یہ لوگ رات کی تاریکی میں ہتھیار لے کر کعب بن اشرف کے قلعے کی طرف روانہ ہوئے۔ وہ چوں کہ شبِ زفاف منا رہا تھا اس لیے خوب عطر لگایا تھا اور شراب کے نشے میں دُھت تھا اس لیے ان کے عزائم نہ بھانپ سکا۔ یہ لوگ چہل قدمی کے لیے چل پڑے۔ راستے میں اس کے عطر کی تعریف کرتے رہے اور باری باری اس کے سر کو سونگھتے رہے۔ ایک جگہ موقع لگا تو اس پر دھاوا بول دیا اور کام تمام کر دیا اور محفوظ طریقے سے واپس مدینہ پہنچ گئے۔

سریہ قردہ

جمادی الاولیٰ ۳ ہجری قریش نے اپنی تجارتی حکمتِ عملی کو یکسر تبدیل کر دیا۔ مدینہ کے قریب سے گزرنے والی شاہراہ کو ترک کر کے بالکل مخالف سمت میں عراق کے راستے شام کے لیے ایک تجارتی قافلہ روانہ کیا۔ ان کے خیال میں یہ راستہ دُور اور دشوار تو تھا لیکن محفوظ تھا۔ اس کی قیادت صفوان بن امیہ کر رہا تھا لیکن قریش حیران رہ گئے بلکہ ان کے قویٰ اور اعصاب معطل ہو گئے جب انھیں خبر ملی کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم پر حضرت زید بن حارثؓ ایک تیز رفتار دستہ لے کر اس قافلے پر قردہ کے مقام پر قہرِ خداوندی بن کر ٹوٹے اور سارا مال و اسباب قبضے میں کر لیا۔ البتہ سب لوگ فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ قافلہ کے مالِ غنیمت کی مقدار ایک لاکھ درہم تھی اور یہ غزوۂ بدر کے بعد سب سے بڑی مالی اور نفسیاتی ضرب تھی۔

Marfat.com

غزوۂ اُحد (شوال ۳ ہجری)

قریش ابھی بدر کے زخم چاٹ رہے تھے اور آسودہ نہ ہوئے تھے کہ صفوان بن امیہ ایک اور قافلہ لٹنے کی خبر لے کر مکہ پہنچ گیا۔ ایک کہرام مچ گیا۔ مکہ جس کی معیشت تجارت ہی پر منحصر تھی۔ مسلمان اُس کا گلا گھونٹنے چلے تھے۔ چناں چہ قائدینِ قریش اکٹھے ہوئے اور ایک اور میدان سجانے کی بابت مشورہ ہونے لگا۔ طے ہوا کہ اب کی بار فیصلہ کن ضرب لگائی جائے۔ لشکر منظّم کرنے کی ذمہ داری ابوسفیان کے سر رہی اور اس میں ابوسفیان سے بڑھ کر اس کی بیوی نے کردار ادا کیا۔ تین ہزار کا لشکرِ جرار تیار ہوا۔ تین سو اونٹ دو سو گھوڑے اور سات سو زرہیں تھیں۔ اس لشکر کی اہم بات اس میں خواتین کی شمولیت تھی جو ابوسفیان کی بیوی ہند کی قیادت میں سرگرمِ عمل تھیں۔ ہند بار بار یہ اشعار پڑھ کر مردوں کو غیرت دلاتی:

نحن بنات الطارق   نمشی عن نمارق
ان تقبلوا نعانق   او تدبروا نفارق
فراق غیر وامق

''ہم ستاروں کی بیٹیاں ہیں، کہکشائیں ہماری روِش ہیں اگر تم فتح مند آ ؤ تو گلے لگائیں اور بھاگ آ ؤ تو تم سے الگ ہو جائیں۔ ایسی علیحدگی کہ پھر کبھی ملن نہ ہو''

اُدھر رسول ﷺ کو لشکر کی آمد سے کچھ دن پہلے اطلاعات مل چکی تھیں اور غزوۂ قردہ کی کامیابی کے بعد ممکن ردِ عمل کا اندازہ بھی تھا چناں چہ آپ نے مجلسِ شوریٰ طلب فرمائی اور اُن کے سامنے قریش کی ساری اطلاعات رکھ دیں اور ساتھ ہی یہ عندیہ بھی دیا کہ مدینہ کے اندر رہ کر مقابلہ کیا جائے تو بہتر ہو گا لیکن جوانوں نے جوشیلی بات

Marfat.com

کہی ۔خصوصاً جو لوگ بدر کے معرکے سے محروم رہے تھے ان کے دلوں کی کسک انھیں باہر نکل کر مقابلہ کرنے پر مجبور کر رہی تھی ۔رسول اللہ ﷺ نے جب محفل کا رنگ دیکھا تو گھر تشریف لے گئے اور زرہ پوش واپس تشریف لائے ۔اتنے میں بزرگ صحابہ نے نوجوانوں کی تادیب کی اور رسول اللہ ﷺ کی رائے ماننے کے لیے کہا ۔چناں چہ جب آپ واپس تشریف لائے تو نوجوانوں نے آپؐ سے درخواست کی کہ مدینہ میں ہی دفاع کیا جائے لیکن آپ نے فرمایا کہ نبی کے لیے جائز نہیں کہ ایک دفعہ زرہ پہن کر پھر اسے اُتار دے۔اب باہر جا کر ہی مقابلہ ہوگا۔

لشکر روانہ ہُوا۔ایک دن اور کچھ رات چلنے کے بعد پڑاؤ کیا۔بعد از فجر جب دوبارہ چلے تو عبداللہ بن ابی نے یہ بہانہ بنا کر کہ اس کی رائے کو اہمیت نہیں دی گئی بغاوت کردی اور اپنے تین سو ساتھیوں سمیت واپس مدینہ کی طرف پلٹ گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے دشمن کو مغرب کی جانب چھوڑا اور انتہائی مشرق میں اُحد پہاڑ کے سرے پر جب اُحد کی بلندیاں آپ کی پشت پر تھیں پڑاؤ کیا اس طرح مسلمانوں اور مدینہ کی راہ میں دشمن حائل ہوگیا۔

یہیں آپ نے عبداللہ بن جُبیر انصاریؓ کو پچاس تیر اندازوں سمیت پہاڑی درے پر مامور کیا اور حکم دیا کہ اگر پرندے لشکر کی بوٹیاں نوچیں تب بھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹنا۔

مبارزت اور قتال

دونوں لشکر قریب آئے تو مشرکین کے علمبردار اور قریش کے سب سے بہادر شخص طلحہ بن ابی طلحہ عبدری نے مسلمانوں کو للکارا اور مقابلے کی دعوت دی۔ وہ اونٹ پر

Marfat.com

سوار تھا۔ جواب میں حضرت زبیر بن العوامؓ بجلی کی طرح کوندے اور چشم زدن میں اسے ذبح کر کے رکھ دیا۔ اس پر نبی ﷺ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے۔ پہلے ہی ہلّے میں میدان پر مسلمانوں کی گرفت قائم ہوگئی۔ ان کے قدم جم گئے جب کہ مشرکین کے قدم اکھڑنے لگے۔ اور وہ ہوتے ہوتے عورتوں کے خیموں تک پہنچ گئے۔ یہ دیکھ کر عورتیں اپنے خیموں سے باہر آ گئیں اور مشرکین کو مقابلے پر ابھارنے لگیں لیکن مسلمانوں کے حملے کی تاب نہ لا کر مشرکین الٹے پاؤں پھر گئے اور بھاگنا شروع کر دیا اسی بھاگ دوڑ کے دوران وحشی بن حرب نے تاک کر حضرت حمزہؓ کو نیزہ مارا جو اُن کے سینے میں پیوست ہو گیا اور وہ گر گئے اور جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ بہ ہر حال مشرکین مرد اور عورتیں بھاگ رہے تھے جب کہ مسلمان ان کا تعاقب کر رہے تھے۔

اس موقع پر تیر اندازوں نے دیکھا کہ میدانِ جنگ مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا ہے؛ فتح مل چکی ہے۔ چناں چہ انہوں نے اپنا مقام چھوڑ دیا اور مالِ غنیمت سمیٹنے میں مصروف ہو گئے اسی چکر میں پچاس میں سے چالیس آدمی پہاڑ سے نیچے اتر آئے۔ جب کہ باقی دس اپنے قائد عبداللہ بن جُبیر انصاریؓ کی قیادت میں اپنے مورچے پر ڈٹے رہے اور بقیہ لوگوں کو بھی اپنی جگہ ٹھہرنے کی نصیحت کرتے رہے لیکن لوگ آگے جا چکے تھے۔

خالد بن ولید کا حملہ

خالد (جو اُس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے) دُور کھڑے میدانِ جنگ کا نظارہ دیکھ رہے تھے جیسے ہی انھیں احساس ہوا کہ مسلمان اہم مورچہ چھوڑ چکے ہیں وہ اپنے دو سو سواروں کے ساتھ تیزی سے آگے بڑھے اور دو تین میل چکر کاٹ کر پہاڑی

Marfat.com

درے سے نمودار ہوئے۔ عبداللہ بن جبیرؓ اپنے دس ساتھیوں کے ساتھ مزاحمت کے لیے موجود تھے لیکن جلد ہی یہ مزاحمت دم توڑ گئی اور یہ سب کے سب شہید ہو گئے۔ آپ ﷺ نے پہاڑ کے پیچھے سے خالد کو نمودار ہوتے دیکھا تو نہایت بلند آواز سے پکارا کہ اللہ کے بندو! میری طرف آؤ لیکن مشرکین قریب تھے اور مسلمان دُور چناں چہ اس آواز پر پہلے مشرکین آپؐ کی طرف متوجہ ہوئے اور آپؐ پر حملہ کر دیا۔ اس وقت آپؐ کے ہمراہ صرف نو اصحاب تھے...... سات انصاری اور دو مہاجر۔

اس شدید حملے سے بچاؤ کے لیے انہی ۹ اصحاب نے آپؐ کے گرد گھیرا بنا لیا اور آپؐ اور دشمن کے بیچ میں آہنی دیوار بن گئے۔ یہاں تک کہ ساتوں انصاری صحابہؓ شہید ہو گئے لیکن دشمن کو آپؐ تک نہ آنے دیا۔ اب صرف دو مہاجر صحابی طلحہ بن عبید اللہؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ رہ گئے۔ مشرکین نے اپنا حملہ رسول اللہ ﷺ پر مرکوز کر دیا یہاں تک کہ آپ ﷺ کو ایک پتھر لگا اور آپ ﷺ پہلو کے بل گر گئے اور آپ ﷺ کا نچلا دانت ٹوٹ گیا۔ خود کی کڑیاں پیشانی میں چبھ گئیں۔ کندھے پر بھی تلوار کی سخت ضرب لگی لیکن دوہری زرہ کی وجہ سے صرف تکلیف ہوئی زخم نہ لگا ادھر حضرت طلحہؓ آپ ﷺ کے سامنے ڈھال بنے کھڑے اپنے ہاتھوں اور جسم پر تیروں اور تلواروں کے زخم برداشت کرتے رہے۔ دوسری طرف حضرت سعد بن ابی وقاصؓ مسلسل تیر چلا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے تمام تیر سعدؓ کے لیے بکھیر دیے کیوں کہ وہ بہترین نشانہ باز تھے اور ایک تاریخی جملہ کہا جو اس سے پہلے اور بعد میں کبھی آپ ﷺ کی زبان مبارک پر نہ آیا۔

"تیر چلاؤ سعد ......! تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں"

اسی اثناء میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ابوعبیدہؓ بن جراح بھی پہنچ گئے اور پھر

Marfat.com

مسلمان آہستہ آہستہ سمٹ کر آپ ﷺ کی طرف آنے لگ گئے اور کفار کے حملے کا زور ٹوٹ گیا۔ اسی دوران حضرت مصعب بن عمیرؓ پر دباؤ بڑھ گیا۔ ان کے ہاتھ میں عَلَم تھا۔ مشرکین نے اس پر حملہ کیا اور کاٹ دیا تو علم دوسرے ہاتھ میں لے لیا۔ جب دوسرا بھی کٹ گیا تو بازو میں لے کر سینے سے لگا دیا لیکن گرنے نہ دیا۔ اسی حالت میں شہید کر دیے گئے۔ حضرت مصعبؓ حضور ﷺ کے ہم شکل تھے اس بناء پر آپ ﷺ کی شہادت کا شور مچ گیا۔ اس سے ایک طرف مومنین میں غم اور بد دِلی پھیل گئی تو دوسری طرف مشرکین کا بھی زور ٹوٹ گیا اور ان کے خیال میں ان کا مقصد پورا ہو گیا۔

مسلمان بد دِلی کا شکار ہوئے تو کچھ نے ہتھیار پھینک دیے اور کہا کہ اب لڑائی کا کیا فائدہ۔ کچھ مدینہ کی طرف چل دیے اور کچھ جوش میں آ کر شہادت کی تمنا لیے دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ اتنے میں حضرت کعبؓ بن مالک کی نظر رسول اللہ ﷺ پر پڑی تو انہوں نے نعرہ لگایا مسلمانو......! خوش ہو جاؤ یہ ہیں اللہ کے رسول۔ مسلمان سمٹنا شروع ہو گئے اور ہوتے ہوتے رسول اللہ ﷺ تک پہنچ گئے۔ آپؐ کا چہرۂ انور خون آلود تھا جب کہ باقی جسم گرد و غبار سے اٹا پڑا تھا۔ مشرکین کے نرغے سے نکل کر مسلمانوں نے پہاڑی گھاٹی میں سکون لیا۔ اس دوران مشرکین کو جرأت نہ ہوئی کہ وہ آگے بڑھ سکیں البتہ میدانِ جنگ میں پڑی شہدا کی لاشوں پر انھوں نے اپنا غصہ نکالنا شروع کر دیا۔ ابوسفیان کی بیوی ہند نے حضرت حمزہؓ کی لاش کا مثلہ بنایا اور کلیجہ نکال کر چبایا۔

اس معرکے میں ۷۰ مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا اور کہا جاتا ہے کہ ۲۷ مشرکین واصلِ جہنم ہوئے۔ اُدھر جب کچھ اطمینان ہوا تو حضرت علیؓ نے رسول اللہ ﷺ کے زخموں کو دھویا اور صاف کیا۔ محمد بن مسلمہؓ میٹھا پانی لے کر آئے۔ آپؐ نے نوش فرمایا اور انھیں دُعا دی۔

Marfat.com

ابوسفیان کی گفتگو

جب مشرکین واپسی کے لیے تیار ہوئے تو نہ جانے کس خیال سے ابوسفیان گھاٹی کی طرف بڑھا اور بآواز بلند گویا ہوا۔ کیا تم میں محمدؐ ہیں؟ کسی نے کوئی جواب نہ دیا اس نے پھر کہا کیا تم میں ابوقحافہ کے بیٹے ابوبکرؓ ہیں؟ کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے پھر کہا کہ تم میں عمر بن خطابؓ ہیں کسی نے جواب نہ دیا۔ انھیں نبی ﷺ نے جواب دینے سے منع کر رکھا تھا۔ اب ابوسفیان نے کہا اچھا چلو۔ اب ان تینوں سے تو فرصت ہوئی۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ بے قابو ہو گئے۔ بولے "او اللہ کے دشمن جن کا تُو نے نام لیا وہ سب زندہ ہیں اور ابھی اللہ نے تیری رسوائی کا سامان باقی رکھا ہے"۔

پھر ابوسفیان نے چند اور بڑھکیں لگائیں اور آئندہ سال بدر کے مقام پر لڑنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔ مشرکین اونٹوں پر سوار ہوئے اور گھوڑوں کو ساتھ باندھ لیا۔ گویا ان کا قصد مکہ تھا۔ اللہ نے اُن کے دل مدینہ سے پھیر دیے تھے۔ دوسری طرف مسلمان...... زخمیوں اور شہدا کی خبر گیری کرنے لگے۔

اس کے بعد زخموں سے چُور اور تھکا ماندہ لشکر انتہائی ترتیب اور تنظیم کے ساتھ مدینہ کی طرف چل پڑا۔ شام کو مدینہ پہنچا اور رات بھر پہرہ بھی دیا۔

غزوہ حمراء الاسد

صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ دشمن کے تعاقب کے لیے چلنا ہے اور صرف وہی چل سکتا ہے جو اُحد میں شریک تھا۔ ادھر مشرکین کو مقام روحا پر اپنی غلطی کا احساس ہوا اور واپس پلٹ کر مدینہ پر حملہ کی تیاری کرنے لگے لیکن جب انھیں رسول اللہ ﷺ

Marfat.com

کے تعاقب کی خبر ملی تو ان کے عزائم ٹوٹ گئے اور انہوں نے واپسی کی راہ لی۔

غزوۂ احد پر تبصرہ

حربی نقطۂ نظر سے کسی جنگ میں فتح وشکست کے کچھ پیمانے مقرر ہوتے ہیں۔ مثلاً دشمن کی فوج تہس نہس کر دینا، اچھی خاصی تعداد گرفتار کر لینا، قیادت قتل کر دینا، یا دشمن کے علاقے پر قبضہ کر لینا۔ اس لحاظ سے غزوۂ بدر کا جائزہ لیا جائے تو وہاں دشمن کی فوج کو تہس نہس کر دیا گیا، ابوجہل سمیت تقریباً سبھی موجود سردار قتل ہوئے، ۷۰ سرکردہ افراد گرفتار ہوئے اور جس جگہ جنگ ہوئی تھی وہ عملاً مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئی۔ اس رُو سے یہ مسلمانوں کی واضح فتح اور برتری تھی اور مشرکین نے یہاں عبرت ناک شکست کھائی۔

اس پیمانہ پر اگر غزوۂ احد کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں لڑائی کے پہلے مرحلہ میں مسلمانوں نے واضح طور پر میدان مار لیا تھا لیکن چند افراد کی غلطی کی وجہ سے لڑائی کا پانسہ پلٹ گیا اور مسلمانوں کو خاصا جانی نقصان ہوا لیکن بات یہیں تک محدود ہے اس کو شکست قرار نہیں دیا جا سکتا کیوں کہ مسلمانوں کی فوج وقتی بدنظمی کے بعد فوراً ہی دوبارہ منظّم اور مرتب ہو گئی۔ یہاں تک کہ دشمن کا تعاقب بھی شروع کیا۔ سپہ سالار لشکر محفوظ رہے۔ ایک بھی مسلمان قیدی نہ بن سکا اور نہ ہی مسلمانوں کا کوئی علاقہ دشمن کے قبضہ میں آ سکا یہی وجہ ہے کہ قرآنِ پاک نے اسے محض تکلیف اور نقصان قرار دیا......شکست سے تعبیر نہیں کیا۔

Marfat.com

اُحد کے بعد کے حالات

اُحد میں مسلمانوں کو جو زخم لگے اس کے اثرات دنیائے اسباب میں بھی ظاہر ہوئے اور ارد گرد کے قبائل جو اسلام کے رعب میں آ چکے تھے اپنے تئیں شیر ہونے لگے۔ عضل اور قارہ کے کچھ لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام کی بابت دریافت کیا اور درخواست کی کہ کچھ مبلغین ہماری طرف ارسال فرمائیں۔ چناں چہ آپ نے حضرت عاصم بن ثابت کی امارت میں دس صحابہ کو روانہ کیا۔ رجیع کے مقام پر ان کے ساتھ غداری کی گئی۔ دھوکے سے ان کو گھیر لیا گیا۔ آٹھ کو قتل کر دیا گیا اور باقی دو صحابہ یعنی خبیب بن عدی اور زید بن دثنہ کو مکہ جا کر فروخت کر دیا گیا۔ یہ دونوں اصحاب مکہ میں مشرکین کے ہاتھوں قتل ہوئے۔

بئر معونہ کا المیہ

ابو براء عامر بن مالک خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ اس پر اسلام پیش کیا گیا اس نے قبول تو نہ کیا لیکن آمادگی ظاہر کی اور اپنے قبیلے میں دعوت و تبلیغ کے لیے افراد کا مطالبہ کیا۔ چناں چہ آپ ﷺ نے ستّر صحابہ کو فریضۂ تبلیغ کے لیے بھیج دیا۔ معونہ کے کنویں پر ان سے غداری کی گئی اور سب کے سب شہید کر دیے گئے۔ صرف حضرت کعب بن زیدؓ اور حضرت عمرو بن امیہ ضمری بچ رہے اور آ کر حضور ﷺ کو اطلاع دی۔ آپ ﷺ کو شدید رنج پہنچا اور آپ ﷺ نے ایک ماہ تک قاتلوں کے لیے فجر میں قنوتِ نازلہ پڑھی اور بددعا کی۔

غزوہ بنی نضیر (ربیع الاول ۴ ہجری)

اسی اثناء میں آپ ﷺ مقتولین کی دیت کے مسئلے پر گفتگو کے لیے بنونضیر تشریف لے گئے۔ انہوں نے خوب آؤ بھگت کی۔ بٹھایا لیکن جب یہ علیحدہ ہوئے تو ان پر شیطان سوار ہو گیا۔ اپنا ایک آدمی مامور کیا کہ چھت پر چڑھ کر آپ ﷺ پر بھاری سِل گرا دے۔ جبریلِ امینؑ نے آپ ﷺ کو ان کے مذموم منصوبے کی اطلاع دی آپ ﷺ وہاں سے اٹھ آئے۔ صحابہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ ہو لیے۔ مدینہ پہنچ کر آپ ﷺ نے بنونضیر کو مدینہ خالی کرنے کے لیے دس دن کا نوٹس دے دیا۔ وہ جانے کی تیاری کر رہے تھے کہ عبداللہ بن اُبی پہنچ گیا اور انھیں کہا کہ ڈٹ جاؤ میں ۲ ہزار مردانِ حرب کے ساتھ تمہارے قلعوں میں داخل ہو جاؤں گا اور تمہارا کوئی کچھ نہ بگاڑ سکے گا یہ دیکھ کر بنونضیر کی جان میں جان آئی اور انہوں نے کہلا بھیجا کہ ہمارا تو جانے کا کوئی ارادہ نہیں۔ آپ ﷺ نے جو کچھ کرنا ہے کر لیں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے صدائے تکبیر بلند کی۔ صحابہ نے بھی پیروی کی۔ مدینہ کا انتظام حضرت عبداللہ ابنِ مکتومؓ کے سپرد کیا۔ جھنڈا حضرت علیؓ کے سپرد کیا اور بنونضیر کا محاصرہ کر لیا۔ بنونضیر نے قلعہ بند ہو کر ابتدائی مزاحمت کی لیکن جب محاصرہ طول پکڑ گیا اور عبداللہ بن اُبی اور بنوقریظہ میں سے کوئی بھی مدد کو نہ آیا تو اس شرط پر صلح کر لی کہ وہ مدینہ سے جلاوطن ہو جائیں گے۔ اس طرح انہوں نے اپنے ہی ہاتھوں اپنے گھروں کو اکھاڑا اور خیبر کی طرف منتقل ہو گئے۔

Marfat.com

غزوۂ بدر دوم

بیان کیا جا چکا ہے کہ ابوسفیان نے اُحد کے موقع پر بدر کی لڑائی کا وعدہ کیا تھا چناں چہ شعبان ۴ ہجری میں رسول اللہ ﷺ ڈیڑھ ہزار کی جمعیت لے کر بدر پہنچ گئے۔ آٹھ روز تک ابوسفیان کا انتظار کیا وہ بھی مکہ سے لگ بھگ دو ہزار کی نفری لے کر چل پڑا لیکن بددلی کا شکار تھا۔ چناں چہ خشک سالی اور خراب موسم کا بہانہ بن کر راستے ہی سے واپس ہو گیا۔ چناں چہ مسلمان بامراد و کامران واپس آئے اور آس پاس کے قبائل پر اہلِ اسلام کی دھاک بیٹھ گئی۔

Marfat.com

غزوۂ خندق (شوال ۵ ہجری)

غزوہ بنونضیر کے بعد قریباً ڈیڑھ سال تک جزیرۃ العرب میں امن وامان کی کیفیت رہی لیکن یہود کو اس سے تکلیف تھی۔ ان کے خیال میں مشرکینِ مکّہ اور مسلمانوں کی باہم کش مکش میں ہی ان کی زندگی تھی۔ مکروفریب کا یہ منصوبہ لے کر خیبر کے یہودیوں کا ایک نمائندہ وفد قریشِ مکہ سے ملاقات کرنے گیا اور انھیں مسلمانوں کے خلاف فیصلہ کُن معرکے پر تیار کیا۔ پھر یہی وفد بنوغطفان کے پاس گیا۔ انہوں نے بھی بات مان لی اس کے بعد یہ لوگ دوسرے قبائل کی طرف بھی گئے۔ اس طرح مقررہ وقت پر پورا عرب مدینہ کی سمت اُمڈ آیا۔ مشرکینِ مکّہ کی تعداد چار ہزار تھی جن کی کمان ابوسفیان کے پاس تھی۔ بنوغطفان اور دیگر قبائل کی تعداد چھ ہزار تھی۔

یہود کی اس حرکت اور سازش کا بروقت علم نبی ﷺ کو ہو چکا تھا۔ آپ ﷺ نے پیشِ آمدہ خطرات کے پیشِ نظر صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے اہلِ فارس کے جنگی نظائر کی بنیاد پر خندق کھودنے کا مشورہ دیا جسے پسند کیا گیا۔ مدینہ کے مشرق، مغرب اور جنوب میں لاوے کی چٹانیں ہیں اس لیے صرف شمال کی جانب سے لشکر مدینہ میں داخل ہوسکتا ہے۔ شمال کی جانب سے آنے والے راستے میں سب سے تنگ مقام منتخب کر کے وہاں خندق کھودنے کا فیصلہ کیا گیا۔ یہ فاصلہ تقریباً ایک میل بنتا ہے۔ نبیؐ نے دس دس صحابہ کو چالیس چالیس ہاتھ خندق کھودنے پر مامور کیا۔ خندق کی چوڑائی اتنی رکھی گئی کہ انسان یا گھوڑا اُچھلانگ لگا کر پار نہ کر سکے۔ جب کہ اتنی گہرائی کہ انسان ازخود باہر نہ نکل سکے۔ خندق کا ملبہ اندر کی طرف جمع کیا گیا تا کہ مشرکین کو خندق

Marfat.com

بھرنے کے لیے دستیاب نہ ہو سکے۔ خندق کی کھدائی میں بعض اوقات سخت مواقع بھی آئے۔ خوراک کی کمی کے باعث بھوک شدت اختیار کر گئی جس سے نقاہت، کمزوری اور تھکاوٹ ہونا فطری بات ہے لیکن اس کے باوجود مسلمان، ایمان عزم اور توکّل کی بنیاد پر کام کرتے رہے۔ رسول اللہ ﷺ بذات خود تمام مراحل میں شریک رہے بلکہ جہاں مشکل پیش آتی صحابہ کی نگاہیں آپ ﷺ کو تلاش کرتیں۔ حضرت جابرؓ اور ان کے ساتھیوں کے حصے میں ایک سخت چٹان آ گئی۔ نبی ﷺ سے کہا گیا۔ آپؐ نے کدال ماری وہ بھربھری ریت کی مانند ہو گئی۔ اسی طرح چند صحابہ کو چٹان کا سامنا ہوا آپ نے اتر کر بسم اللہ کہا اور کدال ماری ایک ٹکڑا کٹ گیا اور ایک چنگاری نکلی آپ نے فرمایا:

”اللہ اکبر مجھے شام کی کنجیاں دی گئیں اور اِس وقت میں اُس کے سرخ محل دیکھ رہا ہوں۔“

اس کے بعد آپ نے دو ضربیں لگائیں اور ہر ضرب پر فارس، اور یمن کی فتح کی خوش خبری سنائی اور پوری چٹان کٹ گئی۔

لشکر آن پہنچے

غزوۂ احزاب پر قرآنِ پاک کا جو تبصرہ ہے اسے پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک پیش آنے والے سب معرکوں میں یہ سخت ترین معرکہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِذْ جَآؤُکُمْ مِّنْ فَوْقِکُمْ وَ مِنْ اَسْفَلَ مِنْکُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا هُنَالِکَ ابْتُلِیَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِیْدًا﴾ (احزاب: ۳۳: ۱۰ تا ۱۱)

Marfat.com

"جب وہ تمہارے اوپر اور تمہارے نیچے سے آئے اور جب دیدے پتھرا گئے اور کلیجے منہ کو آنے لگے اور تم اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ اس وقت مومنین کو آزمایا گیا اور انھیں شدت سے جھنجھوڑا گیا"

البتہ اہلِ ایمان اس پر ثابت قدم رہے۔ ان کے ایمان اور توکل میں اضافہ ہوا اور منافقین کی خباثت باہر آگئی اور ان کا ضعف آشکار ہو گیا۔ بہر حال جب لشکر مدینہ کے پاس پہنچا اور انہوں نے خندق دیکھی تو بھونچکا گئے اور غصے سے خندق کے اردگرد چکر لگانے لگ گئے۔ مسلمان تیار بیٹھے تھے۔ مشرکین کو تیروں کی ایک بھرپور باڑ کا سامنا کرنا پڑا اور وہ ہڑ بڑا کر پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔ مجبوراً انھیں محاصرہ کرنا پڑا حالاں کہ وہ اس کے لیے تیار ہو کر نہ آئے تھے۔ وہ تو اسے چند ثانیوں کا کھیل سمجھ رہے تھے کہ مدینہ کو تاراج کریں گے۔ جشنِ فتح منائیں گے اور دو چار روز ٹھہر کر واپس آجائیں گے۔ اب وہ روزانہ دن میں نکلتے اور خندق عبور کرنے کی کوشش کرتے لیکن مسلمان تیروں کی باڑ سے انھیں بھگا دیتے۔ اسی حالت میں کئی دفعہ مسلمانوں کی کئی نمازیں بھی فوت ہوئیں جو سورج غروب ہونے کے بعد ادا کی گئیں۔ حالات ابھی تک قابو میں تھے لیکن بنو نضیر کے سردار حیی بن اخطب، بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس آیا اور اسے معاہدہ توڑنے پر قائل کر لیا۔ بنو قریظہ کے باغات و مکانات مدینہ کے جنوب میں تھے جب کہ سارا مدنی لشکر شمال میں دشمن سے برسر پیکار تھا۔ چناں چہ بڑی خطرناک صورتِ حال پیدا ہو گئی اور مدینہ ایک نفسیاتی خوف کی لپیٹ میں آگیا۔ حالات کی تصدیق کے لیے نبی ﷺ نے حضرت سعد بن عبادہؓ اور چند دیگر انصار کو بنو قریظہ کی طرف بھیجا اور تاکید کی کہ اگر اچھی خبر ہو تو مجمع میں کھلم کھلا کہیں تاکہ لوگ حوصلہ پکڑیں اور اگر بری خبر ہو تو محض

Marfat.com

اشارہ کریں۔ وہ جب بنو قریظہ پہنچے تو انھیں خباثت پر اترا پایا اور یہ محسوس کر لیا کہ اب ان سے خیر کی توقع نہیں۔ واپس آئے اور صرف اتنا کہا "عضل وقارہ" یعنی جس طرح عضل وقارہ نے رجیع کے مقام پر بدعہدی کی تھی یہ بھی بدعہد ہو چکے ہیں۔

خود نبی ﷺ کو بھی اس کا شدید رنج اور قلق ہوا۔ آپؐ نے چادر مبارک منہ پر ڈال دی اور لیٹ گئے۔ پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے اٹھے اور مسلمانوں کو فتح ونصرت کی خوش خبری دی۔ انہی حالات میں نعیم بن مسعود اشجعیؓ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ یارسول اللہ ﷺ میرے ایمان سے ابھی میرا قبیلہ بے خبر ہے میرے لائق کوئی خدمت ہو تو حاضر ہوں۔ آپ نے فرمایا ان کے درمیان پھوٹ ڈالنے کی کوشش کرو۔ نعیم بنو قریظہ پہنچ گئے اور ان سے اس قسم کی گفتگو کی جس سے گویا ان کی ہم دردی اور قرابت جھلکتی ہو۔ پھر ناصحانہ انداز میں گویا ہوئے کہ دیکھو قریشِ مکہ اور بنو غطفان کا داؤ لگا تو مدینہ پر حملہ کر دیں گے اور نہ لگا تو واپس چلے جائیں گے لیکن تم نے تو یہاں ہی رہنا ہے۔ اس لیے اپنی حفاظت کا انتظام تم خود ہی کر لو۔ اگر تم قریش کی مدد کرنا چاہتے ہو تو بہتر یہی ہے کہ ان کے چند افراد بطور یرغمال اپنے پاس رکھ لو تا کہ قریش تمہیں چھوڑ کر بھاگنے کی پوزیشن میں نہ ہوں۔ بنو قریظہ کے سرداروں کو بات بھلی لگی۔ نعیم وہاں سے اٹھے اور سیدھے قریش کے پاس پہنچ گئے وہاں انھیں اپنی قرابت یاد دلائی اور پھر ایک اہم خبر کا انکشاف کرتے ہوئے کہا کہ بنو قریظہ اپنے کیے پر نادم ہیں اور محمد (ﷺ) سے دوبارہ بات بنانا چاہتے ہیں چناں چہ انہوں نے طے کیا ہے کہ وہ تم سے چند افراد کا مطالبہ کریں گے جنہیں وہ یرغمال بنالیں۔ بعد میں انہیں محمد (ﷺ) کے حوالے کر کے اپنا ریکارڈ صاف کر لیں گے۔ قریش کے کان کھڑے ہو گے۔ انہوں نے بنو قریظہ کو کہلا بھیجا کہ

بہت محاصرہ ہو گیا آج کی رات حملہ کرتے ہیں۔ بنو قریظہ نے جواب دیا آج سبت ہے آج تو معاف ہی رکھیں اور ہم حملہ میں اس وقت شریک ہوں گے جب آپ اپنے کچھ نوجوان ہمارے پاس بطور یرغمال رکھیں گے۔ قریش نے کہا واللہ نعیم نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ انہوں نے پیغام بھیجا کہ غلاموں کی بات تو رہنے ہی دیں اور ہم تو آج ہی حملہ کریں گے۔ بنو قریظہ کو بھی قریش کی مفاد پرستی کا احساس ہو گیا اور یوں ان کے درمیان پھوٹ پڑ گئی۔ رات اللہ تعالیٰ نے سخت آندھی بھیجی جس نے مشرکین کے خیمے اور چولہے الٹ دیے اور مشرکین بد دِل ہو کر خائب و خاسر واپس چل پڑے۔ صبح جب مسلمان بیدار ہوئے تو دیکھا کہ میدان صاف ہے اور دشمن واپس جا چکا ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا اب قریش تم پر چڑھائی نہیں کریں گے بلکہ تم ان پر حملہ کرو گے۔

غزوۂ احزاب پر قرآن کا تبصرہ اور اسوہ حسنہ

غزوۂ احزاب پر قرآن کا تبصرہ گزر چکا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت، بدر، اُحد بلکہ اب تک پیش آنے والے تمام سرد و گرم واقعات میں سب سے زیادہ شدید اور سخت معرکہ احزاب ہی کا تھا۔ جب دشمن چاروں طرف سے سمٹ کر آیا۔ آگے اور پیچھے سے مسلمان چکی کے دو پاٹوں میں گھر گئے۔ جب عورتیں اور بچے غیر محفوظ ہو گئے اور جب مدینہ میں قحط کی کیفیت قائم ہو گئی۔ جب خوف سے آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے اور جب کچے ایمان کے لوگ اللہ سے بدگمانی کا شکار ہو گئے۔ شدید ترین آزمائش میں رسول اللہ ﷺ بذاتِ خود موجود رہے۔ تمام حالات کا صبر و ثبات سے

Marfat.com

مقابلہ کرتے رہے۔ ہر مشکل وقت میں صحابہ کی قیادت فرمائی اور ہر تکلیف سب سے پہلے اپنے اوپر برداشت کی۔ ان حالات میں رب کو اپنے بندے کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ اسے قیامت تک آنے والی انسانیت کے لیے نمونہ کُل ٹھہرایا اور فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. ﴾ (احزاب)

''یقیناً رسول اللہ کی ذات تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے''

گویا جب بھی امت ایسے حالات سے دوچار ہو، چاروں طرف سے دشمن گھیر لیں۔ دوست دشمنی کی روش اختیار کر لیں اور دشمن اُمت کو مٹانے کے درپے ہو جائیں اور یوں محسوس ہو کہ اب تو بس خاتمہ ہی ہے، ایسے میں حالات کا مقابلہ کرنا، مزاحم قوتوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دین کا علَم بلند کیے رکھنا اور مخالف سمت میں بہتے دریا کو روکنے کی سعی کرنا رسول اللہ ﷺ کا اسوہ عظیم ہے جو رہتی انسانیت کے لیے روشنی کا مینار ہے۔

اللّٰهم صل علىٰ محمد النبی الامی وعلیٰ آله و صحبه اجمعین.

Marfat.com

غزوۂ بنو قریظہ (شوال/ذیقعدہ ۵ ہجری)

جس رات قریش میدان چھوڑ کر بھاگے اس کی صبح رسول اللہ ﷺ صحابہ کے ساتھ واپس تشریف لائے۔ ظہر کے وقت رسول اللہ ﷺ نے ہتھیار رکھ دیے اور حضرت اُم سلمہؓ کے مکان میں غسل فرما رہے تھے کہ جبرائیل امینؑ تشریف لائے اور فرمایا کیا آپؐ نے ہتھیار رکھ دیے ہیں حالاں کہ فرشتوں نے ہتھیار نہیں رکھے اور میں بھی قریش کا تعاقب کر کے بس واپس چلا آرہا ہوں۔ اٹھیے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ بنو قریظہ کا رخ کیجیے۔ میں آگے آگے جا رہا ہوں ان کے قلعوں میں زلزلہ برپا کر دوں گا اور ان کے دلوں میں رعب اور دہشت ڈال دوں گا۔

رسول اللہ ﷺ نے منادی کرادی کہ جو شخص سمع و طاعت پر قائم ہے وہ عصر کی نماز بنو قریظہ میں ادا کرے۔ مدینہ کا انتظام حضرت اُمِ مکتوم کو سونپا اور جنگ کا جھنڈا دے کر حضرت علیؓ کو آگے روانہ کیا۔ غرض مسلمان مختلف ٹولیوں میں بنو قریظہ پہنچنے لگے۔ راستہ میں دل چسپ صورت حال اس وقت پیدا ہوئی جب صحابہ میں یہ بحث چھڑ گئی کہ عصر کا وقت نکلا جا رہا ہے تو عصر پڑھ لیں یا وہاں پہنچ کر قضا کریں۔ ایک گروہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے چوں کہ حکم دیا کہ عصر بنو قریظہ میں ادا کرو لہٰذا ہم تو وہیں پہنچ کر پڑھیں گے چاہے وقت نکل جائے اور نماز قضا ہو جائے۔ دوسرے گروہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کا مطلب یہ تھا کہ عصر کے وقت تک بنو قریظہ پہنچو لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر راستے میں ہی نماز کا وقت ہو جائے تو ہم نہ پڑھیں۔ لہٰذا انہوں نے راستے میں عصر پڑھ لی۔ بعد میں جب معاملہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا تو

Marfat.com

آپ ﷺ نے سکوت اختیار فرمایا یعنی دونوں کا عمل برقرار رکھا۔

بہر کیف اسلامی لشکر نے بنو قریظہ کا محاصرہ کر لیا اور اس میں سختی برتی۔ اللہ تعالیٰ نے بنو قریظہ کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ انہوں نے میدان میں نکلنے کی جرأت نہ کی اور گفت وشنید پر اتر آئے اور بالآخر ہتھیار ڈال دیے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذؓ کو طلب فرمایا اور ان سے کہا کہ وہ بنو قریظہ کے بارے میں فیصلہ کر دیں یہ اس لیے کہ حضرت سعد بنو قریضہ کے حلیف تھے اور رسول اللہ ﷺ قبیلہ اوس کو اس اہم مسئلہ پر اعتماد میں لینا چاہتے تھے۔ حضرت سعدؓ نے تورات کے احکامات کے مطابق بنو قریظہ کو بدعہدی کی یہ سزا سنائی کہ ان کے تمام بالغ مردوں کو قتل کر دیا جائے۔ چناں چہ پانچ سو سے سات سو کے درمیاں بنو قریظہ کے مردوں کو قتل کر دیا گیا۔ البتہ بچوں اور خواتین کو قیدی بنا لیا گیا اور ان کے اموال تقسیم کر دیے گئے۔ اس طرح اطراف مدینہ سے یہود کو نکال باہر کیا گیا اور یہ خباثت ہمیشہ کے لیے ختم کر دی گئی۔

غزوۂ بنو المصطلق (٦ ہجری)

بنو المصطلق بنو خزاعہ کی ایک شاخ ہے۔ بنو خزاعہ کے لوگ عموماً رسول اللہ ﷺ کے خیر خواہ تھے مگر بنی مصطلق قریش کے حلیف بن گئے اور پھر نبی ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ یہ لوگ آپؐ کے خلاف جنگ کی تیاری کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے خبر کی تصدیق کے بعد انھیں ان کے علاقے میں سبق سکھانے کا پروگرام بنایا۔ آپ ﷺ کے ساتھ سات سو صحابہ کی جماعت تھی۔ آپ ﷺ نے اچانک مقام مریسیع پر ان کو آلیا۔ کچھ کو قتل کیا، کچھ کو گرفتار اور مال مویشی قبضے میں لے لیے۔ بنی مصطلق کے سردار حارث بن ضرار کی

Marfat.com

صاحبزادی جویریہ بھی قید ہوئیں۔ بعد میں اسلام لائیں۔آپ ﷺ نے انہیں آزاد کیا اوران سے شادی کر لی یہ دیکھ کر عام مسلمانوں نے بنی مصطلق کے قیدیوں کو اسلام کے وعدے پر رہا کر دیا اور کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے سسرال ہیں۔

اس غزوے سے واپسی کے سفر کے دوران دو واقعات ایسے پیش آئے کہ جن کی وجہ سے منافقین کو گل کھلانے کو موقع مل گیا۔ پہلا واقعہ یہ ہوا کہ کنویں پر پانی بھرتے ہوئے ایک مہاجر اور انصاری کی تلخ کلامی ہوگئی۔ بات بڑھی تو انصاری نے انصار کو مدد کے لیے پکارا۔مہاجر نے مہاجرین کی پکار لگائی۔لیکن اس سے پہلے کہ لوگ جمع ہوں اور معاملہ خون خرابے تک پہنچے خود رسول اللہ ﷺ پہنچ گئے اور فرمایا! میں تمہارے درمیان موجود ہوں اور جاہلیت کی پکار پکاری جارہی ہے۔ اس غزوے میں عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین بھی شامل تھا۔اس کے کانوں تک جب یہ بات پہنچی تو بھنایا اور غصے میں بکنے لگا کہ قریش کے یہ کنگلے لوگ آج ہمارے سامنے اکڑتے ہیں۔مدینہ پہنچ کر ہم میں سے عزت والا ذلت والے کو باہر نکال دے گا۔اس ساری ہرزہ سرائی کی اطلاع نبیؐ تک پہنچ گئی۔آپؐ نے عبداللہ بن اُبی کو بُلا کر دریافت کیا تو وہ صاف مکر گیا۔اس پر اللہ نے سورۃ المنافقون میں اس کے جھوٹ کو عیاں کیا لیکن اللہ کے کرنے کو کون سمجھ سکتا ہے۔ اسی منافق کا بیٹا جس کا نام عبداللہؓ تھا پکا مسلمان تھا جب اس کے کانوں میں والد کی یہ ہرزہ سرائی پہنچی تو اس نے اپنا پلان بنالیا۔آگے بڑھ کر سب سے پہلے مدینہ کی حدود تک پہنچا اور تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا۔ جب عبداللہ بن اُبی وہاں سے گزرا تو اُس نے تلوار کے اشارے سے روک لیا۔باپ بڑا سیخ پا ہوا لیکن بیٹے نے نہ جانے دیا اور کہا کہ جب تک رسول اللہ ﷺ اجازت نہ دے دیں گے تم مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ نبی ﷺ کو

Marfat.com

اطلاع ملی تو آپؐ نے پیغام دیا کہ باپ کو مدینہ میں داخل ہونے دو۔ یہاں ثابت ہو گیا کہ کسے اللہ نے عزت سے سرفراز کیا اور کون تھا جو ذلیل و خوار ہوا۔

اسی غزوے کی واپسی کے سفر کا دوسرا واقعہ یہ ہے کہ اسلامی لشکر نے مدینے کے قریب رات کے لیے پڑاؤ ڈالا اور رات کے آخری حصے میں کوچ کر دیا۔ اس دوران حضرت عائشہ صدیقہؓ ضرورت سے اپنی پالکی سے باہر نکلیں جب واپس آئیں تو قافلہ جا چکا تھا۔ انہوں نے وہیں ٹھہر جانا مناسب سمجھا اور آنکھ لگ گئی۔ ادھر ایک صحابی صفوان بن معطلؓ کی ڈیوٹی یہ تھی کہ لشکر سے پیچھے رہیں اور دِن کی روشنی میں سفر کریں تاکہ کسی کی کوئی گری پڑی چیز اٹھالیں اور ساتھ لے آئیں۔ قریب آئے تو اُم المومنینؓ کو سویا دیکھا پہچان گئے کہ پردے کے احکامات سے پہلے دیکھ چکے تھے۔ اِنا لِلّٰہِ پڑھا۔ حضرت عائشہؓ اُن کی آواز سے بیدار ہو گئیں اور اپنے دوپٹے سے چہرہ ڈھانپ لیا۔ حضرت صفوانؓ نے سواری قریب کر کے بٹھائی اور حضرت عائشہؓ سوار ہو گئیں۔ حضرت صفوانؓ سواری کی نکیل تھامے آہستہ آہستہ آگے چلتے رہے یہاں تک کہ دن کی بھرپور روشنی میں لشکر گاہ پہنچ گئے۔ یہ دیکھ کر عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین نے رسول اللہ ﷺ کی زوجہ مطہرہ اور مومنین کی ماں پر تہمت تراشی اور اس کو مزے لے لے کر پھیلانا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ چند سادہ لوح اہلِ ایمان بھی اس کے ساتھ مل کر اس جھوٹ کا پرچار کرنے لگ گئے۔

دوسری طرف حضرت عائشہؓ تمام حال احوال سے بے خبر پڑی رہیں۔ اتفاقاً وہ بیمار ہو گئیں البتہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے برتی جانے والی عدم توجہ ان کے لیے کھٹک کا باعث تھی۔ اس سارے عرصے میں رسول اللہ ﷺ خاموش رہے یہاں تک کہ کبار صحابہ

Marfat.com

تک کوآپ سے کلام کا یارا نہ تھا۔ جب عرصہ طویل ہو گیا اور صحابہؓ سے رسول اللہ ﷺ کا غم دیکھا نہ گیا تو گفتگو کی اجازت طلب کی۔ حضرت علیؓ نے اشاروں میں علیحدگی کا مشورہ دیا۔ جب کہ حضرت عمرؓ نے ایسی بات کہی جس سے رسول اللہ ﷺ کی طبیعت سنبھل گئی۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ آپؐ نے اپنے نکاح اپنے مرضی سے کیے ہیں یا اللہ تعالیٰ کے حکم پر۔ آپؐ نے فرمایا اللہ کے حکم سے۔ حضرت عمرؓ بولے تو پھر یا رسول اللہ (ﷺ) اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے لیے ناپاک زوجہ کا انتخاب نہیں کر سکتا۔

بہ ہر حال ایک روز نبی ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو بُلا بھیجا اور اُن کے سامنے ساری صورت حال رکھی۔ انھیں گذشتہ رات ہی اتفاق سے اس سارے قصے کا علم ہوا تھا۔ انہوں نے اپنی صفائی میں کچھ کہنے کے بجائے معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا اور ایک طرف لیٹ گئیں۔ اسی دوران حضور ﷺ پر وحی کے آثار نمودار ہوئے اور جب جبرائیلؑ چلے گئے تو آپ مسکرائے اور فرمایا عائشہ خوش ہو جاؤ اللہ نے تمہاری براٗت نازل کر دی ہے۔ حضرت عائشہؓ نے اٹھ کر سجدۂ شکر ادا کیا۔ نبی ﷺ شاداں و فرحاں باہر تشریف لائے۔ منبر پر خطبہ ارشاد فرمایا اور آیاتِ متعلقہ کی تلاوت کی۔ اُتر کر حضرت حسان بن ثابتؓ، مسطح بن اثاثہؓ اور حمنہ بنت جحشؓ کو اسّی اسّی کوڑے مارنے کا حکم دیا جب کہ منافقین سے کوئی تعرض نہ کیا اور ان کو آخرت کی دردناک ہولناکیوں کے لیے چھوڑ دیا۔

فصل پنجم

خواب اور اس کی تعبیر

غالباً ذی قعدہ ٦ ہجری یا اس سے کچھ قبل نبی ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ آپؐ اور صحابہ کرامؓ پُر امن طور پر مکہ میں داخل ہو رہے ہیں؛ طواف و عمرہ کر رہے ہیں؛ حلق و قصر کروا رہے ہیں۔ اس خواب نے آپ ﷺ کی اس خواہش کو مہمیز کیا جو گزشتہ چھ سات سال سے آپ ﷺ کے قلبِ اطہر میں مچل رہی تھی کہ وہ لمحہ کب میسر ہو گا جب آپ ﷺ بیت اللہ کی زیارت کر سکیں گے؛ اس کے گرد طواف کر سکیں گے اور مناسکِ عمرہ ادا کر سکیں گے۔ خواب کو اشارۂ غیبی تصور کرتے ہوئے آپ ﷺ نے عمرہ کے لیے جانے کا اعلان فرمایا چناں چہ صحابۂ کرام بھی تیاری کے لیے لپکے اور اس طرح چودہ سو صحابہ کی معیت میں آپ ﷺ عازمِ مکہ ہوئے۔ قربانی کے جانور ساتھ لیے تا کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ عمرہ کا قصد ہے...... جنگ کا کوئی ارادہ نہیں۔ ذوالحلیفہ کے مقام پر احرام باندھا اور عمرہ کی نیت کی۔ راستے میں جاسوسوں نے اطلاع دی کہ قریش مسلمانوں کو بیت اللہ سے روکنے کا تہیہ کیے بیٹھے ہیں اور اپنا لشکر منظّم کرنا شروع کر دیا ہے۔ بہ ہر صورت آپ ﷺ نے اپنا سفر جاری رکھا۔ راستے میں صحابہ کرامؓ سے تبادلۂ خیال بھی جاری رہا۔ آپ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے کو پسند فرمایا کہ مسلمان چوں کہ عمرہ کی نیت سے جا رہے ہیں

Marfat.com

لہٰذا حتی الامکان ٹکراؤ سے گریز کیا جائے۔ ہاں البتہ اگر عمرہ کرنے سے زبردستی روکا جائے تو صرف اس صورت میں قوت کا استعمال کیا جائے۔ اِسی دوران رسول اللہ ﷺ حدیبیہ تک پہنچ گئے اور آگے بڑھنے سے قبل صورتِ حال واضح ہونے تک اسی مقام پر پڑاؤ کا فیصلہ کیا۔ اس کے بعد قریش کے وفود کے ساتھ گفت وشنید شروع ہوئی۔ مختلف لوگ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ انھیں ایک ہی جواب ملا، مسلمان عمرہ کی نیت سے آئے ہیں لڑنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ آخر میں قریش نے عروہ بن مسعود ثقفی کو بھیجا جس نے ناصحانہ انداز اختیار کیا اور آپ ﷺ کو یہ بتانے کی کوشش کی کہ آپ ﷺ کے اردگرد جو لوگ اکٹھے ہیں یہ مشکل میں چھوٹ جائیں گے۔ حضرت ابو بکرؓ اس پر برہم ہوئے اور سخت جملوں کا تبادلہ ہُوا۔ عروہ واپس پلٹا تو مسلمانوں کے نظم وضبط اور ان کے دلوں میں رسول اللہ ﷺ کی تعظیم سے خاصا مرعوب تھا چناں چہ اس نے قریش کے سامنے اس کا برملا اقرار بھی کیا۔

ادھر نبی ﷺ نے طے کیا کہ قریش تک اپنا پورا مؤقف پہنچانے کے لیے سفیر بھیجا جائے۔ چناں چہ حضرت عثمانؓ کو اپنا سفیر بنا کر قریش کے پاس بھیج دیا۔ وہ سعید بن عاص کے مہمان بن کر مکہ گئے اور وہاں جا کر سربراہانِ قریش کو رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچایا۔ قریش نے انھیں طواف وعمرہ کی دعوت دی لیکن انہوں نے مسترد کر دی اور یہ گوارا نہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے طواف سے پہلے خود طواف کر لیں۔

قریش نے بات چیت کے بہانے حضرت عثمانؓ کو اپنے پاس روک لیا۔ اُدھر ان کے رک جانے کی وجہ سے اہلِ ایمان کی بے چینی بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ اچانک یہ خبر اہلِ ایمان میں گردش کرنے لگی کہ عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا ہے۔

Marfat.com

جب اس کی اطلاع آں حضور ﷺ کو ہوئی تو آپ نے قتلِ عثمانؓ کا بدلہ لینے کا تہیہ فرمایا اور ایک درخت کے نیچے صحابۂ کرام سے موت پر بیعت لی۔ اس کو تاریخ نے بیعتِ رضوان کے نام سے یاد کیا کیوں کہ اللہ رب العالمین نے ان تمام صحابہ کو اپنی رضا اور خوش نودی سے نوازا جو اُس موقع پر موجود تھے۔ فرمایا:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ. ﴾

(الفتح:۴۸:۱۸)

''اللہ مومنین سے راضی ہُوا جب کہ وہ آپ سے بیعت کر رہے تھے''۔

اُدھر قریش کو حالات کی سنگینی کا ادراک ہوا تو انھوں نے حضرت عثمانؓ کو جانے دیا اور سہیل بن عمرو ثقفی کو اپنا سفیر بنا کر رسول اللہ ﷺ کی طرف بھیج دیا۔ گفت و شنید شروع ہوئی۔ اور دیر تک گفتگو کے بعد بالآخر درج ذیل دفعات پر فریقین کا اتفاق ہوا۔

۱۔ رسول اللہؐ اس سال عمرہ نہیں کریں گے جب کہ آئندہ سال آئیں گے اور تین روز قیام کریں گے

۲۔ دس سال تک فریقین جنگ بند رکھیں گے۔

۳۔ جو محمد (ﷺ) کے عہد و پیمان میں داخل ہونا چاہے، داخل ہو سکے گا اور جو قریش کے عہد و پیمان میں جائے گا اسی کا جزو سمجھا جائے گا۔ لہٰذا ایسے کسی قبیلے پر زیادتی، خود اس فریق پر زیادتی تصوّر کی جائے گی۔

٤۔ قریش کا جو مرد بھاگ کر محمد (ﷺ) کے پاس جائے گا اُسے لازماً واپس کیا جائے گا لیکن محمد (ﷺ) کے ساتھیوں میں سے جو بھاگ کر مکہ جائے گا اُسے واپس نہ کیا جائے گا۔

Marfat.com

حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے اس معاہدہ کو تحریر کیا۔ جب لکھنا شروع کیا تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا۔ اس پر سہیل بن عمرو نے اعتراض کیا چناں چہ بسمک اللّٰھم لکھا گیا۔ اس نے محمد رسول اللہ (ﷺ) پر بھی اعتراض کیا تو آپ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے یہ مٹا کر محمد بن عبداللہ لکھنے کی تاکید کی۔

ابوجندل کا قضیہ

صلح ابھی لکھی جا رہی تھی کہ ابو جندلؓ کفار کی قید سے فرار ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو گئے۔ سہیل نے معاہدہ کے مطابق اُن کا مطالبہ کیا۔ آپ ﷺ نے معاہدہ کے احترام میں ابو جندلؓ کو صبر کی تلقین کی اور انھیں مشرکین کے حوالے کر دیا اور اس طرح بالکل ابتدا ہی میں مسلمانوں نے کفار پر اخلاقی برتری حاصل کر لی۔ البتہ بعد میں جب خواتین اسلام قبول کر کے مدینہ آئیں تو آپ ﷺ نے یہ فرما کر انھیں واپس کرنے سے انکار کر دیا کہ معاہدہ میں خواتین کا ذکر ہی نہیں۔

ادھر مسلمانوں کے لیے یہ ایک غیر معمولی صورت حال تھی۔ اوّل تو شہادتِ عثمانؓ کی افواہ نے ان کے جذبات بھڑکا دیے تھے۔ ثانیاً صلح کی شرائط بہ ظاہر مشرکین کے حق میں تھیں اور اس کی تازہ مثال ابو جندلؓ کے معاملے میں سامنے آ چکی تھی۔ ان وجوہات کی بناء پر مسلمان نفسیاتی طور پر انتہائی کرب اور آزمائش میں مبتلا ہو گئے۔ ان کی حالت یہ ہو گئی کہ خود حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے شرائطِ معاہدہ پر بحث و تکرار کی۔ (جس پر بعد میں وہ پوری زندگی شرمندہ رہے اور اسی عمل پر بار بار استغفار کرتے رہے)

شرائطِ صلح کی تکمیل کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اٹھو اور اپنے اپنے جانور قربان

Marfat.com

کر دو۔ یہ بات آپ ﷺ نے تین مرتبہ دہرائی لیکن کوئی بھی نہ اٹھا۔ آپ ﷺ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور لوگوں کے طرزِ عمل کا ذکر کیا۔ انھوں نے کہا یارسول اللہ ﷺ اگر آپ ایسا چاہتے ہیں تو پھر کسی سے کچھ کہے بغیر خود اپنا جانور ذبح کر دیجیے اور حجام کو بلا کر اپنا سر منڈوا لیجیے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بروقت اور صائب مشورے پر عمل کیا اور آپ ﷺ کی دیکھا دیکھی صحابہ کرام اُٹھے اور اپنے اپنے جانور ذبح کرنے لگے اور ایک دوسرے کے سر مونڈھنے لگے۔ البتہ غم وحزن کی فضا قائم تھی۔ یہاں تک کہ قرآنِ پاک کی آیات اتریں۔ جس میں اس معاہدہ کو فتح مبین قرار دیا گیا تھا۔ ان آیات سے مومنین کا غم فرحت وانبساط میں بدل گیا۔ آیئے ان آیات کا مطالعہ کرتے ہیں۔

﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا ۝ لِّیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِکَ وَ مَا تَاَخَّرَ وَیُتِمَّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکَ وَ یَھْدِیَکَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا. وَ یَنْصُرَکَ اللّٰہُ نَصْرًا عَزِیْزًا. ھُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ لِیَزْدَادُوْٓا اِیْمَانًا مَّعَ اِیْمَانِھِمْ. وَ لِلّٰہِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. وَکَانَ اللّٰہُ عَلِیْمًا حَکِیْمًا. .... اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ ط یَدُاللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ ﴾

(الفتح ۴۸: ۱ تا ۱۰)

”بے شک ہم نے آپ کو ایک واضح فتح دی تا کہ اللہ آپ کی اگلی پچھلی لغزشیں معاف کرے اور آپ پر اپنا احسان مکمل کر دے اور آپ کو سیدھی راہ پر قائم رکھے اور اللہ اپنی نصرت سے آپ کی تائید کرے۔ وہی ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں سکون ڈال دیا تا کہ ان کے ایمان میں مزید اضافہ ہو۔ (درحقیقت) آسمانوں اور زمین کے سارے لشکر اللہ ہی کے ہیں اور اللہ تعالیٰ دانا و حکمت والا ہے۔ بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ یقیناً اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے“

Marfat.com

باب پنجم

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَ الۡفَتۡحُ ۝ وَ رَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡ خُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجاً ۝ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَاسۡتَغۡفِرۡهُ . اِنَّهٗ کَانَ تَوَّاباً

آب و تاب چهره ای ایام تو

در جهان شاهد علی الاقوام تو

مرحلۂ اتمامِ حجت

فتحِ مبین، اظہار دین، اتمامِ حجت، آثار رحلت

Marfat.com

Marfat.com

فصل اوّل

فتح مبین

نئی فضا

صلح حدیبیہ کو قرآنِ پاک نے بجاطور پر فتح مبین قرار دیا۔ اس ایک واقعہ سے جزیرۃ العرب کے ماحول میں یک لخت تبدیلی واقع ہوئی اور وہ حالات پیدا ہونے شروع ہوئے جو اقامتِ دین کے لیے ماحول کو سازگار بناتے چلے گئے۔ ابھی ایک ہی سال قبل جزیرۃ العرب کی تمام مقتدر قوتوں نے اسلام کے خلاف ایکا کیا اور یہ عہد کیا کہ اس نوخیز دین اور اس کے علَم برداروں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں گے اگر چہ اللہ تعالیٰ کی نصرت، رسول اللہ ﷺ کی بے مثال قیادت اور اہلِ ایمان کے صبر و ثبات نے ان قوتوں کو ہزیمت سے دوچار کر دیا تھا لیکن بہر حال ان کی قوت اور جمعیت کا انکار ممکن نہ تھا۔ تین بڑے دھڑے یعنی قریش، بنو غطفان اور یہود اس اتحاد میں شامل تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بے مثال تدبیر سے ان میں سے ایک مضبوط فریق قریش کو اپنے ساتھ معاہدہ صلح میں باندھ کر بے اثر کر دیا۔ رہے یہود تو وہ پہلے بھی کھلے میدان میں مسلمانوں کا مقابلہ کرنے سے قاصر تھے وہ صرف سازش اور جوڑ توڑ کے ماہر تھے نیز سرمایہ کی وجہ سے ایک مقام رکھتے تھے ادھر بنو غطفان بذات خود بڑی کارروائی کرنے کے قابل نہ تھے۔ نہ ان

میں ایسی کوئی متفقہ قیادت موجود تھی جو اُن کی منتشر جمعیت کو مجتمع کر سکتی۔ چناں چہ جب قریش درمیان سے نکل گئے تو پیچھے ریت کی دیوار ہی باقی رہ گئی جس کے لیے مسلمانوں کو کسی خاص تردد کی ضرورت نہ تھی۔

یہ وہ مرحلہ ہے جسے بجا طور پر مرحلۂ اتمامِ حجت کہا جا سکتا ہے۔ اس کی ابتدا آنحضرت ﷺ کی جانب سے ارسال کردہ ان مبارک خطوط سے ہوتی ہے جو آپؐ نے دنیا کے حکمرانوں کو تحریر کیے اور پھر دو ہی سال میں جزیرۃ العرب کی تمام مقتدر قوتیں اسلام کے مقابلے میں سرنگوں ہو گئیں اور آفتابِ رسالت کی کرنیں روم ایران، اور جزیرۃ العرب کے شرق و غرب، شمال و جنوب کو منور کرنے لگیں اور اس دنیائے فانی سے کوچ کرنے سے پہلے آپ ﷺ نے (حجۃ الوداع کے موقع پر) انسانیت پر یہ حجت تمام کر دی کہ آپ ﷺ نے نبوت و رسالت کے فرائض ادا کر دیے اور دین ان تک پہنچا دیا۔

Marfat.com

نجاشی شاہِ حبش کے نام خط

بسم اللہ الرحمٰنِ الرحیم

محمد رسول اللہ کی جانب سے نجاشی عظیم حبشہ کے نام

اُس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے اما بعد! میں تمہاری طرف اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جو قدوس اور سلام ہے امن دینے والا محافظ اور نگران ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ عیسیٰ ابنِ مریمؑ اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں۔ اللہ نے انھیں پاکیزہ اور پاک دامن بتول کی طرف ڈال دیا اور اس کی روح اور پھونک سے مریم عیسیٰؑ کے لیے حاملہ ہوئیں جیسے آدمؑ کو اللہ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔ میں اللہ وحدہ لاشریک لہ کی جانب اور اس کی اطاعت پر ایک دوسرے کی مدد کی جانب دعوت دیتا ہوں اور اس بات کی طرف (بلاتا ہوں) کہ تم میری پیروی کرو اور جو کچھ میرے پاس آیا ہے اس پر ایمان لاؤ کیوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور میں تمھیں اور تمہارے لشکر کو اللہ عزوجل کی طرف بلاتا ہوں اور میں نے تبلیغ و نصیحت کردی لہٰذا میری نصیحت قبول کرو اور اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے۔

Marfat.com

شاہ مصر مقوقس کے نام خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد کی طرف سے مقوقس عظیم قبط کے نام

اس پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اما بعد میں تمہیں اسلام کو دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لاؤ سلامت رہو گے اور اسلام لاؤ اللہ تمہیں دہرا اجر دے گا لیکن اگر تم نے منہ موڑا تو تم پر اہل قبط کا بھی گناہ ہوگا۔ اے اہل قبط ! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے بعض بعض کو اللہ کے بجائے رب نہ بنائیں پس اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دو کہ گواہ رہو ہم مسلمان ہیں۔

اسی طرح آپ ﷺ نے شاہِ فارس خسرو پرویز، شاہِ روم قیصر، حاکم بحرین منذر بن ساوی، شاہ عمان، اور دیگر چند عمال کے نام خطوط روانہ فرمائے۔

ان خطوط کا مطالعہ کرنے کے بعد ان سے چند اصولوں کو اخذ کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ آپ ﷺ نے تمام ملوک وسلاطین کو مخاطب کرتے وقت ان کی دنیاوی عزت اور مرتبے کے مطابق انھیں پروٹوکول دیا۔ چناں چہ فرمایا یہ خط ہرقل کے نام جو روم کا رئیس اعظم ہے یا فرمایا مقوقس عظیم کے نام یا فرمایا نجاشی عظیم حبشہ کی جانب۔

۲۔ آپ ﷺ نے پہلے مرحلہ پر کافر بادشاہوں کے اقتدار کو چیلنج نہیں کیا بلکہ انھیں اسلام کی دعوت دی اور ماننے کی صورت میں انھیں امن وسلامتی کی ضمانت دی۔

۳۔ اہلِ کتاب سے مخاطب ہوتے وقت آپ ﷺ نے ان کے عقائد کا خیال رکھا اور ان سے متعلق اسلام کے نقطۂ نظر کو پوری حکمت سے واضح کیا۔

مثلاً نجاشی کے خط میں عیسیٰ ابنِ مریمؑ سے متعلق عقیدہ انتہائی خوب صورت انداز میں بیان کیا گیا۔

یہ خطوط جب مختلف بادشاہوں کے پاس پہنچے تو تین قسم کا ردِعمل پیدا ہوا۔ کچھ لوگ اسلام لائے اور سلامت رہے۔ مثلاً نجاشی آپ ﷺ کے سفیر سے انتہائی احترام سے پیش آیا۔ پہلے سے موجود حضرت جعفرؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور نبی ﷺ کو اپنی اطاعت اور فرماں برداری کا یقین دلایا۔ اسی طرح حاکم بحرین منذر بن ساوی نے بھی آپ ﷺ کے قاصد سے اچھی بات کہی اور اپنے علاقے میں یہودیوں اور مجوسیوں کے بارے میں دریافت کیا۔ آپ ﷺ نے اسے اپنے عہدے پر برقرار رکھا۔ اس کے طرزِ عمل کی تعریف فرمائی اور غیر مسلموں پر جزیہ نافذ کرنے کی تاکید کی۔

دوسری قسم اُن بادشاہوں کی تھی جو ایمان تو نہ لائے لیکن آپ ﷺ کے قاصد کو عزت و احترام دیا۔ پیغام کو توجہ سے سنا اور جواب میں تہنیت کے کلمات بھیجے۔ آپؐ نے ان سے کوئی تعرض نہ فرمایا اور ان کی طرف سے ارسال شدہ تحائف کو قبول فرمایا۔ ان میں قیصرِ روم اور شاہ مقوقس شامل ہیں۔

تیسری قسم ان ناعاقبت اندیشوں کی تھی جنھوں نے نہ آپ ﷺ کے پیغام کو توجہ دی اور نہ ہی آپؐ کے قاصدوں کی تکریم کی بلکہ الٹا متوحش ہوئے۔ شاہ ایران خسرو پرویز نے آپ ﷺ کے نامہ مبارک کو چاک کیا اور نخوت سے آپؐ کے قاصد ت

ہم کلام ہوا۔ ایک بد بخت عامل شرحبیل بن عمرو نے رسول اللہ ﷺ کے قاصد کو شہید کر دیا۔ رئیسِ غسان نے دولتِ اسلامیہ پر حملہ کرنے کے لیے افواج کو تیاری کا حکم دے دیا۔ چناں چہ آپ ﷺ نے ان مغرور بادشاہوں کی نخوت کو خاک میں ملانے کے لیے غزوات اور سرایا کا پروگرام مرتب کیا۔ اس سلسلہ کی ابتداء غزوۂ موتہ سے ہوئی اور یہ مہم معرکۂ تبوک پر جا کر ختم ہوئی۔ اس طرح دشمنانِ اسلام پر رسول اللہ ﷺ کا رعب اور دبدبہ قائم ہو گیا۔

غزوۂ خیبر (محرم ۷ ہجری)

خیبر ایک سرسبز و شاداب علاقہ ہے جو مدینہ سے شمال کی جانب شام کے راستے میں قریباً سو میل کے فاصلے پر قائم ہے۔ یہاں آباد یہود بنیادی طور پر کاشت کار تھے۔ البتہ جنگ جو ہونے کے ناطے انہوں نے اپنے رہائشی مکانات کو بھی مضبوط قلعوں کی شکل دے دی تھی۔ تمام آبادی تین حصوں میں تقسیم تھی۔ ایک نطاۃ دوسرے کتیبہ تیسرے شق۔ ان تینوں حصوں میں مختلف چھوٹے بڑے قلعہ جات تھے جن میں یہود نے اپنی رہائش کے ساتھ ساتھ جنگ کی صورت میں دفاع کا بھرپور انتظام کر رکھا تھا۔ خیبر کے علاقہ میں یہود کے جنگی مردان کار کی تعداد دس ہزار کے لگ بھگ تھی۔ مدینہ سے بھاگنے والے بنو قینقاع اور بنو نظیر کے یہودی بھی یہاں پناہ گزین تھے۔ چناں چہ یہاں کے یہودیوں نے خیبر کو سازشوں کا گڑھ بنا دیا تھا۔ یہاں بیٹھ کر وہ اسلام اور اہلِ اسلام کو تنگ کرنے نیز لڑنے بھڑنے اور جنگ کی آگ بھڑکانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے۔ قریب کی مثال احزاب کی تھی۔ مدینہ پر لشکروں کی چڑھائی

Marfat.com

میں اہم کردار انہی نے ادا کیا تھا۔ چناں چہ ان کا حساب چکانا ضروری تھا۔ یہی وجہ ہے کہ صلح حدیبیہ سے فراغت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے خیبر کا قصد کیا اور اس مہم میں صرف ان جاں بازوں کو اپنے ہم رکاب رکھا جو بیعتِ رضوان میں شامل تھے گویا اس مہم میں چودہ سو مجاہدین شامل تھے جن میں دو سو گھڑ سوار تھے، یہ اب تک کے معرکوں میں گھڑسواروں کی سب سے زیادہ تعداد تھی۔ لشکرِ اسلام نے مدینہ سے خیبر تک کا سفر چار روز میں مکمل کیا۔ اس بات کا خدشہ موجود تھا کہ بنوغطفان جو کہ یہود کے حلیف تھے ان کی مدد کے لیے میدان میں آجائیں چناں چہ اس کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے جنوب کے بجائے ذرا پرے گھوم کر شمال کی جانب سے حملہ کا منصوبہ بنایا۔ اس طرح بنوغطفان اور اہلِ اسلام کے درمیان یہود حائل ہو گئے۔ اسی اثنا میں جب بنوغطفان نے یہود کی مدد کے لیے نکلنے کی تیاری کی تو انھیں اس خطرے نے گھیر لیا کہ کہیں مسلمان پیچھے سے عورتوں اور بچوں پر حملہ نہ کر دیں۔ اسی خوف سے انہوں نے باہر نکلنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

ایک مقام پر پہنچ کر جہاں خیبر کے لیے کئی راستے جاتے تھے۔ آپؐ نے راستہ بتانے والوں سے جانے والے تمام راستوں کے نام دریافت فرمائے۔ ایک راستے کا نام حزن (سخت کھردرا) دوسرے کا نام شاش (تفریق ڈالنے والا) تیسرے کا نام حاطب (لکڑ ہارا) اور چوتھے کا نام مرحب (کشادگی) تھا۔ آپؐ نے مرحب اختیار کیا اور راتوں رات خیبر پہنچ کر دم لیا۔ صبح دم جب یہود اپنی کھیتوں کی طرف گئے اور انہوں نے مسلمان لشکر کا نظارہ دیکھا تو الٹے پاؤں بھاگتے ہوئے اپنے قلعوں میں بند ہو کر جنگ کی تیاری کرنے لگے۔

رسول اللہ ﷺ نے نطاۃ کے قریب پڑاؤ کا حکم دیا۔ اس پر حضرت خباب بن منذر ؓ نے آپ ؐ سے استفسار کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ اللہ کا حکم ہے یا آپ کی اپنی رائے، آپ نے فرمایا میری رائے ہے کہ یہاں پڑاؤ کیا جائے۔ انہوں نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ یہ مقام قلعہ نطاۃ کے بہت قریب ہے اور خیبر کے سارے جنگجو اسی قلعہ میں رہتے ہیں۔ انہیں ہمارے حالات کا پورا علم رہے گا جب کہ ہم ان کے حالات سے بے خبر رہیں گے۔ ان کے تیر ہم تک پہنچیں گے جب کہ ہمارے تیر ان تک نہیں پہنچیں گے۔ ہم ان کے شبخون سے بھی محفوظ نہ رہیں گے چناں چہ آپ ﷺ ایسی جگہ پسند فرمائیں جو ان مفاسد سے خالی ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہاری رائے درست ہے اور لشکر کو دوسری جگہ منتقل ہونے کی ہدایت فرمادی۔ (یاد رہے کہ یہ وہی صحابی ہیں جنھوں نے غزوۂ بدر کے موقع پر بھی آپ ﷺ کو ایسا مشورہ دیا تھا جسے آپ ﷺ نے قبول فرمایا تھا اور ان کی تحسین فرمائی تھی)

جنگ کی تیاری

فریقین کے درمیان جھڑپیں شروع ہو چکی تھیں لیکن جوں ہی یہود کو شکست کے آثار نظر آتے وہ واپس بھاگ کر قلعہ بند ہو جاتے۔ ادھر مسلمان تعداد میں کم ہونے کے ساتھ ساتھ بھاری ہتھیاروں سے بھی محروم تھے جن کے ذریعے قلعہ جات پر آتش باری یا سنگ باری کی جائے یا ان کی فصیلوں کو توڑا جائے۔ شدید کوشش اور تگ و تاز کے باوجود مسلمانوں کو خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہو پا رہی تھی۔ انہی حالات میں ایک رات آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں کل جھنڈا ایک ایسے آدمی کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور جس سے اللہ اور اس کا رسول محبت کرتے

Marfat.com

ہیں۔ صبح ہوئی تو صحابۂ کرام خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ بہت سے لوگ اس بات کے مشتاق تھے کہ انہیں یہ سعادت نصیب ہو جائے، اور بہت سے لوگ منتظر تھے کہ دیکھیں یہ سعادت کس کے مقدر میں لکھی ہے آپ ﷺ نے فرمایا علیؓ ابنِ طالب کہاں ہیں۔ بتایا گیا کہ انہیں آشوبِ چشم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا انہیں بُلا لاؤ۔ آپ ﷺ نے اُن کی آنکھوں میں اپنا لعاب لگا دیا اور وہ ایسے تندرست ہوئے کہ زندگی بھر آشوبِ چشم کی شکایت کبھی نہ ہوئی۔ چوں کہ شدید گرمی تھی لہٰذا آپ نے دعا فرمائی اے اللہ علیؓ کو سردی اور گرمی سے محفوظ رکھنا۔ حضرت علی فرماتے ہیں اس کے بعد ساری زندگی مجھے سردی اور گرمی کا احساس نہ رہا۔ بہر حال آپؐ نے اپنا عَلَم حضرت علیؓ کو تھمایا اور فرمایا ''اپنا کام نہایت متانت اور وقار سے شروع کرو۔ دشمن کے میدان میں اتر کر پہلے انھیں اسلام کی دعوت دو اگر وہ تمہاری دعوت قبول نہ کریں تو پھر ان سے جنگ کرو۔ خدا کی قسم اگر حق تعالیٰ تمہارے ذریعہ ایک بھی شخص کو ہدایت فرمادے تو یہ تمہارے حق میں سرخ اونٹوں سے بھی کہیں زیادہ بہتر ہے۔ ۵۴

حضرت علیؓ لشکرِ ابرار لے کر سب سے سخت مقام قلعہ ناعم پر حملہ آور ہوئے۔ مرحب (جو اس قلعہ کا سردار اور طاقت ور جنگ جو تھا اور یہود کے نزدیک اس کا مقام ایک ہزار جنگ جوؤں پر بھاری تھا) فخر و غرور کی علامت بنا (لوہے میں غرق) میدان میں نکلا۔ آتے ہی اس نے دعوت مبارزت دی۔ مسلمہ بن اکوع کے چچا عامر بن اکوع اس کے مقابلے پر نکلے لیکن زخمی ہوئے اور بعد میں انہی زخموں کے باعث جامِ شہادت نوش کر گئے۔ اب اس کے مقابلے میں حضرت علیؓ بذاتِ خود نکلے اور پہلے ہی وار میں اس کا جسم دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ اس کے بعد اس کا بھائی یاسر میدان میں نکلا جسے

Marfat.com

حضرت زبیر بن العوام نے واصل جہنم کیا۔ یوں یہود کا مورال ٹوٹ گیا اور یکے بعد دیگرے نطاۃ کے تمام قلعہ جات فتح ہو گئے۔

یہود کے بارے میں قرآن آج بھی امتِ مسلمہ کو دعوت فکر و عمل دے رہا ہے۔ فرمایا:

﴿لَا يُقَاتِلُونَكُمْ جَمِيعًا اِلَّا فِي قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْد'' تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَّ قُلُوبُهُمْ شَتّٰى . ذَالِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْم'' لَّا يَعْقِلُوْنَ﴾ (الحشر ۵۹:۱۴)

''یہ کبھی کھلے میدان میں جم کر تم سے نہیں لڑ سکتے۔ جب بھی لڑیں گے قلعہ بند ہو کر یا دیوار کی آڑ لے کر۔ ان کی آپس کی لڑائی سخت ہے۔ آپ انہیں آپس میں متحد خیال کرتے ہیں لیکن ان کے دل آپس میں پھٹے ہوئے ہیں یہ اس لیے کہ یہ بے عقل لوگ ہیں''

یہی ہوا جب یہود کو محسوس کہ وہ اپنے قلعوں میں بھی اب زیادہ دیر تک مقابلہ نہ کر سکیں گے تو انہوں نے گفت و شنید شروع کر دی اور سارا خیبر کا علاقہ بغیر مزید تگ و تاز کے مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا۔

خیبر کی غنیمت جب تقسیم ہوئی تو صحابہؓ کرام کی معاشی حالت قدرے درست ہونا شروع ہوئی اور انھیں اور ان کے بیوی بچوں کو پیٹ بھر کر کھانا نصیب ہونے لگا۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ کے گھر میں بھی کئی بار فاقہ کی نوبت رہتی یہاں تک کہ خیبر فتح ہوا اور اللہ نے اہلِ ایمان کو کشادگی عطا کر دی۔ اسی اثنا میں حضرت جعفر طیارؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حبشہ سے حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ ان کی آمد پر خوش ہوئے ان کا بوسہ لیا اور فرمایا۔ مجھے نہیں معلوم کہ آج مجھے کون سی بات کی خوشی زیادہ ہے۔ خیبر کی فتح کی یا جعفر کی آمد کی۔ آپ ﷺ نے پندرہ سال بعد جعفرؓ کو دیکھا تھا فرمایا

Marfat.com

''تم جسمانی اور اخلاقی ہر دو حیثیت میں میرے مشابہ ہو'' اس خطاب پر حضرت جعفرؓ بے حد خوش ہوئے اور بے خود ہو کر رقص کرنے لگے۔ جس پر آپ ﷺ نے بھی ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا۔

حیَ بن اخطب کی بیٹی صفیہ بھی قیدی خواتین میں شامل تھیں۔ ابتداً حضرت دحیہ قلبیؓ نے ان سے نکاح کی خواہش کی لیکن دیگر صحابہؓ کے مشورے اور ان کی خاندانی کیفیت کی بنیاد پر آپ ﷺ نے صفیہ کو آزاد کیا۔ انھیں اسلام کی دعوت دی جو انہوں نے قبول کر لی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے انہیں زوجیت میں داخل کر کے امت کی ماں ہونے کا اعزاز عطا فرما دیا۔ واپسی کے سفر میں آپ ﷺ نے اس شادی کا ولیمہ صحابہ کو کھلایا۔

زہریلی بکری

جب خیبر پر مسلمانوں کی گرفت مستحکم ہو چکی تو یہود نے اپنے اندرونی جذبۂ حسد و بغض کو ٹھنڈا کرنے کے لیے ایک اور مذموم سازش تیار کی۔ ان کے بڑوں میں سے ایک شخص سلام بن مشکم کی بیوی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بکری کا بھنا ہوا گوشت پیش کیا۔ جسے اس نے خطرناک قسم کے زہر سے بھر رکھا تھا۔ آپ ﷺ نے اس کا ایک لقمہ چبایا اور پھر تھوک دیا اور فرمایا ''کہ یہ زہر آلود بکری ہے'' اسی اثناء میں ایک لقمہ ایک صحابی بشیر بن براءؓ نے نگل لیا تھا۔ آپ ﷺ نے اس خاتون کو طلب فرمایا تو اس نے اپنے جرم کا یہ کہہ کر اقرار کر لیا کہ میں جاننا چاہتی تھی کہ اگر آپ ﷺ دنیا کے بادشاہ ہیں تو ہم آپ ﷺ سے راحت پا جائیں گے اور اگر واقعی نبی ہیں تو آپ ﷺ کو معلوم ہو جائے گا۔ اس پر آپ ﷺ نے اس عورت کو معاف فرما دیا لیکن جب بشیر بن براءؓ کا اسی زہر کے اثر سے انتقال ہو گیا تو آپ ﷺ نے اسے قصاص میں قتل کرا دیا۔

Marfat.com

غزوۂ ذات الرِّقاع

خیبر سے فراغت کے بعد اب بنو غطفان رہ گئے تھے جن کی کچھ نہ کچھ گوشمالی ضروری تھی۔ اسی اثناء میں آپ ﷺ کو ان بدوؤں کی کچھ مشکوک حرکات کا علم ہوا۔ آپ ﷺ مدینہ سے سات سو صحابہ کرام کو لے کر دو دن کا سفر طے کر کے مقام نخل تک گئے۔ وہاں بنو غطفان کی ایک بھیڑ سے آمنا سامنا ہوا لیکن انہوں نے عملاً جنگ کی ہمت نہ کی۔ اسی دوران نماز کا وقت ہوا۔ اقامت کہی گئی اور نبی ﷺ نے چار رکعت نماز پڑھائی۔ آدھے صحابہ پہرے پر رہے اور آدھوں نے آپ ﷺ کی معیت میں دو رکعت نماز پڑھی۔ وہ ہٹے تو بقیہ آدھوں نے دو رکعت نماز آپ ﷺ کے ہمراہ ادا کی۔ یہ صلوٰۃ خوف ہے جس کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے عرب کے بدوؤں کے دل میں رعب ڈال دیا وہ منتشر ہو گئے۔ ان کے عزم ٹوٹ گئے، ارادے کمزور پڑ گئے اور پھر وہ اسلام کے مقابلے میں نکلنے کی جرأت نہ کر سکے۔ اس کامیاب مہم کے بعد مسلمان اللہ کی حمد و ستائش کرتے ہوئے مدینہ کی طرف واپس پلٹے۔

عمرۂ قضاء (ذی قعدہ ۷ ہجری)

گزشتہ برس صلح حدیبیہ میں یہ طے پایا تھا کہ مسلمان آئندہ سال عمرہ کریں گے۔ چناں چہ بیعتِ رضوان میں شامل سبھی صحابہ آپ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ کچھ دیگر صحابہ بھی شاملِ سفر ہوئے اس طرح تعداد دو ہزار سے تجاوز کر گئی۔ ذوالحلیفہ کے مقام پر آپ ﷺ نے احرام باندھا اور لبیک کی پکار لگائی۔ صحابہ نے بھی تقلید کی۔ مسلمان جب وادی یاجج پہنچے تو ہتھیار رکھ دیے اور دو سو سواروں کو ان پر نگران چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔

رسول اللہ ﷺ مکہ میں داخلے کے وقت قصوٰی پر سوار تھے۔ مسلمانوں نے

Marfat.com

رسول اللہ کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ مشرکین مسلمانوں کا نظارہ کرنے کے لیے مکہ کی پہاڑیوں پر چڑھ بیٹھے تھے اور آپس میں یہ بحث کر رہے تھے کہ تمہارے ہاں ایک ایسی جماعت آرہی ہے جسے یثرب کے بخار نے توڑ ڈالا ہے۔ اس لیے نبی ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ طواف کے دوران پہلے تین چکر دوڑ کر لگائیں۔ البتہ رکنِ ایمانی سے حجر اسود تک آرام سے چلیں۔ مقصد یہ تھا کہ کفار کی یہ غلط فہمی دور ہو جائے اور وہ مسلمانوں کو کم زور نہ سمجھیں۔ آپ ﷺ نے سواری پر بیٹھے بیٹھے طواف کیا اور چھڑی سے حجر اسود کو چھوا۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ آپ ﷺ کے آگے آگے چل رہے تھے اور یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔

خلو ا بنی الکفار عن سبیله　　خلو افکل الخیر فی رسوله

الیوم نضر بکم علی تا و یله　　کما ضر بنا کم علی تنزیله

ضربا یزیل الهام عن مقیله　　و یذهل الخلیل عن خلیله

''اے کفار کی اولاد ان کا راستہ چھوڑ دو کہ ساری بھلائی اسی پیغمبر کے لیے ہے۔ آج اس کے اشارے پر ہم تمہیں ماریں گے۔ جیسے اس کی تنزیل پر تمہیں مار چکے ہیں اور مار بھی ایسی ماریں گے کہ کھوپڑی اپنی جگہ سے چھٹک جائے اور دوست کو دوست سے بے خبر کر دے''۔

طواف سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کے سات چکر لگائے اور پھر مروہ پر ہدی کے جانور قربان کر کے سر منڈوایا۔ مسلمانوں نے تقلید کی۔ احرام سے حلال ہو کر آپ ﷺ نے دو سو سواروں کو وادی یاجج روانہ کیا تا کہ یہ ہتھیاروں کی حفاظت کریں اور وہ لوگ آ کر عمرہ ادا کرلیں۔ تین روز قیام کے بعد چوتھے روز آپ ﷺ مکہ سے روانہ ہوئے اور مقامِ سرف پر حضرت میمونہؓ آپؐ کے پاس رخصت ہوئیں۔ یہ اتفاق ہے کہ بعد میں مقام سرف پر ہی ان کا انتقال ہوا اور وہیں دفن ہوئیں۔

Marfat.com

عمرو بن العاصؓ اور خالد بن ولیدؓ کا قبولِ اسلام

عمرو بن العاصؓ اشراف قریش سے تعلق رکھتے تھے۔ذہانت،فطانت اور ذکاوت کی صفات سے متصف تھے۔یہی وجہ ہے کہ جب مہاجرینِ مکہ کا وفد حبشہ میں پناہ گزین ہوا تو قریش کو فکر لاحق ہوئی اور اپنا ایک وفد عمرو بن العاص کی قیادت میں نجاشی کے دربار میں اس غرض سے روانہ کیا کہ اسے مسلمانوں کے خلاف ورغلائیں اور انہیں حبشہ سے نکالنے کا سامان کریں۔البتہ اس مہم میں یہ لوگ ناکام لوٹے تھے۔

حضرت عمرو بن العاصؓ خود اپنے اسلام لانے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں، جب ہم غزوۂ خندق سے فارغ ہوئے اور واپس لوٹے تو میں نے اپنے ان دوستوں کو جمع کیا جو میری بات سنتے اور مانتے تھے۔پھر میں نے اسلام کی بڑھتی ہوئی قوت کا ذکر کیا اور یہ مشورہ دیا کہ کیوں نہ ہم لوگ حبشہ چلے جائیں اور نجاشی کے پاس رہیں۔اگر اس دوران محمد ﷺ غالب آجائیں تو ہم ان سے محفوظ رہیں گے اور اگر ہمارے دوست غالب آجائیں تو ہمارا مقام ان کے درمیان ویسا ہی رہے گا۔ہم نے نجاشی کے لیے عرب کے مشہور تحائف جمع کیے اور حبشہ روانہ ہو گئے۔جب ہم وہاں نجاشی کے دربار میں پہنچے تو دیکھا کہ عمرو بن امیہ ضمریؓ محمدؐ کے قاصد بن کر نجاشی کے دربار میں آئے اور کچھ گفتگو کے بعد وہاں سے چلے گئے۔میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں نجاشی سے بات کرتا ہوں اگر اس نے مجھے عمرو بن ضمریؓ پر اختیار دے دیا تو میں اسے قتل کر کے قریش کا حق ادا کر دوں گا۔یہی بات کرنے میں نجاشی کے پاس حاضر ہوا اس کے سامنے سجدہ تعظیمی بجالایا۔اس نے مجھے خوش آمدید کہا۔میں نے اس کی خدمت میں

تحائف پیش کیے جن سے وہ بہت خوش ہوا۔ پھر میں نے اپنا مدعا بیان کیا کہ ابھی آپ کے سامنے ایک شخص حاضر ہوا تھا۔ وہ ہمارے دشمن کا قاصد ہے۔ آپ براہِ کرم اسے میرے حوالے کریں۔ تاکہ میں اس کی گردن مار دوں۔ کیوں کہ انہوں نے ہمارے معزز اور بہترین لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ اس پر نجاشی سخت غصے میں آ گیا اور ہاتھ بڑھا کر ایک شدید تھپڑ میرے منہ پر دے مارا اور مجھے لگا کہ میری ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔ اس وقت میرا حال یہ تھا کہ جی چاہتا کہ زمین شق ہو جائے اور میں اندر سما جاؤں۔ میں نے عرض کی کہ اے بادشاہ! مجھے اس بات کا ذرا بھی احساس ہوتا کہ آپ کو یہ بات ناگوار گزرے گی تو میں اس کو کبھی زبان پر نہ لاتا۔

نجاشی نے کہا کہ کیا تم مجھ سے سوال کرتے ہو کہ میں محمد ﷺ کے قاصد کو قتل کر دوں، جن کی خدمت میں جبریل امین تشریف لاتے ہیں جو حضرت موسیٰ کے پاس آیا کرتے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ کیا محمدؐ واقعی ایسے ہیں۔ وہ بولا اے عمرو! تم پر افسوس تم میری بات مانو اور اس نبی کی پیروی اختیار کرو۔ خدا کی قسم وہ حق و صداقت پر ہیں اور آخر کار اپنے مخالفین پر ضرور غالب آئیں گے۔ جس طرح موسیٰ فرعون اور اس کے لشکر پر غالب آئے تھے۔ میں نے نجاشی کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کر لی لیکن میں نے اپنے ساتھیوں سے اپنے اسلام کو مخفی رکھا اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضری کی نیت سے واپس روانہ ہوا۔ راستے میں مجھے خالد بن ولید ملے۔ میں نے پوچھا اے ابو سلیمان کدھر کا قصد ہے۔ انہوں نے کہا خدا کی قسم حسن و جمال اور خوبیوں کا ظہور ہو چکا ہے۔ بلاشبہ محمد ﷺ نبی ہیں۔ تم بھی چل کر مسلمان ہو جاؤ۔ کب تک تم گمراہی میں رہو گے۔ واللہ میں تو اسلام لانے کے لیے جا رہا ہوں چناں چہ ہم مل کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ پہلے خالد اور پھر میں نے اسلام قبول کیا اور آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔

Marfat.com

خالد بن ولید کا قبولِ اسلام

حضرت خالد کہتے ہیں کہ اسلام کے مقابلے میں مشرکین کی پے در پے ناکامیوں نے مجھے اس بات پر مجبور کر دیا تھا کہ میں غور کروں کہ محمد ﷺ حق پر ہیں اور ہم لوگ غلطی پر۔ اس خیال نے میرا دل اسلام کی طرف راغب کر دیا۔ اسی اثنا میں مسلمان عمرہ کے لیے مکہ آئے۔ ان ایام میں مَیں مکہ سے غائب رہا۔ میرے بھائی ولید بن ولید آنحضرت ﷺ کے ساتھ آئے تھے۔ انہوں نے مجھے بلایا مگر میں نہ گیا تو انہوں نے مجھے خط لکھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

میرے نزدیک اس سے زیادہ تعجب خیز بات کوئی نہیں کہ تمہاری رائے اب تک اسلام کے خلاف ہے۔ جب کہ تم عقل و فراست میں مشہور ہو۔ کیا اسلام جیسی نعمت سے کوئی سمجھ دار آدمی نا آشنا رہ سکتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے مجھ سے تمہارے متعلق دریافت فرمایا ہے کہ خالد کہاں ہیں۔ میں نے عرض کر دیا ہے کہ اللہ ہی انہیں لائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس جیسا شخص اسلام سے نابلد نہیں رہ سکتا۔ اگر وہ اپنی جنگی صلاحیتوں کو مسلمانوں کے ساتھ ہو کر مشرکین کے خلاف استعمال کرتے تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا اور ہم دوسروں پر اسے ترجیح دیتے۔ پس اے میرے بھائی تم جہاد کے جن بہترین مواقع سے محروم رہ گئے ہو، اب بھی وقت ہے کہ ان کی تلافی کر لو"

جب یہ خط ملا تو دل کی دنیا بدل گئی خصوصاً آپ کی (اپنے بارے میں) رائے پڑھ کر مجھے اچھا لگا اور ہمت پیدا ہوئی کہ اسلام قبول کیا جائے۔ اسی قصد سے دوسرے ساتھی کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ سب سے پہلے صفوان بن امیہ سے ملا اور اس سے اسلام سے متعلق بات کی لیکن اس نے سختی سے انکار کیا۔ میں نے خیال کیا کہ یہ وہ شخص ہے جس کے باپ بھائی بدر میں قتل ہو چکے ہیں۔ اس کا زخم گہرا ہے پھر میں عکرمہ

Marfat.com

سے ملا اور اسے اپنے ارادے سے آگاہ کیا مگر انہوں نے بھی انکار کر دیا۔ میں نے سوچا یہ ابوجہل کے قتل کو ابھی نہیں بھلا پائے۔ پھر میں عثمان بن طلحہ سے ملا لیکن اس سے اس خدشے سے بات نہ کی کہ اس کے چاروں بھائی احد میں ہلاک ہوئے تھے لیکن پھر میں نے اپنا ارادہ ظاہر کر ہی دیا۔ اس نے فوراً میری بات مان لی اور ہم نے خدمتِ رسالت مآب ﷺ میں حاضری کا پختہ ارادہ کر لیا۔ راستے میں عمرو بن عاص سے ملاقات ہوئی ان کا ارادہ جان کر خوشی ہوئی اور ہم شاداں وفرحاں مدینہ کی طرف چل پڑے۔ حضرت خالد کے اسلام سے رسول اللہ بے حد مسرور ہوئے اور ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ ۵۵

معرکہ موتہ ایک عبرت، ایک تذکیر (جمادی الاولیٰ ۸ ہجری)

موتہ اردن میں بلقاء کے قریب ایک آبادی کا نام ہے جہاں سے بیت المقدس دو دن کی مسافت پر ہے۔ یہ معرکہ یہیں وقوع پذیر ہوا۔ یہ معرکہ اس سلسلے کی ابتداء ہے جسے بعد میں تاریخ نے معرکہ صلیب وہلال سے یاد کیا۔ صدیوں تک جاری رہنے والی اس تگ وتاز میں یہ معرکہ سب سے نمایاں اور درخشندہ مقام کا حامل ہے۔ یہ معرکہ دورِ جدید خصوصاً 9/11 کے بعد پیدا ہونے والے حالات میں اہلِ ایمان کے لیے روشنی کا مینار ہے۔

معرکہ کا سبب

واقعہ گزر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شاہانِ عالم کے نام خطوط ارسال فرمائے۔ ان میں سے ایک خط آپ نے بصریٰ کے حاکم کے نام بھیجا۔ حارث بن عمیر ازدیؓ

Marfat.com

آپؐ کے نامہ بر تھے۔ قیصرِ روم کے علاقائی گورنر شرحبیل بن عمرو غسانی نے اُن کو گرفتار کر لیا اور ان کو شہید کر دیا۔ اس واقعہ کی اطلاع آپ ﷺ کو ملی تو آپ ﷺ نے اس علاقے پر فوج کشی کے لیے تین ہزار کا لشکر تیار کیا۔ اب تک مدینہ سے باہر نکلنے والا یہ سب سے بڑا اسلامی لشکر تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثؓ کو اس لشکر کا سپہ سالار مقرر کیا اور فرمایا کہ اگر زید شہید ہو جائیں تو جعفرؓ اور اگر جعفر شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہؓ علم سنبھالیں گے۔ آپ ﷺ نے مدینہ کے باہر تک لشکر کے ساتھ چل کر انھیں رخصت کیا اور رخصت کرتے ہوئے نصیحت فرمائی۔ وہ نصیحت اپنے اندر رہتی انسانیت کے لیے عظیم سبق رکھتی ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

"میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اپنے مسلمان بھائیوں سے حسنِ سلوک رکھو۔ اللہ کا نام لے کر اللہ کی راہ میں اللہ کے منکرین سے جہاد کرنا نہ عہد شکنی کرنا، نہ کسی قسم کی زیادتی کرنا، نہ کسی بچے، عورت، عمر رسیدہ بوڑھے اور اپنی عبادت گاہ میں گوشہ نشین شخص کو قتل کرنا۔ کسی کھجور کے باغ کے قریب نہ جانا، نہ کسی درخت کو کاٹنا اور نہ کسی مکان کو منہدم کرنا" (محمد رسول اللہ)

اس کے بعد لشکر روانہ ہوا۔ معان میں لشکرِ اسلام کو اطلاع ملی کہ قیصر روم ایک لاکھ کا لشکر لے کر خیمہ زن ہے اور دیگر قبائل کے اتنے ہی افراد اور بھی موجود ہیں۔ گویا تین ہزار کی مختصر سی جمعیت کے مقابلے پر دو لاکھ کا ٹڈی دل موجود ہے۔ مسلمانوں نے اس مقام پر ایک دن اور رات مشورے میں گزار دیے۔ یہ خیال ظاہر کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کو تازہ ترین صورت حال سے آگاہ کرنے کے لیے پیامی روانہ کیا جائے تا کہ آپ مزید

Marfat.com

کمک ارسال فرمائیں یا جو بھی حکم دیں اس پر عمل کیا جائے لیکن حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے اس کی مخالفت کی اور ایک پر جوش خطبہ دیا جس نے اہلِ ایمان کے شوقِ شہادت کو تازہ کیا اور تین ہزار کے ذرا سے لشکر نے دو لاکھ کے ٹڈی دل سے ٹکرا جانے کا فیصلہ کیا اور یہ لشکر آگے بڑھ گیا۔ مقامِ موتہ پر دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا۔ کفار نے اسلامی لشکر کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ادھر مسلمان عجب بے خودی اور سرفروشی کا مظاہر کرتے ہوئے ناقابل فراموش تاریخ رقم کرتے رہے۔ لڑتے لڑتے حضرت زیدؓ شہید ہو گئے تو حضرت جعفرؓ نے لپک کر علم سنبھال لیا۔ دشمن کی نظر اُن پر بھی تھی۔ چناں چہ پے در پے حملوں میں ان کے دونوں بازو کٹ گئے اور ایک عیسائی کے حملے سے ان کے دھڑ کے دو حصے ہو گئے۔ (اللہ رب العزت نے ان کو دو بازوؤں کے بدلے دو پر عطا کئے اسی لیے انھیں جعفر طیار کہا جاتا ہے)۔ حضرت جعفرؓ کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ ؓ نے علم سنبھالا۔ پہلے ذرا متردد ہوئے اور گریز کیا لیکن پھر شہادت کے شوق میں آگے بڑھ گئے اور دیوانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

ادھر رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی میں صحابہ کو جنگ میں پیش آنے والے تازہ ترین حالات سے آگاہ فرما رہے تھے۔ آپؐ نے صحابہ کو زیدؓ، جعفرؓ اور عبداللہ بن رواحہؓ کی شہادت کی خبر سنائی اور پھر فرمایا کہ اب عَلَم اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار کے پاس ہے۔ مومنین نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو سپہ سالار مقرر کر لیا ہے۔ یہیں سے حضرت خالد بن ولید کو سیف اللہ کا لقب عطا کیا گیا۔

حضرت خالد بن ولید نے سارا دن رومیوں کو مصروف رکھا اور رات کو لشکر اسلامی میں مسلسل حرکت رکھی۔ صفوں کی ترتیب کو الٹ دیا۔ رات کی نقل و حرکت

Marfat.com

اور صفوں کی نئی ترتیب سے رومیوں کو یہ گمان گزرا کہ مسلمانوں کے پاس تازہ ترین کمک پہنچ گی ہے۔اس سے وہ بددل ہو گئے۔ جب معرکہ گرم ہوا تو خالد نے لشکر کو آہستہ آہستہ پیچھے ہٹانا شروع کر دیا۔دشمن یہ سمجھا کہ یہ کوئی جنگی چال ہے اور مسلمان ہمیں جنگل میں گھیر لینا چاہتے ہیں۔ چناں چہ انہوں نے تعاقب نہ کیا ادھر حضرت خالدؓ نے پسپائی کا ایسا راستہ اختیار کیا جس پر کچھ سوار تو دوڑ سکیں لیکن ساز و سامان سے لیس پورا لشکر نہ جا سکے اور اس طرح بہ عافیت یہ لشکر مدینہ واپس پہنچ گیا۔صرف بارہ مسلمان شہید ہوئے۔ کفار کی ہلاکتوں کا اندازہ نہ کیا جا سکا لیکن حضرت خالد بن ولیدؓ خود فرماتے ہیں کہ اس دن میرے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹیں۔

اس معرکہ میں مسلمانوں کی فدا کاری و جاں نثاری کی نئی تاریخ رقم ہوئی اور کفر پر خاص کر سلطنتِ روما پر اسلام کا رعب طاری ہو گیا۔ اس معرکہ کا اثر جزیرۃ العرب پر بھی بہت مثبت رہا۔ دیگر قبائل عرب جو کہ رومیوں کی طاقت سے مرعوب تھے مسلمانوں سے مرعوب ہو گئے اور مدینہ میں آ کر اسلام قبول کرنے میں ایک دوسرے سے پہل کرنے لگ گئے۔

Marfat.com

فصل دوم

اظہارِ دین

فتحِ مکہ (رمضان ۸ ہجری)

جزیرۃ العرب کے حالات تیزی سے پلٹا کھا رہے تھے۔ صلح حدیبیہ نے ماحول کو پُرامن بنا دیا تھا۔ اس یک گونہ اطمینان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نبی ﷺ نے ایک طرف تو اسلام کی دعوت کو جزیرۃ سے باہر پہنچانے کی فکر کی تو دوسری طرف محض دو ہی سال میں تمام عرب پر اسلام کا دبدبہ بٹھا دیا۔ خیبر کے یہودیوں کی جڑ کاٹ دی اور اس طرح فتنہ و یورش کا یہ مکروہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ دیگر چھوٹی چھوٹی مہمات میں قبائلِ عرب کی گوشمالی کی اور خصوصاً معرکہ موتہ سے تو عرب کے بڑے بڑے جنگ جوؤں کی طبیعت صاف ہو گئی...... جو رُوم کو بڑی قوت سمجھتے تھے، یہ جان گئے کہ مسلمان ان کی ٹکر کے ہیں۔ تین سال کی مختصر مدت میں حالات کیا سے کیا ہو گئے۔ ایک وہ وقت تھا جب سارا عرب مدینہ کی چھوٹی سی بستی کو تاراج کرنے چڑھ دوڑا تھا اور اب یہ وقت کہ کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی۔ انہی حالات میں ایسا واقعہ پیش آیا جس نے مکہ کی راہ کو کھول کر اہلِ ایمان کے لیے کشادہ کر دیا۔

یہ بات گزر چکی ہے کہ صلح حدیبیہ کے وقت بنو خزاعہ مسلمانوں کے حریف ٹھہرے تھے اور بنو بکر نے قریش کا حلیف بننا قبول کیا تھا۔ ان دونوں قبیلوں کی کشاکش

Marfat.com

صدیوں سے چل رہی تھی۔ معاہدہ کی رُو سے یہ دونوں قبائل امن وآشتی کے پابند تھے لیکن بنو بکر کو شرارت سوجھی اور ایک رات بنوخزاعہ کے مستقر پر دھاوا بول دیا۔ ان کے پندرہ بیس آدمی قتل کیے؛ مال مویشی لوٹ لیے اور خیموں کو آگ لگا دی۔ یہ واردات اچانک تھی چناں چہ بنوخزاعہ اپنا دفاع نہ کر سکے اور تتر بتر ہو گئے۔ ان کا ایک درماندہ وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور رو دھو کر اپنی بپتا سنائی۔ چوں کہ قریش نے درپردہ بنوبکر کی حمایت کی تھی۔(انھیں ہتھیار فراہم کیے تھے اور رات کی تاریکی میں قریش کے کچھ لڑکوں بالوں نے کارروائی میں حصہ لیا تھا) یہ صریحاً معاہدہ کی خلاف ورزی تھی۔ گویا قریش نے اپنی اس حرکت سے معاہدۂ صلح توڑ دیا تھا۔ آپ ﷺ نے بنوخزاعہ کو مدد کا یقین دلایا اور صحابہ کو تیاری کا حکم دیا۔

ابوسفیان کی سفارت

قریش کو بہت جلد اپنی سنگین غلطی کا احساس ہو گیا اور ہوا کا رُخ دیکھ کر وہ سمجھ گئے کہ اب ان کی خیر نہیں ہے۔ انھوں نے آپس میں مشورہ کیا اور ابوسفیان کے ذمہ لگایا کہ وہ خود مدینہ جا کر تجدیدِ صلح کی بات کرے۔ ابوسفیان جوں ہی مدینہ پہنچا سیدھا اپنی بیٹی ام المومنین حضرت امِ حبیبہؓ کے گھر میں داخل ہوا۔ جب اس نے رسول اللہ ﷺ کے بستر پر بیٹھنا چاہا تو انھوں نے وہ بستر لپیٹ دیا۔ ابوسفیان نے کہا بیٹی کیا تم نے اس بستر کو میرے لائق نہیں سمجھا...... یا مجھے اس بستر کے لائق نہیں سمجھا۔ انھوں نے کہا یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے اور آپ ناپاک مشرک ہیں۔ ابوسفیان کہنے لگا خدا کی قسم میرے بعد تمھیں شر پہنچ گیا ہے۔ وہاں سے نکل کر ابوسفیان سیدھا خدمتِ اقدس میں پہنچا اور تجدیدِ صلح کی غرض

Marfat.com

سے گفتگو کی لیکن اسے کوئی جواب نہ ملا۔ وہاں سے مایوس ہوا تو ابو بکر صدیقؓ کے پاس گیا لیکن انھوں نے بھی معذوری ظاہر کر دی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ کے پاس آیا۔ انھوں نے اسے سخت ڈانٹ پلائی اور عزمِ جہاد ظاہر کیا۔ پھر وہ حضرت علیؓ کے پاس چلا گیا۔ حضرت علیؓ سے مایوس ہو کر وہ حضرت فاطمہؓ کی طرف متوجہ ہوا۔ حضرت حسنؓ اور حسینؓ گھر میں گھٹنوں کے بل چل رہے تھے۔ ابوسفیان نے کہا کہ کیا آپ ان میں سے کسی بچے کو یہ سکھا سکتی ہیں کہ وہ مسجد میں کھڑے ہو کر صلح اور امان کا اعلان کر دے اور عرب کا سردار بن جائے۔ حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا یہ بچے ابھی اس قابل نہیں کہ کسی کو امان دے سکیں اور اللہ کے رسول سے بڑھ کر کوئی امان دینے والا نہیں۔ (محمد رسول اللہ)

اب ابوسفیان کے سامنے اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ آخری کوشش کے طور پر اس نے حضرت علیؓ سے التجا کی کہ مجھے اس صورتِ حال سے نکلنے کے لیے کوئی مشورہ دو۔ حضرت علیؓ نے کہا آپ مسجد میں جا کر امن اور صلح کا اعلان کر دیں اور واپس چلے جائیں۔ اس نے کہا کہ اس تدبیر کا کوئی فائدہ ہے؟ انھوں نے کہا کہ نظر تو نہیں آتا لیکن اس کے علاوہ اور صورت ممکن نہیں۔ اس نے یہی کیا۔ مسجد میں اعلان کیا کہ میں امن اور صلح کا اعلان کرتا ہوں اور واپس چلا گیا۔ جا کر جب لوگوں نے اس سے پوچھا تو اس نے سارا ماجرا کہہ سنایا اور بتایا کہ اس نے آخر میں علیؓ کے مشورے پر امان کا اعلان کر دیا ہے۔ لوگوں نے پوچھا "تو کیا محمد نے اس امان کو نافذ کر دیا؟ اس نے کہا "نہیں" لوگ بولے "تیری تباہی ہو...... علی نے تجھ سے مذاق کیا ہے"۔

رسول اللہ ﷺ پہلے ہی تیاری کا حکم دے چکے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ رازداری کو بھی ملحوظ رکھا اور جاسوسوں اور مخبروں کی توجہ ہٹانے کے لیے آپ ﷺ نے حضرت ابو قتادہؓ

کو مدینہ سے ۳۶ میل دور بطن اضم کی طرف روانہ کیا تا کہ لوگ سمجھیں اُدھر ہی کا قصد ہے۔ اسی اثنا میں حضرت حاطبؓ ابن ابی بلتعہ نے ایک رقعہ لکھ کر مشرکین کو رسول اللہ کے عزائم کی اطلاع دی۔ وحی کے ذریعے آپ ﷺ کو مطلع کر دیا گیا۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ کو بھجوا کر پیغام رساں عورت کو گرفتار کرایا اور رقعہ برآمد کر لیا۔ رقعہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ ﷺ نے حضرت حاطبؓ کو بلوایا اور پوچھا یہ کیا ہے......؟ انھوں نے معذرت کی اور کہا کہ انھیں نہ کفر سے محبت ہے اور نہ ہی وہ اسلام سے مرتد ہوئے ہیں...... مقصد صرف یہ تھا کہ قریش پر احسان کر دیں تا کہ ان کے بچوں کی حفاظت کا سامان ہو جائے۔ حضرت عمرؓ لپکے اور انھیں قتل کرنے کی اجازت چاہی۔ اس پر آں حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ''یہ بدر کے دن شریک تھے...... اور تمھیں کیا پتہ ہوسکتا ہے اللہ نے اہلِ بدر پر جھانک کر کہا ہو تم لوگ جو چاہو کرو میں نے تمھیں بخش دیا ہے''۔

مکہ کی راہ

رمضان ۸ ہجری نبی ﷺ نے مدینہ چھوڑ کر مکہ کی راہ لی۔ آپ ﷺ کے ساتھ دس ہزار صحابہ کرامؓ تھے۔ راستے میں آپ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ سے ملاقات ہوئی۔ وہ مسلمان ہو کر ہجرت کرتے ہوئے مدینہ چلے آرہے تھے۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ آپ ﷺ نے محسوس فرمایا کہ سفر کی مشقت سے لوگوں پر روزہ گراں ہے۔ آپ ﷺ نے افطار کیا اور صحابہ نے بھی افطار کیا عشاء کے وقت یہ لشکر مراء الظہر ان میں فروکش ہوا۔ حکم دیا گیا کہ ہر تین چار افراد کا گروہ الگ آگ جلائے۔ اس حکم پر ہزاروں جگہ آگ

Marfat.com

کے آلاؤ روشن ہوئے۔ اِسی حال میں ابوسفیان مکہ سے نکلا کہ سُن گن لے۔ جب اُس نے ایک اونچے ٹیلے پر کھڑے ہو کر آگ کا ایک لامتناہی سلسلہ دیکھا تو کہنے لگا آج جیسی آگ اور لشکر تو میں نے کہیں دیکھا ہی نہیں۔

ابوسفیان رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں

حضرت عباسؓ رسول اللہؐ کی سواری پر بیٹھے لشکر کا چکر لگا رہے تھے۔ چلتے چلتے اُن کے کانوں میں ابوسفیان کی آواز پڑی۔ چناں چہ متوجہ ہوئے اور اسے بلایا۔ حضرت عباسؓ نے کہا کہ یہ رسول اللہؐ کا لشکر ہے اور اب قریش کی خیر نہیں ہے۔ اس نے کہا اے عباسؓ اب کیا ترکیب کی جائے؟ حضرت عباسؓ نے کہا کہ اگر تمھیں پکڑ لیا گیا تو تمھاری گردن ماردی جائے گی لہٰذا میرے ساتھ بیٹھ جاؤ میں تمھیں رسول اللہؐ کی خدمت میں لے چلوں۔ چناں چہ وہ پیچھے بیٹھ گیا۔ جب یہ حضرت عمرؓ کے قریب سے گزرے انہوں نے دیکھا تو کہا ابوسفیان؟ اللہ کا دشمن! اللہ کی تعریف ہے کہ اس نے بغیر کسی عہدو پیان کے تجھے ہمارے قابو میں دے دیا۔ اس کے بعد انہوں نے رسول اللہؐ کی طرف دوڑ لگائی۔ ادھر حضرت عباسؓ نے خچر کو ایڑ لگائی اور خدمتِ اقدس میں پہلے پہنچ گئے۔ حضرت عمرؓ داخل ہوئے اور ابوسفیان کو قتل کرنے کی اجازت چاہی لیکن حضرت عباسؓ ان کو پناہ دے چکے تھے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے انھیں حکم دیا کہ اسے اپنے خیمے میں لے جاؤ اور صبح پیش کرنا۔ صبح جب ابوسفیان کو آپؐ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''اے ابوسفیان تم پر افسوس ہو کہ تم پر ابھی تک وہ وقت نہیں آیا کہ تم جان سکو کہ اللہ کے علاوہ کوئی اِلٰہ نہیں۔ ابوسفیان نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کریم

ہیں......اگر اللہ کے علاوہ کوئی اور اِلٰہ ہوتا تو اب تک ضرور میری مدد کر چکا ہوتا۔

آپ ﷺ نے فرمایا اے ابوسفیان تم پر افسوس......! کیا تم پر ابھی تک وہ وقت نہیں آیا کہ تم جان سکو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ ابوسفیان نے کہا کہ اس بات کے متعلق تو دل میں ابھی تک کچھ نہ کچھ کھٹک ہے۔ اس پر حضرت عباسؓ نے کہا کہ اس سے پہلے کہ تم قتل کیے جاؤ، اسلام قبول کرلو۔ چناں چہ وہ مسلمان ہو گیا اور حق کی شہادت دی۔ حضرت عباسؓ کے مشورے پر نبی ﷺ نے ابوسفیان کو یہ اعزاز دیا کہ جو اس کے گھر میں داخل ہو جائے اسے امان حاصل ہے اور جو اپنا دروازہ اندر سے بند کر لے اسے امان حاصل ہے اور جو مسجدِ حرام میں چلا جائے اسے بھی امان حاصل ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا مکہ میں ورود

اسی روز رسول اللہ مکہ میں داخل ہونے کے لیے روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ کے حکم سے حضرت عباسؓ نے ابوسفیان کو ایک اونچے ٹیلے پر کھڑا رکھا تا کہ وہ قدسیوں کے اس لشکر کو چشم سر سے دیکھ سکے۔ ابوسفیان محوِ حیرت تھا کہ عرب کی دنیا کیا سے کیا ہو گئی ہے۔ ایک دن وہ تھا جب ہم نے اس نبی (ﷺ) کے قتل کی سازش کی اور اسے ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔ اور آج وہ دن ہے کہ اس کا لشکر ہے کہ وادی میں سمٹ ہی نہیں پا رہا۔ بہر حال وہ دوڑا......تا کہ اہلِ مکہ کو ان کے انجام سے آگاہ کر سکے۔ اُس نے بلند آواز سے پکار لگائی! قریش کے لوگو یہ محمدؐ ہیں تمہارے پاس اتنا بڑا لشکر لے کر آئے ہیں کہ مقابلہ کی تاب نہیں۔ لہٰذا جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اسے امان حاصل ہے"۔ لوگوں نے کہا تیرا بُرا ہو تیرے گھر میں کتنے آدمی سما جائیں گے؟ اس نے کہا جو اپنے گھر

Marfat.com

کا دروازہ اندر سے بند کرلے اسے امان حاصل ہے۔ جو مسجدِ حرام میں داخل ہوجائے اسے امان حاصل ہے یہ سن کر لوگ تیزی سے اپنے اپنے گھروں اور مسجدِ حرام کی طرف بھاگے۔

اُدھر رسول اللہؐ نے لشکر کے مختلف حصوں کو مختلف اطراف سے مکہ میں داخل ہونے کا حکم صادر فرمایا۔ کسی طرف سے بھی کوئی مزاحمت پیش نہ آئی۔ صرف حضرت خالدؓ کا ٹکراؤ ایک جتھے سے ہوا۔ حضرت خالدؓ نے ان کے دس بارہ آدمی کاٹ کر رکھ دیے۔ باقی بھاگ گئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ مہاجرین و انصار کے جلو میں مسجدِ حرام کے اندر داخل ہوئے۔ حجرِ اسود کو بوسہ دیا اور طواف کیا۔ آپ ﷺ حالتِ احرام میں نہ تھے۔ اس وقت بیت اللہ کے گرد تین سو ساٹھ بت تھے۔ آپ ﷺ ایک لکڑی سے انھیں کچوکے لگاتے اور فرماتے۔

﴿جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا.﴾ (بنی اسرائیل:۱۷:۸۱)

''حق آگیا اور باطل چلا گیا یقیناً باطل جانے ہی والا ہے''

اس ضرب سے بت پاش پاش ہوتے جاتے۔ جب آپ ﷺ طواف سے فارغ ہوئے تو عثمان بن طلحہ کو بلایا؛ ان سے کعبہ کی چابی لی اور اسے کھلوایا؛ اندر جو بت تھے انھیں نکال کر تڑوا دیا اور جو تصاویر تھیں انھیں مٹا ڈالا؛ پھر دو رکعت نماز پڑھی اور اللہ کی تکبیر اور توحید کے کلمات کہے؛ پھر آپ ﷺ نے دروازہ کھولا؛ قریش مسجدِ حرام میں صفیں بنائے موجود تھے۔ آپ ﷺ نے دروازے کے دونوں پٹ پکڑ کر ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا؛ اسلام کے احکام بیان فرمائے؛ امورِ جاہلیت کو پاؤں تلے روندا اور پھر قریش سے استفسار فرمایا:

''لوگو......! تمہارا کیا خیال ہے......؟ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں......؟''

انھوں نے کہا آپ کریم بھائی ہیں۔ کریم بھائی کے صاحبزادے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

Marfat.com

﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ . اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ﴾

''آج تم پر کوئی سرزنش نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو''۔

کعبے کی چھت پر اذان

نمازِ ظہر کا وقت ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا اور انہوں نے کعبے کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان دی۔ یہ غلبۂ اسلام کا عملی اظہار تھا۔ یہ عمل مشرکین کے لیے انتہائی ناگوار اور مومنین کے لیے باعثِ فرحت و انبساط ٹھہرا۔

انصار کا خدشہ

فتحِ مکہ کے بعد انصار کو یہ خدشہ لاحق ہو گیا کہ کہیں آپ ﷺ مکہ ہی میں نہ رہ جائیں۔ آپ ﷺ صفا پر دعا میں مصروف تھے فارغ ہوئے تو فرمایا اللہ کی پناہ...... اب زندگی اور موت انصار کے ساتھ ہے۔ اس سے انصار خوش ہو گئے اور ان کا خدشہ جاتا رہا۔

آپؐ نے مکہ میں اٹھارہ دن (اور کہا جاتا ہے کہ اُنیس دن) قیام فرمایا۔ (غالباً انیسویں روز آپ نے مکہ سے کوچ کیا) اس دوران آپؐ نے شعائرِ اسلام کو تازہ کیا۔ حدودِ حرم کی تجدید کی اور آثارِ جاہلیت کا مکمل طور پر خاتمہ فرمادیا۔ یہاں آپؐ کی حیاتِ طیبہ کے اس پہلو میں حکمت و دانائی کے بعض خزانوں کی طرف اشارہ ضروری ہے۔ ہجرت سے قبل آپ ﷺ نے تیرہ سال مکہ میں بیت اللہ کے ارد گرد تین سو ساٹھ بتوں کو برداشت فرمایا۔ عمرۃ القضاء میں انہی بتوں سے بھرے ہوئے بیت اللہ کے گرد طواف کیا اور دیگر مناسکِ عمرہ ادا کیے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے خلافِ فطرت اور خلافِ توحید مظاہر پر غیر معمولی صبر اور برداشت کا مظاہرہ فرمایا۔ لیکن جوں ہی حق

غالب آ گیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو عظیم الشان فتح نصیب فرمائی تو پھر آپ نے ایک لمحہ کی تاخیر بھی گوارا نہ فرمائی اور سب سے پہلا کام ہی یہ کیا کہ ان کا کام تمام کر دیا اور جاہلیت کے تمام آثار ایک لحظہ میں صفحۂ ہستی سے مٹا دیے۔

کاش آج ان تمام ممالک میں جہاں مسلمان حکمران ہیں مسلمانوں کو یہ توفیق حاصل ہو جائے کہ وہ بغیر کسی تردّد اور توقف کے جاہلیت کے تمام آثار مٹا دیں اور اس سلسلے میں کسی مداہنت سے کام نہ لیں۔

غزوۂ حُنین (شوّال ۸ ہجری)

فتحِ مکہ نے اردگرد کے قبائل کو نفسیاتی خوف میں مبتلا کر دیا۔ وہ باہم مشاورت کرنے لگے۔ مرکزی کردار بنو ہوازن اور بنو ثقیف نے ادا کیا۔ یہ طے کیا گیا کہ اس سے پہلے کہ محمد (ﷺ) اپنے لشکر سمیت حملہ آور ہوں ہمیں پہل کر دینی چاہیے۔ انہوں نے مالک بن عوف نصریؔ کو اپنا سالار مقرر کیا اور اسے بڑا لشکر فراہم کیا۔ جنگی تدبیر کے طور پر مالک نے حکم دیا کہ ہر سپاہی اپنے بیوی بچوں اور مویشیوں کو ساتھ لے کر چلے تاکہ ان کی حفاظت کی خاطر میدان میں جم کر مقابلہ کر سکے۔ لشکر میں درید بن صمہ بھی تھا اس نے مالک کی اس رائے پر اعتراض کیا اور اسے مشورہ دیا کہ عورتوں، بچوں اور مال مویشی کو واپس کر دو لیکن وہ اپنی رائے پر بضد رہا۔ اور اپنی فوج کے تیر اندازوں کو وادیٔ حنین کی کمین گاہوں میں چھپا دیا۔ دوسری جانب رسول اللہ ﷺ کو ان کے جمع ہونے اور مقابلہ کرنے کے عزائم کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے ان کی سرکوبی کا فیصلہ فرمایا۔ آپ ﷺ کے ہمراہ بارہ ہزار کا لشکر تیار ہوا جن میں ۲ ہزار نو مسلم شامل تھے۔ جب مسلمان باہر نکلے تو ان کے دلوں

Marfat.com

میں کثرتِ تعداد کے سبب یک گونہ اطمینان تھا اور وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ اس معرکہ میں کوئی خاص مزاحمت نہ ہوگی اور لشکرِ اسلام فتح کے پھریرے لہراتا ہوا مظفر و منصور لوٹے گا۔

خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ جوں ہی لشکرِ اسلام وادی میں داخل ہوا کمیں گاہوں میں چھپے تیر اندازوں نے انھیں تیروں کی باڑ پر لے لیا۔ یہ حملہ اس قدر اچانک اور شدید تھا کہ لشکر تتر بتر ہو گیا اور لوگ خوف و ہراس اور سراسیمگی کا شکار ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ محض چند کبار صحابہؓ کے ساتھ میدان میں جمے رہے۔

آپ نے فرمایا:

انا النبیُ لا کذب انا ابنِ عبدالمطلب

آپ ﷺ کے حکم پر حضرت عباسؓ نے پکار لگائی۔ اے درخت والو (یعنی بیعتِ رضوان میں شریک لوگو) کہاں جاتے ہو۔ یہ پکار جن جن کے کانوں میں پڑی واپس پلٹتے گئے اور آن کی آن میں مسلمانوں کی جمعیت مجتمع ہوگئی اور پھر ایک ہی حملے میں قبائل کے پاؤں اکھڑ گئے۔ یہاں تک کہ وہ مال مویشی اور خواتین (جو محض اس غرض سے فوج کے ساتھ تھیں کہ لوگ جم کر لڑیں گے) کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ آپ ﷺ نے بنو ہوازن کا انتظار فرمایا اور مالِ غنیمت تقسیم کرنے میں توقف فرمایا۔

قیدیوں میں شیما بنتِ حارث سعدیہ بھی تھیں جو رسول اللہ کی رضاعی بہن تھیں جب انہیں آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو انہوں نے اپنا تعارف کرایا آپ ﷺ نے انھیں پہچان لیا...... ان کی تکریم کی اور اپنی چادر مبارک پر انھیں بٹھایا اور پھر آزاد کرتے ہوئے اپنی قوم کی طرف روانہ فرما دیا۔

Marfat.com

غزوۂ طائف (شوال/ذی قعدہ ۸ ہجری)

مشرکین کے گروہ در گروہ حنین سے بھاگ کر طائف میں پناہ گزیں ہوئے تو آپ ﷺ نے کسی اور امر کی طرف متوجہ ہونے کے بجائے طائف کا رخ کیا تاکہ خباثت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے۔ لشکر کی آمد کا سن کر اہلِ طائف نے سال بھر کا راشن جمع کیا اور قلعہ بند ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے طائف کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ قدرے طول پکڑ گیا۔ دونوں طرف سے سنگ باری اور تیر اندازی کا سلسلہ جاری رہا لیکن قلعہ کی طرف پیش رفت ممکن نہ ہو سکی۔ آپ ﷺ نے جنگی حکمتِ عملی کے تحت کھجور کے درخت کاٹنے کا حکم دیا جب کٹائی شروع ہوئی تو اہلِ طائف نے اللہ اور اہل قرابت کا واسطہ دیا کہ درخت نہ کاٹے جائیں۔ آپ ﷺ نے اللہ اور قرابت داروں کا واسطہ قبول کرتے ہوئے درختوں کی کٹائی کا حکم واپس لے لیا۔ اس دوران رسول اللہ ﷺ نے مُنادی کرادی کہ جو غلام قلعہ سے اتر کر ہمارے پاس آئے وہ آزاد ہے۔ یہ سن کر تیس غلام مختلف راستوں سے لشکرِ اسلام میں پہنچے اور اسلام لا کر دنیا کی تمام غلامیوں سے آزاد ہو کر بندگیٔ رب میں داخل ہو گئے۔

جب محاصرہ طول پکڑ گیا تو آپ ﷺ نے مشاورت فرمائی۔ کہا گیا لومڑی اپنی بھٹ میں گھس گئی ہے...... آپ بیٹھے رہیں تو پکڑ لیں گے اور چھوڑ دیں تو یہ آپ کو مزید کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی۔ یہ سن کر آپؐ نے محاصرے کے اختتام کا اعلان فرمایا۔

Marfat.com

مالِ غنیمت کی تقسیم اور بنو ہوازن کی آمد

واپسی پر آپؐ نے غزوۂ حنین میں ہاتھ لگنے والے مالِ غنیمت سے پانچواں حصہ الگ کیا اور باقی کا مجاہدین میں تقسیم فرما دیا۔ اس تقسیم کے وقت آپؐ نے تالیفِ قلب کے قرآنی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے فتح مکہ کے بعد مسلمان ہونے والے نومسلموں پر خصوصی نظر التفات فرمائی اور انھیں خوب نوازا۔ یہاں تک کہ لوگوں میں چرچا ہونے لگا کہ ''محمدؐ اتنا بے پناہ عطیہ دیتے ہیں کہ گویا انھیں فقر کا اندیشہ ہی نہیں۔''

انصار کا شکوہ اور رسول اللہ ﷺ کا جواب

مالِ غنیمت کی اس بے دریغ تقسیم سے انصار کے دل میں یہ شکوہ پیدا ہوا کہ رسول اللہ ﷺ قریش کو بے حد نواز رہے ہیں جب کہ انصار کا حصہ ہی نہیں۔ چناں چہ بعض انصار نے اس کا اظہار بھی کیا۔ یہ بات رئیس الانصار حضرت سعد بن عبادہؓ نے آپؐ تک پہنچائی۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے انصار کو ایک جگہ جمع ہونے کا حکم دیا۔ پھر اللہ کی حمد وثنا کی اور پھر انصار کو مخاطب کیا:

> ''لوگو تم اپنے جی میں دنیا کی ایک حقیر سی گھاس کے لیے ناراض ہو گئے جس کے ذریعے سے میں نے لوگوں کا دل جوڑا تھا تاکہ وہ مسلمان ہو جائیں اور تم کو تمھارے اسلام کے حوالے کر دیا تھا۔ اے انصار کیا تم اس سے راضی نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے جائیں اور تم رسول اللہ کو لے جاؤ۔''

یہ کلمات ادا ہونے تھے کہ لوگوں کی چیخیں نکل گئیں۔ سب نے کہا ہم اس پر راضی ہیں کہ ہماری

معیت میں رسول اللہ ﷺ واپس مدینہ تشریف لے جائیں۔اس کے بعد ہوازن کا وفد زہیر بن صرد کی قیادت میں آپ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا؛اس نے اسلام قبول کیا؛ آپ ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور کہنے لگا۔یارسول اللہ ﷺ آپ نے جنھیں گرفتار کیا ہے ان میں مائیں ہیں، بہنیں ہیں، پھوپھیاں ہیں، خالائیں ہیں اور یہی قوموں کی رسوائی کا سبب بنتی ہیں۔پھر اس نے اس رضاعت کا واسطہ دیا اور کہا کہ آپؐ نے بچپن میں اسی قوم کی ماں کا دودھ پیا ہے۔آپ ﷺ نے اسے دو چیزوں میں سے ایک کی پیش کش کی۔ قیدی یا مال مویشی۔انھوں نے قیدیوں کی رہائی کی التجا کی۔آپ ﷺ نے فرمایا۔ظہر کے وقت نماز کے بعد یہ معاملہ قوم کے سامنے رکھنا۔جب انھوں نے نماز کے بعد اپنے اسلام کا اظہار کیا اور مسلمانوں سے قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ کیا تو آپ نے اپنا اور بنی عبدالمطلب کا حصہ معاف کر دیا۔یہ دیکھ کر مہاجرین وانصار نے بھی اپنے حصے کے قیدی رہا کر دیے۔البتہ بعض اعراب نے پس وپیش سے کام لیا۔آپ نے آئندہ انھیں حظ وافر عطا کرنے کی یقین دہانی کرائی۔چناں چہ اس طرح ہوازن کے تمام قیدی رہا ہو گئے۔اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ نے احرام باندھا؛ عمرہ ادا کیا اور واپس مدینہ کی طرف چل پڑے۔

Marfat.com

غزوۂ تبوک (رجب تا رمضان ۹ ہجری)

جنگ موتہ کے باب میں گزر چکا ہے کہ یہ معرکہ رومیوں کے لیے حیران کن تھا اوراس کے بعدانہوں نے اُسلام کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنا شروع کر دیا تھا بلکہ ان کے نزدیک اِسلام اُن کے وجود کی بقا کے لیے خطرہ بنتا جارہا تھا۔روم کی عرب ریاستیں جو غلامی کی زندگی گزار رہی تھیں اب آزادی کا سانس لینے کی کوشش کر رہی تھیں اور قیصرِ روم کوخطرہ تھا کہ قلبِ عرب سے اسلامی مستقر کو جب تک ختم نہیں کر دیا جاتا یہ خطرہ باقی رہے گا اور وہ عرب آبادیاں جو رومی تسلط کے تحت ہیں کسی موقع پر علمِ بغاوت بلند کر دیں گی۔ چناں چہ اس نے ایک لشکرِ جرار جمع کرنے کی ٹھانی تا کہ پیش قدمی کر کے مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجادے۔

ادھر رسول اللہ ﷺ کو رومیوں کی تیاریوں کا علم ہوا تو آپؐ نے ان کا انتظار کرنے کے بجائے اقدام کا فیصلہ فرمایا اور جہاد کی منادی کرا دی نیز مومنین سے راہِ جہاد میں اپنا مال و متاع خرچ کرنے کی اپیل کی۔اس اپیل کے نتیجے میں جاں نثاری اور فدا کاری کی وہ تاریخ رقم ہوئی کہ رہتی انسانیت اس پر انگشت بدنداں ہے۔ جو آپ ﷺ سے جتنا قریب تھا اس نے اتنا ہی ایثار و قربانی کا بڑا معیار قائم کیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ اپنا سارا مال و متاع اٹھا لائے اور پیچھے کچھ بھی نہ چھوڑا۔ جی چاہتا ہے یہاں اقبالؒ کے خوبصورت اشعار ادائے معانی کی غرض سے نقل کیے جائیں۔

اتنے میں وہ رفیقِ نبوت بھی آ گیا — جس سے بنائے عشق و محبت ہے استوار
لے آیا اپنے ساتھ وہ مردِ وفا سرشت — ہر چیز جس سے چشمِ جہاں میں ہو اعتبار

ملکِ یمین و درہم و دینار و رخت و جنس　　اسپ قمر سُم و شُتر و قاطر و حمار
بولے حضور چاہیے فکرِ عیال بھی　　کہنے لگا وہ عشق و محبت کا راز دار
اے تجھ سے دیدۂ مہ و انجم فروغ گیر!　　اے تیری ذات باعثِ تکوینِ روزگار
پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیقؓ کے لیے ہے خدا کا رسول بس

حضرت عمرؓ نے اپنا نصف مال خدمتِ اقدس میں پیش کیا۔ حضرت عثمانؓ نے سینکڑوں اُونٹ غلّہ سے لدے لدائے خدمتِ اقدس میں پیش کیے اور پھر ایک ہزار سونے کی اشرفیاں بھی لا کر ڈھیر کر دیں۔ ان کو دیکھ کر آپ کا چہرۂ انور فرحت وانبساط سے تمتما اٹھا اور آپ نے حضرت عثمانؓ کے لیے دعا فرمائی۔

غرض انفاق فی سبیل اللہ کی اس دوڑ میں کوئی بھی پیچھے نہ رہا۔ یہاں تک کہ ایسے بھی اصحاب آئے جو ساری رات مزدوری کرتے اور صبح دم جو اجرت انہیں ملتی اس کا ایک حصہ خدمتِ اقدس میں پیش کر کے اس کارِ خیر میں اپنا حصہ ڈالتے جاتے۔ آپ ﷺ نے راہِ خدا میں خرچ کرنے والے ہر فرد کو شاباش دی اور عطیہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، اُسے بہ مسرت قبول کر کے لوگوں کی ہمت بندھائے رکھی۔ منافقین نے اس موقع پر زیادہ خرچ کرنے والوں کو ریا کا طعنہ دیا۔ جب کہ جن کے پاس تھوڑا تھا اُن کے قلیل صدقات کا مذاق اڑایا جب کہ خاص ان کا طرزِ عمل یہ تھا کہ جھوٹے اور بناوٹی عذر لے کر حاضر ہوتے رہے اور جنگ میں جانے سے خلاصی پاتے رہے۔ ان کے علاوہ بعض مخلص مسلمان بھی سُستی کی وجہ سے جہاد میں جانے سے رہ گئے۔ آپ ﷺ تیس ہزار

Marfat.com

صحابہ لے کر تبوک کی جانب روانہ ہو گئے۔ لشکر کا سب سے بڑا پرچم حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حوالے فرمایا۔ مہاجرین کی کمان حضرت زبیرؓ کے سپرد کی؛ اوس کا جھنڈا حضرت اُمیہ بن خضیرؓ اور خزرج کا جھنڈا حضرت خبابؓ بن منذر کے سپرد فرمایا۔ سواریوں کی قلت کے باعث ایک ایک اونٹ پر اٹھارہ اٹھارہ افراد کی سواری کی باری مقرر ہوئی۔ لوگوں نے درختوں کے پتے کھائے جس سے ان کے ہونٹ سوج گئے۔ راستے میں پانی کی قلت کا سامنا بھی کرنا پڑا۔

تبوک میں قیام

قیصرِ روم کو رسول اللہ ﷺ کے لشکر کی برابر اطلاعات موصول ہو رہی تھیں اور دن بہ دن اس کے حوصلے میں اضمحلال بڑھ رہا تھا۔ جب اسلامی لشکر مدینہ سے نکلا اس نے اپنا لشکر پیچھے کی طرف سمیٹنا شروع کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کے تبوک پہنچنے سے پہلے ہی وہ اپنے لشکر سمیت واپس جا چکا تھا۔ آپؐ نے بیس روز تک تبوک میں قیام کر کے دشمن پر رعب ڈالا اور مختلف وفود کا استقبال فرمایا۔ بیس روز بعد آپ ﷺ نے واپسی کی راہ لی اور تقریباً پچاس روز مدینہ سے باہر رہنے کے بعد واپس تشریف لائے۔

مسجدِ ضرار کا انہدام

منافقین نے کفر و نفاق کی سازشوں کے لیے قبا میں ایک مسجد تعمیر کی اور رسول اللہ ﷺ سے فرمائش کی کہ آپؐ اس میں نماز پڑھائیں۔ سفرِ تبوک درپیش تھا

Marfat.com

اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا واپسی پر اِن شاء اللہ ان کی خواہش پوری کی جائے گی لیکن واپسی کے سفر میں جبریل امینؑ نے آپ ﷺ کو اس مسجد کی حقیقت بتادی اور آپ ﷺ کو جانے سے منع کر دیا۔ آپ ﷺ نے آدمی بھجوا کر مسجد مسمار کرادی۔

مخلفین

لکھا جا چکا ہے کہ کچھ مخلص مسلمان اپنی سُستی کی وجہ سے اس سفر جہاد میں شریک ہونے سے رہ گئے۔ آپ ﷺ کی مدینہ واپسی پر وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنی کوتاہی کو صاف تسلیم کر لیا۔ ان میں کعب بن مالکؓ۔ مرارہ بن ربیعؓ اور ہلال بن امیہؓ شامل تھے۔ آپ ﷺ نے انھیں اللہ کے فیصلے کا انتظار کرنے کو کہا اور عام مسلمانوں کو حکم دیا کہ ان سے ہر قسم کی لاتعلقی اختیار کریں۔ یہاں تک کہ ان کے سلام کا جواب بھی نہ دیں۔ چالیس دن اسی حال میں گزر گئے تو حکم آیا کہ ان کی عورتیں بھی ان سے الگ رہیں پھر پچاس دن پورے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی۔ فرمایا!

﴿وَ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَ ضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَ ظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا . اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾

(التوبہ:۹: ۱۱۸)

”اور اللہ نے ان تین آدمیوں کی بھی توبہ قبول کی جن کا معاملہ مؤخر کر دیا گیا تھا یہاں تک کہ جب زمین اپنی کشادگی کے باوجود ان پر تنگ کر دی گئی ان کی جان پر بن آئی اور انہوں نے یقین کر لیا کہ اللہ سے بھاگ کر پناہ کی کوئی جگہ نہیں اگر ہے تو اسی کی طرف ہے تو اللہ نے ان پر مہربانی کی تاکہ وہ توبہ کریں یقیناً اللہ توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے“

یہ دن رسول اللہ ﷺ اور تمام اہلِ ایمان کے لیے مسرت اور شادمانی کا دن تھا۔ سب لوگوں نے تینوں پیچھے رہ جانے والے اصحاب کو مبارک باد دی جب کہ ان اصحاب نے بطور شکرانہ سجدۂ شکر بجالایا۔ صدقہ دیا اور خوش خبری سنانے والوں کو تحائف سے نوازا۔

Marfat.com

فصل سوم

اتمامِ حُجت

سورۃ برأت کا نزول اور مشرکین کے لیے واضح احکام

عرب سمجھتے تھے کہ وہ دینِ ابراہیم پر ہیں۔ سنتِ ابراہیم کے مطابق وہ ہر سال بیت اللہ کا حج کرتے تھے۔ البتہ صدیوں کے بگاڑ کے نتیجے میں انہوں نے بہت ساری بدعات بھی حج کے مناسک میں شامل کردی تھیں۔ جب مکہ فتح ہوا تو آپ ﷺ نے نوجوان نومسلم عتاب بن اُسید کو مکہ کا گورنر مقرر فرمایا۔ ۸ ہجری کا حج مسلمانوں اور مشرکین نے انہی کی اقتداء میں کیا۔ البتہ مسلمانوں نے مشرکین کی جاری کردہ بدعات سے اجتناب کیا۔

اس کے بعد ۹ ہجری میں رسول اللہؐ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو امیرِ حج مقرر فرما کر مدینہ سے روانہ فرمایا۔ ان کے ساتھ تین سو مسلمانوں کا قافلہ مدینہ سے گیا۔ ان کے رخصت ہو جانے کے بعد سورۃ برأت نازل ہوئی جس میں اللہ رب العالمین نے مشرکین سے بے زاری کا اعلان فرمایا اور انھیں چار مہینے کی مہلت دینے کا اعلان کیا اس کے بعد ان کے لیے دو ہی راستے تھے اسلام قبول کر لیں یا قتل ہونے یا جلا وطن ہونے کے لیے تیار ہو جائیں۔ یہ آیات دے کر آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو روانہ فرمایا اور حکم دیا کہ انھیں حج کے دن لوگوں کے سامنے واشگاف انداز میں بیان کر دیا جائے۔ حضرت علیؓ

راستے ہی میں حضرت ابو بکر صدیقؓ سے جا ملے اور رسول اللہ ﷺ کے پیغام اور نازل شدہ قرآنی آیات کے بارے میں بتایا۔ نیز واضح کیا کہ وہ (حضرت علی) امیر نہیں مامور بن کر آئے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی قیادت میں مسلمانوں نے حج ادا کیا۔ حج کے دن حضرت علیؓ نے سورۃ توبہ کی آیات سنائیں۔ اس کے بعد حضرت ابو بکر نے یہ اعلان کرا دیا کہ آج کے بعد کوئی مشرک حج نہ کر سکے گا نہ ہی مناسکِ حج میں کسی بدعت کو شامل کیا جائے گا۔

وفود

کہا جا چکا ہے کہ قریش بیت اللہ کو شرف و عزت کا گھر سمجھتے تھے اور واقعہ فیل نے ان کے اس عقیدے کو پختہ کر دیا تھا کہ کوئی باطل پرست شخص چاہے وہ طاقت ور ہی کیوں نہ ہو بیت اللہ پر قبضہ نہیں کر سکتا لیکن جب انہوں نے اور سارے عرب نے کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں کو مکہ پر نہ صرف غلبہ اور تسلط حاصل ہو گیا ہے بلکہ آپ ﷺ نے جاہلیت کے تمام آثار مٹا دیے ہیں اور اس سارے کام میں کوئی غیبی قوت ان کے آڑے نہیں آئی بلکہ یوں لگا کہ گویا ساری غیبی قوتیں آپ ﷺ کی پشت پر ہیں تو ان کو یقین ہو گیا کہ آپ اللہ کے فرستادہ اور سچے رسول ہیں۔ اسی لیے ۹ ہجری کو وفود کا سال بھی کہا جاتا ہے۔ اسی طرف قرآنِ پاک نے سورۃ النصر میں اشارہ فرمایا۔

﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ○ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِىْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ○ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا﴾ (النصر)

”جب اللہ کی مدد اور فتح حاصل ہو گئی اور آپ لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہوتا دیکھتے ہیں تو اپنے رب کی تسبیح میں مشغول ہو جائیں اسی کی تعریف بیان فرمائیں اور استغفار فرمائیں بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے“

حضرت ابنِ عباسؓ کے بقول ان آیات میں رسول اللہ ﷺ کے مشن کی تکمیل، آپؐ کی زندگی کے خاتمے اور رفیق اعلیٰ کی جانب رحلت کا اشارہ ہے بہ ہر حال اعراب کے وفود مدینہ آتے چلے گئے۔ کچھ اپنے اسلام میں مخلص تھے۔ قرآن نے ان کے جذبہ کی تصدیق فرمائی اور بارگاہ ایزدی سے انھیں سندِ توصیف ملی۔ کچھ اپنے نفاق اور فسق میں پکے تھے۔ نہ جان اللہ کی راہ میں پیش کرنا چاہتے تھے نہ مال۔ البتہ اس انتظار میں تھے کہ اس تحریک کا اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے تاکہ وہ اپنے مستقبل کے بارے میں بزعم خویش محفوظ فیصلہ کرسکیں۔ قرآنِ پاک نے ان کے عزائم کی بھی قلعی کھول دی۔ کچھ بدو آئے اور آپ پر اپنا اسلام جتلانے لگے۔ قرآنِ پاک نے ان کی بھی مذمت کی اور فرمایا کہ:

﴿يَمُنُّونَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ط قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ج بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾

(الحجرات: ۴۹: ۱۷)

"(اے نبی) یہ آپ پر اپنے اسلام لانے کا احسان جتلاتے ہیں آپ فرما دیجیے کہ مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ رکھو بلکہ (حقیقت تو یہ ہے کہ) اللہ نے تم پر عظیم احسان کیا کہ تمہیں ایمان کی ہدایت بخشی اگر تم سچے ہو"

البتہ ان وفود کی آمد و رفت سے جزیرۃ العرب میں موجود سلیم الفطرت لوگوں تک دین متین کا پیغام پہنچ گیا اور بڑی تعداد میں لوگ مسلمان ہوئے۔ اس صورت حال سے جزیرہ کی فضا میں خوش گوار تبدیلی پیدا ہوئی۔ پورے علاقے کی معاشی، سیاسی، سماجی کیفیت بدل گئی اور اسلام کا پھریرا ہر سو لہرانے لگا۔

Marfat.com

حجۃ الوداع (ذالحج ۱۰ ہجری)

مشن کی تکمیل ہو چکی تھی۔ فرائض نبوت و رسالت کا اتمام نظر آرہا تھا۔ آپ ﷺ اشارۂ ایزدی پا کر اختتامی امور کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو ۱۰ ہجری میں یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو فرمایا معاذ غالباً مجھ سے اس کے بعد نہ مل سکو گے بلکہ شاید اس مسجد اور میری قبر کے پاس سے گزرو گے۔ حضرت معاذ یہ سن کر فرطِ غم سے رونے لگے۔ اسی سال آپ نے حج کا ارادہ ظاہر فرمایا یہ سن کر مسلمانان عرب جوش و خروش سے پہنچنا شروع ہوئے کہ آپ کی معیت میں حجِ اقدس کا فریضہ سرانجام دیں۔ آپ نے ذی قعدہ ۱۰ ہجری کی آخری تاریخوں میں مدینہ سے کوچ کیا۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر قیام کیا اور اگلے روز حج اور عمرہ کی نیت کر کے احرام باندھا اور تکبیر و تلبیہ کہتے ہوئے مکہ کی راہ لی۔ ہفتہ بھر بعد جب آپ مکہ کے قریب ذی طویٰ میں پہنچے تو قیام فرمایا۔ صبح فجر کے بعد مکہ میں داخل ہوئے۔ بیت اللہ کا طواف کیا۔ پھر صفا و مروہ کے درمیان سعی کی مگر احرام نہیں کھولا کیوں کہ آپ نے حج و عمرہ کا احرام ایک ساتھ باندھا تھا۔ عمرہ سے فارغ ہو کر آپ نے بالائی مکہ میں قیام فرمایا نیز اس طواف اور حج کے طواف کے علاوہ اور کوئی طواف نہ کیا۔

اس کے بعد آپ نے ایام حج میں منیٰ، عرفات، مزدلفہ میں مناسک حج ادا فرمائے۔ وقوفِ عرفات کے دوران آپ نے وادیٔ نمرہ میں وہ عظیم الشان خطبہ ارشاد فرمایا جو رہتی انسانیت کے لیے مشعل راہ ہے۔ آپ قصویٰ پر سوار تھے اور آپ ﷺ کے سامنے انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر موجود تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

Marfat.com

''لوگو میری بات سن لو۔ کیوں کہ میں نہیں جانتا شاید اس سال کے بعد اس مقام پر میں تم سے کبھی مل سکوں۔ تمہارا خون اور تمہارا مال ایک دوسرے پر اس طرح حرام ہے جس طرح تمہارے لیے آج کے دن کی، رواں مہینہ کی اور موجودہ شہر کی حرمت ہے۔ سن لو! جاہلیت کی ہر چیز میرے پاؤں تلے روند دی گئی ہے۔ جاہلیت کے خون بھی ختم کر دیے گئے ہیں اور ہمارے خون میں سے پہلا خون جسے میں ختم کر رہا ہوں وہ ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون ہے۔ یہ بچہ بنو سعد میں دودھ پی رہا تھا کہ انہی ایام میں قبیلہ ہذیل نے اسے قتل کر دیا اور جاہلیت کا سود ختم کر دیا گیا ہے اور ہمارے سود میں سے پہلا سود جسے میں ختم کر رہا ہوں وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے۔ اب یہ سارا کا سارا سود ختم ہے۔ ہاں! عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو کیوں کہ تم نے انھیں اللہ کی امانت کے ساتھ لیا ہے اور اللہ کے کلمے کے ذریعہ حلال کیا ہے۔ ان پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جو تمھیں گوارا نہیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو تم انہیں مار سکتے ہو لیکن سخت مار نہ مارنا اور تم پر ان کا حق یہ ہے کہ تم انہیں معروف کے ساتھ کھلاؤ اور پہناؤ۔ ۵۶

اور میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم نے اسے مضبوطی سے پکڑے رکھا تو اس کے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے اور وہ ہے اللہ کی کتاب۔ لوگو! یاد رکھو میرے بعد نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں۔ لہٰذا اپنے رب کی عبادت کرنا۔ پانچ وقت نماز پڑھنا، رمضان کے روزے رکھنا، خوشی خوشی اپنے مال کی زکوۃ دینا اپنے پروردگار کے گھر کا حج کرنا اور اپنے حکمرانوں کی اطاعت کرنا۔ ایسا کرو گے تو اپنے پروردگار کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ ۵۷

اور تم سے میرے متعلق پوچھا جانے والا ہے۔ تو تم لوگ کیا کہو گے؟ صحابہ نے کہا ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ نے تبلیغ کر دی پیغام پہنچا دیا اور خیر خواہی کا حق ادا فرما دیا۔

یہ سن کر آپ ﷺ نے شہادت کی انگلی کو آسمان کی طرف اٹھایا اور لوگوں کی طرف

جھکاتے ہوئے تین بار فرمایا۔اے اللہ گواہ رہ۔"

جب آپ خطبہ سے فارغ ہوئے تو یہ آیت نازل ہوئی:

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً﴾ (المائدہ:۵:۳)

"آج میں نے تمہارے لیے دین مکمل کرلیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور تمہارے لیے اسلام کو بحیثیت دین پسند کرلیا"

خطبہ کے بعد حضرت بلالؓ نے اذان اور اقامت کہی آپ ﷺ نے ظہر کی نمازِ قصر پڑھائی اس کے بعد بلالؓ نے پھر اقامت کہی آپ نے عصر پڑھائی۔یہ بھی دو رکعت (یعنی قصر) تھی۔اس کے بعد آپ ﷺ نے غروبِ آفتاب تک عرفات میں وقوف فرمایا اور غروب کے بعد اپنی اونٹنی پر مزدلفہ تشریف لے گئے۔جہاں آپ ﷺ نے ایک اذان اور دو اقامت کے ساتھ مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا فرمائیں۔اس کے بعد آپ نے طلوعِ فجر تک آرام فرمایا۔اس روز آپ منیٰ تشریف لے گئے؛ شیطان کو کنکریاں ماریں۔اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے ۶۳ اونٹ ذبح فرمائے اور ۳۷ اونٹ آپ ﷺ کی جانب سے حضرت علیؓ نے ذبح کیے اس طرح کل ۱۰۰ اونٹ کی قربانی آپ کی جانب سے کی گئی۔آپ نے قربانی کے گوشت میں سے کچھ پکوایا۔گوشت تناول فرمایا اور شوربا پیا۔پھر مکہ تشریف لے گئے۔طواف فرمایا اور زم زم نوش فرمایا اس کے بعد آپ ایام تشریق میں منیٰ میں ہی مقیم رہے اور مناسکِ حج ادا فرماتے رہے۔حج کی تکمیل کے بعد آپ نے سواری کا رخ دار الھجرہ کی طرف موڑ دیا۔صحابہ کرام نے آپ ﷺ کا اتباع کیا۔

فصل چہارم

رحلت کے آثار

(صفر/ربیع الاوّل ۱۱ ہجری)

آپ ﷺ نے تمام زندگی غیر معمولی طور پر صحت مند اور ہشاش بشاش گزاری۔ آپ ﷺ کے معمولاتِ خورد ونوش چلنا پھرنا مستعدی یہ سب کچھ دیکھ کر لوگ استعجاب کا اظہار کرتے تھے۔ روایات میں یہاں تک ملتا ہے کہ آپ کی خدمت میں کئی سال تک طبیب رہے لیکن آپ کو کبھی معمولی سا مرض لاحق نہیں ہُوا۔ اگر یہ کہا جائے کہ آپ اپنی تمام زندگی میں صرف ایک دفعہ صاحبِ فراش ہوئے اور یہ آپ کا مرض وفات تھا تو بے جا نہ ہوگا۔

حجۃ الوداع میں ہی آپ ﷺ یہ اشارہ فرما چکے تھے کہ اب آپ کا سفرِ رحلت قریب ہے۔ صفر ۱۱ ہجری کے آخری ایام میں آپ کسی جنازے کے ہمراہ بقیع تشریف لے گئے۔ واپسی پر آپ نے سر میں درد محسوس کیا اور یہ اتنا شدید تھا کہ آپ کو کپڑا لپیٹنا پڑا۔ جس کے باہر سے بخار کی حدت بھی محسوس کی جا سکتی تھی یہ مرض الموت کا آغاز تھا۔ کُل تیرہ یا چودہ روز آپؐ بیمار رہے۔ گیارہ روز تک بہ ذات خود نماز پڑھائی۔ وفات سے پانچ چھ روز پہلے مسجد میں تشریف لائے تو سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ البتہ بخار میں کچھ تخفیف تھی۔ آپ ﷺ منبر پر فروکش ہوئے۔ صحابہ اردگرد جمع تھے۔ آپ نے فرمایا:

Marfat.com

''یہود ونصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا''
آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ''میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اس کی پوجا کی جائے'' اس کے بعد آپ ﷺ منبر سے نیچے تشریف لائے ..... ظہر پڑھائی اور دوبارہ منبر پر بیٹھ کر کچھ اور نصیحت فرمائی ۔فرمایا: ''میں تمہیں انصار کے بارے میں نصیحت کرتا ہوں کیوں کہ وہ میرے قلب وجگر ہیں۔ انہوں نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی مگر ان کے حقوق باقی رہ گئے ہیں اور فرمایا مجھ پر اپنی رفاقت اور مال میں سب سے زیادہ احسان ابوبکر کے ہیں اگر میں اپنے رب کے علاوہ کسی اور کو خلیل بناتا تو ابوبکرؓ کو خلیل بناتا لیکن (ان کے ساتھ) اسلام کی اخوت ومحبت (کا تعلق) ہے۔ مسجد میں کوئی دروازہ باقی نہ چھوڑا جائے۔ بلکہ اسے لازماً بند کیا جائے سوائے ابوبکر کے دروازے کے۔ 58

وفات سے تین روز قبل صورتِ حال زیادہ بگڑ گئی۔ آپ ﷺ نے تین مرتبہ نماز کے لیے اٹھنا چاہا لیکن ہر بار غشی آجاتی اور نہ اٹھ پاتے۔ ادھر صحابہ نماز کے لیے منتظر تھے آپ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ (جن کے ہاں آپ ﷺ آخری ایام میں مقیم تھے) کو حکم دیا کہ وہ حضرت ابوبکرؓ کو نماز پڑھانے کا کہیں۔ انہوں نے پس وپیش سے کام لینا چاہا اور فرمایا آپ ﷺ عمرؓ کو نماز پڑھانے کا کہیں لیکن آپ ﷺ کے مسلسل اصرار پر حضرت ابوبکرؓ نے اہلِ ایمان کو نماز پڑھائی۔ آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں یہ پہلا موقع تھا کہ آپ ﷺ کے علاوہ کوئی اور شخص نماز کی امامت کرا رہا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اگلے دو تین روز میں سترہ نمازوں کی امامت کا شرف حاصل کیا۔ اسی دوران ایک روز رسول اللہ کی طبیعت سنبھل گئی۔ چناں چہ آپ ﷺ نے حجرہ کا پردہ اٹھایا۔ صحابہ نماز کے لیے صفیں بنا چکے تھے، حضرت ابوبکرؓ نے یہ دیکھ کر کہ آپ ﷺ تشریف لا رہے ہیں ..... پیچھے ہٹنا چاہا لیکن آپ ﷺ

نے اشارہ سے روک دیا۔ آپ ﷺ تشریف لائے اور ابوبکرؓ کے بازو میں تشریف فرما ہوئے۔ آپ ﷺ نماز پڑھاتے جاتے اور حضرت ابوبکرؓ آپ کی اقتداء میں بلند آواز سے اہلِ ایمان کے لیے تکبیر کہتے جاتے۔ ۵۹

وفات سے ایک روز پہلے آپ ﷺ نے اپنے غلاموں کو آزاد فرمایا؛ سات دینار پاس تھے انھیں صدقہ فرمایا جب کہ وفات کی رات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں چراغ کے لیے تیل موجود نہ تھا۔ چناں چہ مستعار لے کر رات گزاری۔

فجر کے وقت جب حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حجرہ کا پردہ اٹھایا۔ حضرت ابوبکرؓ نے آہٹ پا کر پیچھے ہٹنا چاہا لیکن آپ ﷺ کے اشارے پر انہوں نے نماز کی تکمیل کی۔ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس اچانک ورود سے ہم اِس قدر خوش ہوئے کہ چاہا نماز توڑ کر آپ ﷺ کا استقبال کریں لیکن آپ ﷺ کے اشارے پر ہم نے نماز مکمل کی۔

۱۲ ربیع الاوّل بروز سوموار ۱۱ ہجری آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کا آخری روز تھا۔

دن چڑھے بخار نے شدت اختیار کر لی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں آخری وقت میں مجھے رسول اللہ ﷺ کے قریب رہنے کا شرف حاصل رہا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کا لعاب اور میرا لعاب مل گیا۔ ہوا یوں کہ عبدالرحمان بن ابی بکرؓ آپ ﷺ کے پاس تشریف لائے۔ ان کے ہاتھ میں مسواک تھی۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ مسواک کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ میں سمجھ گئی کہ آپ ﷺ مسواک کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے مسواک آپ ﷺ کو دے دی...... آپ ﷺ کو کڑوی محسوس ہوئی۔ میں نے کہا اسے آپ ﷺ کے لیے نرم کر دوں۔ آپ ﷺ نے سر کے اشارے سے فرمایا "ہاں"۔ میں نے مسواک نرم کر دی اور آپ ﷺ نے نہایت اچھی طرح مسواک کی۔ آپ ﷺ کے سامنے کٹورے میں پانی تھا۔ آپ ﷺ دونوں

Marfat.com

ہاتھ کٹورے میں ڈال کر چہرہ پونچھتے جاتے اور فرماتے لاَ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں موت کے لیے سختیاں ہیں'' ٦٠

مسواک سے فارغ ہوتے ہی آپ ﷺ نے انگلی اٹھائی؛ نگاہ چھت کی طرف کی اور دونوں ہونٹوں پر حرکت ہوئی۔ حضرت عائشہؓ نے کان لگایا تو آپ ﷺ فرمارہے تھے اُن انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ہمراہ جنہیں تو نے انعام سے نوازا......

اے اللہ مجھے بخش دے؛ مجھ پر رحم کر اور مجھے رفیقِ اعلیٰ میں پہنچادے۔

اے اللہ رفیقِ اعلیٰ ......! آخری فقرہ تین بار فرمایا اور ہاتھ جھک گیا اور آپ ﷺ اپنے خالقِ حقیقی کے پاس پہنچ گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ٥

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شُد

رُوئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شُد

....

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ النَّبِیِّ الْاُمِّی

وَعَلٰی آلِہٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا

حوالہ جات

۱۔ بخاری جِلد دوم کتاب الانبیاء

۲۔ سیرت سرورِ عالم ﷺ جِلد دوم، ص۷۳

۳۔ بخاری کتاب الانبیاء، جِلد دوم

۴۔ الرحیق المختوم

۵۔ ایضاً

۶۔ ایضاً

۷۔ سیرت النبی ﷺ، جِلد اوّل

۸۔ الرحیق المختوم

۹۔ سیرت النبی ﷺ، جِلد اوّل

۱۰۔ سیرت سرورِ عالم ﷺ، جِلد دوم

۱۱۔ ابنِ ہشام/ترمذی

۱۲۔ ابنِ ہشام

۱۳۔ الرحیق المختوم

۱۴۔ سُنن ابی داوٗد

۱۵۔ سیرت النبی ﷺ

۱۶۔ شمائلِ ترمذی

۱۷۔ ایضاً

۱۸۔ الرحیق المختوم

۱۹۔ مُسلم شریف

۲۰۔ شمائل ترمذی

Marfat.com

۲۱۔ ایضاً

۲۲۔ سیرت النبی ﷺ

۲۳۔ بُخاری

۲۴۔ ابوداؤد

۲۵۔ شمائل ترمذی

۲۶۔ ایضاً

۲۷۔ سُنن نسائی

۲۸۔ بُخاری

۲۹۔ شمائل ترمذی

۳۰۔ ایضاً

۳۱۔ سیرت النبی ﷺ، جلد دوم

۳۲۔ الرحیق المختوم

۳۳۔ سیرت سرورِ عالم، جلد دوم

۳۴۔ فی ظلال القرآن

۳۵۔ الرحیق المختوم

۳۶۔ ایضاً

۳۷۔ سیرت سرورِ عالم ﷺ، جلد دوم

۳۸۔ ایضاً

۳۹۔ ایضاً

۴۰۔ مسند احمد، طبرانی

۴۱۔ ابنِ ہشام

۴۲۔ مختصر سیرۃ الرسول ﷺ

Marfat.com

٤٣۔ تاریخ عمر بن الخطاب از ابنِ جوزی

٤٤۔ طبقات ابنِ سعد

٤٥۔ الرحیق المختوم

٤٦۔ روح المعانی، تفسیر سورۃ القصص

٤٧۔ سیارہ ڈائجسٹ، عکسِ سیرت نمبر ص ١٥٢

٤٨۔ محسنِ انسانیت ﷺ

٤٩۔ سیرت ابنِ کثیر

٥٠۔ تفہیم القرآن، جلد دوم

٥١۔ ابنِ اسحاق، طبرانی

٥٢۔ سیرت سرورِ عالم ﷺ، جلد دوم

٥٣۔ ضیاء النبی ﷺ، جلد سوم، ص ٣٨٦

٥٤۔ محمد رسول اللہ ﷺ، ص ٥٥٤

٥٥۔ محمد رسول اللہ ﷺ

٥٦۔ مُسلم، باب حجۃ النبی ﷺ

٥٧۔ ابنِ ماجہ

٥٨۔ بخاری، مُسلم

٥٩۔ ایضاً

٦٠۔ صحیح بخاری

Marfat.com

عظیم المرتبت صحابہؓ کے حالاتِ زندگی

عشرہ مبشرہؓ

بشیر ساجد
مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے شاگردِ رشید

☆ اپنے موضوع پر سب سے مستند اور مفصل کتاب
☆ تاریخی واقعات و حالات کا علمی جائزہ
☆ محققانہ انداز، آسان اور عام فہم

مضبوط جلد - معیاری کاغذ - آفسٹ طباعت

البدر پبلی کیشنز
23-راحت مارکیٹ اُردو بازار لاہور
فون: 042-37225030-0300-8485030

Marfat.com

تاریخ اسلام کی عظیم المرتبت شخصیت

شہید المحراب

عمر بن الخطابؓ

عمر تلمسانیؒ　ترجمہ: حافظ محمد ادریس

....

☆ مستند تاریخی واقعات

☆ منفرد اندازِ تحریر

☆ رواں ترجمہ

خوبصورت جلد معیاری کمپوزنگ آفسٹ طباعت

البدر پبلی کیشنز

23-راحت مارکیٹ اُردو بازار لاہور

فون: 042-37225030-0300-8485030

Marfat.com

اصلاحِ اخلاق و معاشرت کے لیے

نہایت مفید کتاب

اسلامی زندگی

ڈاکٹر محمد علی ہاشمی

ترجمہ: محمد رضی الاسلام ندوی

- زندگی کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لیے ہر گھر کی ضرورت
- اسلامی تہذیب و معاشرت کے نمایاں پہلو

البدر پبلی کیشنز

23-راحت مارکیٹ اُردو بازار لاہور

فون: 042-37225030-0300-8485030

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com